# جميع الحقوق محفوظة بحقّ المؤلّف



سیرتِ عظیم اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین اسم الكتاب :



تأليف : ........................... فضيلة الشيخ رضاء الله الباجوري





الطبع ...........................الاول سنه 1447ھ بمطابق 2025

تنضید: ابو منقادرضاءاللہ بن الحاج خان بادشاہ حفظه الله عنه

النّاشر : ..... مدرسة ترتيل القرآن شريف آباد باجوڑ پاکستان

# اظہارِ تشکر

((إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صلي الله عليه وسلم، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔))

سب تعریفیں اللہ کو ہی سزاوار ہیں، ہم اللہ کی تعریف بیان کرتے ہیں، اس سے مدد کے خواستگار ہیں اور اس سے معافی مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کے شر ور اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت سے بہرہ یاب کر دے، اسے کوئی بے راہ کرنے والا نہیں، اور جسے اللہ سیدھے رستے سے بھٹکا دے، اسے کوئی سیدھی راہ دکھانے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

امابعد!

بے شک سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے اچھی سیرت سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اور سب سے بری بات (دین میں) نو ایجاد کردہ باتیں ہیں۔ اور (دین میں) نئی بنائی گئی ہر بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ کا ایندھن ہے۔"

آج ہم مسلمان جس اہم ترین بات سے غفلت برت رہے ہیں، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نیک ہستیوں اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ سیرتوں کے تذکرے ہیں۔ اسی لیے ہم ان پاکیزہ ہستیوں کے ساتھ وہ محبت وعقیدت اور عزت واحترام روا رکھنے سے محروم ہیں جو ان کے مبارک تذکروں کا بدیہی تقاضا ہے۔ ہماری عملی زندگیاں ان دروس ونصائح سے بھی خالی نظر آتی ہیں جو ان مبارک ہستیوں کی سیرتوں سے حاصل ہوتے ہیں اور بلاشبہ وہ رب تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہیں۔ بھلا اس سے زیادہ حیرت زدہ امر اور کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی قرآن وسنت اور سلف صالحین کی سیرت کو چھوڑ کر کسی اور رستے سے معرفت حقیقت حاصل کرنے کی سعی کرے؟ قرآن کریم کی آیات اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس "عظیم طبقہ" کے فضائل ومناقب اور مقام ومرتبہ کو بیان کرنے کے لیے سب سے بڑے اور بہترین شاہد ہیں۔ یہ وہ مبارک طبقہ ہے جس کو رب تعالیٰ نے اپنے سب سے بہتر اور افضل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لیے چنا تھا، جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾ (التوبۃ:۱۰۰)

"جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے اور انصار میں سے، اور جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔" اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾(الاحزاب: ۳۳)

"اے (پیغمبر کے) اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔" رب تعالیٰ کے ان پر شکوہ اور پر ہیبت ارشادات کے بعد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر پھر حیرت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی:

((فَلاَ غَرَابَةَ أَنْ يَّقُوْلَ فِيْهِمُ النَّبِيُّ صلي الله عليه وسلم : خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ))
(صحيح البخاری)

"سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے کے ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد کے ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد کے ہیں۔"

اس بات کی شہادت حضرات تابعین عظام رحمہم اللہ کے وہ ارشادات بھی دیتے ہیں جن میں اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء، ان کی سیرتوں کی اتباع اور ان حضرات کے قول و فعل کی موافقت کی دعوت ہے، بلکہ تابعین عظام رحمہم اللہ میں سے تو بعض حضرات نے اہل بیت رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور ان کے فضل کی معرفت کو سنت جب کہ بعض نے فریضہ قرار دیا ہے۔ بعض اسلاف تو اپنی اولادوں اور تلامذہ کو ان حضرات کی محبت یوں سکھلاتے تھے جیسے وہ انہیں قرآنِ کریم کی سورتیں سکھلاتے۔

ہم دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام کام آسان فرمادے اور ادارے کے لیے اُن کی خدمات کو قبول فرمالے۔ آمین یارب العالمین!

ادارے کی خواہش ہے کہ وہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی عظمت و شرف پر مزید کتب بھی منظر عام پر لائے تاکہ یہ سعادت لوگوں کو اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت اور نقش قدم کی طرف لے جائے۔

رب تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس کتاب کو لوگوں کے لیے مفید بنائے گا اور اس کے ذریعے سے امت مسلمہ کو اپنے ان بزرگوں کی سیرت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے گا جن کی ذات و کردار پر آج دشمنوں نے چاروں طرف سے یلغار کر رکھی ہے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَآخِرَ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

دار المنقاد پاکستان

# مقدمہ

سب تعریفیں اس اللہ کے لائق ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے، جو آسمانوں اور زمینوں کو پہلے سے موجود کسی نمونے کے بغیر بنانے اور پیدا کرنے والا ہے اور رب تعالیٰ کا درود و سلام ہو ہمارے پیغمبر سید الانبیاء والمرسلین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے عزت و عظمت کے مالک تمام آل و اصحاب رضی اللہ عنہم پر۔

اے دنیا بھر میں پھیلے میرے "اللہ کے لیے" بھائیو! تم جہاں کہیں بھی ہو، تم لوگوں کو میرا اسلام پہنچے پاکیزہ سلام، تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکت ہو۔ اے میرے بھائیو! میں تم لوگوں کو تڑپتے دل کے ساتھ سلام بھیجتا ہوں اس دل کے واسطے سے جو بے قراری کے ساتھ تیز تیز دھڑکتا ہے، اس پھول کے واسطے سے جب وہ اپنی کلیاں بکھیرتا ہے، اس نرگس کے واسطے سے جب وہ اپنی پنکھڑیاں پھیلاتا ہے اور تاحدِ نگاہ پھیلی وسیع و عریض کائنات اور تیرتے کواکب وافلاک کے واسطے سے۔

اے میرے بھائیو! اللہ میرا گواہ ہے کہ مجھے تم لوگوں سے اللہ کے لیے محبت ہے اور میں رب کے حضور دست سوال دراز کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو میرے تمام مسلمان بھائیوں کے لیے نافع اور مفید بنائے!

امابعد!

میں نے اس کتاب[1] کے لیے "عظیم اہل بیت" کا عنوان منتخب کیا ہے جس میں ہم آگے چل کر چند عظیم مردوں اور عورتوں کا ذکر کریں گے، لیکن یہ کوئی معمولی عظیم لوگوں کا تذکرہ نہیں بلکہ یہ ان عظیم لوگوں کا تذکرہ ہے جو خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف منسوب ہیں، یہ رب تعالیٰ کے عظیم پیغمبر جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے۔ جن پر فخر کرنا ہی ہمارا سرمایۂ افتخار ہے۔ ان پاکیزہ ہستیوں کا یہ حق ہے کہ ہم ان کے مرتبہ اور شان کو بلند کریں۔ فضیل بن عیاض سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

"جب میں حضرات اہل بیت کے کسی فرد پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میں نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور کی زیارت کی ہے۔" [1]

میرے بھائیو اور بہنو! ذرا مشرق و مغرب کی قوموں پر ایک نظر تو ڈالیے اور دیکھیے کہ انہیں کس طرح اپنے نامور لوگوں اور ہیروز پر فخر ہوتا ہے اور کیسے وہ دوسروں پر اپنے مشاہیر کو پیش کر کے اپنی بڑائی جتلاتے ہیں حالانکہ ان ناموروں میں سے بعض پرلے درجے کے سفاک، خون ریز، خون آشام، درندہ صفت جابر و قاہر اور مستبد و ظالم تھے، جنہوں نے انسانوں کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح مار ڈالا، ان کے سروں کے مینار بنائے۔

بستیوں اور آبادیوں کو تباہ و برباد اور تہس نہس کر کے رکھ دیا! ان ناموروں میں سے بعض نے لاشوں کے ڈھیر پر فتح کے جھنڈے گاڑھے، خونوں کی ندیاں بہا کر ظلم پر فخر کرنے کی نئی داستانیں رقم کیں۔ اپنی تیغ ستم کیش سے عورتوں اور بچوں تک کو نہ بخشا! بعض تادم واپسیں دنیاوی عزت و شرافت کے حصول میں ہی سرگرداں و حیراں رہے، اور اس کی خاطر کسی برائی سے دریغ نہ کیا اور ہر کمینی سے کمینی، خفیف و رذیل حرکت کا ارتکاب کیا۔

لیکن ان بدترین خصائل کا حامل ہونے کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کو ان پر فخر ہے، وہ ان کے انسانیت سوز اور شرمناک واقعات کو اپنے لیے

باعث صد افتخار سمجھتے ہوئے بڑی بے باکی، شوخ چشمی اور ڈھٹائی کے ساتھ بیان کرتے ہیں! صرف ان کے تذکروں تک ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ان کے نام کے یادگاری مجسمے بنا بنا کر ان کو جا بجا نصب کرتے ہیں تا کہ ان کے آبرو باختہ کارناموں کی یاد تازہ رہے۔ ان کے کرتوتوں کے تذکرے زندہ رہیں حالانکہ یہ رب کے سب سے برے بندے اور بدترین مخلوق تھے اور روزِ قیامت یہی لوگ سب سے زیادہ رسوا ہوں گے! لیکن اے میرے بھائیو اور بہنو! ہمارے مشاہیر، ہمارے ہیروز، ہمارے بہادر، ہمارے نامور اور سربر آوردہ لوگ کچھ اور ہی ہیں، اور کسی اور ہی رنگ ڈھنگ کے مالک ہیں وہ اپنی مثال آپ اور انسانی تاریخ انوکھا نمونہ، اسوہ اور قدوہ ہیں، بلاشبہ وہ یگانۂ روزگار، دریتیم اور فرد فرید تھے، اور شاعر کا یہ شعر ان پر بجا طور پر صادق آتا ہے۔

أُولَئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ

إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعَ

"اے جریر! جب مخالفین ہمارے سامنے (اپنے اپنے مشاہیر کو) جمع کریں (اور ان کو پیش کر کے اس بات کا چیلنج کریں کہ ہے کوئی ان جیسا؟ تو اس وقت اس للکار اور پکار کا جواب دیتے ہوئے ہم اپنے بڑوں اور بزرگوں کو پیش کر کے یہ کہیں گے کہ) یہ ہمارے بڑے ہیں (اے جریر! ہمت ہے تو) ان جیسا سامنے لاؤ۔" وہ ایسے کیونکر نہ ہوتے؟ کیونکہ وہ تو جناب رسالت مآب جنابِ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بجا طور پر سب سے اعلیٰ انسان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بڑائی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب تعلیمات براہِ راست اپنے پروردگار خالق و مالک سے حاصل کیں۔

یہ نکتہ ایک آفاقی حقیقت ہے کہ آپ جب بھی کسی عظیم انسان کے بارے میں سنیں گے اور اس سے ملیں گے تو یقیناً وہ اس سے کم درجے کا ہی نکلے گا جتنا کہ آپ نے اس کے بارے میں سنا تھا سوائے رسول کے یقیناً وہ اس سے کہیں بڑھ کر عظیم ہوتا ہے جتنا کہ اس کے بارے میں سن رکھا ہوتا ہے جس کا اندازہ ان لوگوں نے بجا طور پر خوب کیا جنہوں نے سننے کے بعد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

مشاہیر اسلام تاریخ اسلام کی صدیوں پر محیط ہیں اور ان لوگوں نے عظمت و بزرگی کا جو درجہ بھی پایا وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس کی گدائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ و قدوہ کی سچی پیروی کر کے حاصل کیا۔ ان مشاہیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع ہدایت سے روشنی پائی، علم نبوت کے چشموں سے سیراب ہوئے، اور آج اسی کی برکت سے وہ لوگ "عظیم" کہلاتے ہیں۔ آج ذلت و پستی اور انحطاط کے جس دور

سے ہم گزر رہے ہیں اگر ہم ان ذلتوں سے نکلنا چاہتے ہیں تو ہمیں روشن تاریخ سے انہی بزرگوں، مشاہیر اور عظیم ہستیوں کے شب و روز اور لیل و نہار کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ ہمیں صلاح و فلاح اور فوز و نجاح کے لیے اسلام کی انہی بلند اور عظیم ہستیوں کی روشن زندگیاں اپنے سامنے رکھنا ہوں گی اور ہمیں ان عظیم بزرگوں کی پاکیزہ سیرتوں کو اپنے علم و عمل، تمنا، آرزو اور فکر و نظر کا محور و مدار اور قدر و معیار بنانا ہوگا۔ ہم اس بات کا جس قدر بھی شکر ادا کریں کہ ہے کم ہماری تاریخ ایسے عظیم اور جلیل القدر مشاہیر سے معمور ہے، جہاں ہمیں عورتیں بھی مردوں کے شانہ بشانہ نظر آئیں گی۔ یوں تو ان حضرات کا تذکرہ ایک بحر ناپیدا کنار ہے اگر ہم ان سب کی نیک سیرتوں، خیرات اور حسنات کو لکھنے بیٹھ جائیں تو اس حیاتِ مستعار کا دامن تنگ پڑ جائے۔ اس لیے ہم نے مشاہیر اسلام میں سے بھی خاص ان ہستیوں کی مبارک زندگیوں پر روشنی ڈالنے کا انتخاب کیا ہے جو خود عظیم لوگوں کے لیے بھی ایک عظیم نمونہ ہیں۔ انہیں عظیم لوگوں کی اتباع کر کے بعد والوں نے عظمتوں کے بامِ عروج کو جا چھوا اور خود عظمتوں نے بھی ان کے قدموں کی خاک اور فرشِ راہ بن کے عظمتیں پائیں۔ جی ہاں! ہماری مراد اس سے خاص خانوادۂ رسول، آلِ بیت اطہار اور خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ ہیں کیونکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خاندانی نسبت ہونے کی بنا پر خاص ان برگزیدہ ہستیوں کو وہ عزت، شرف اور عظمت و رفعت نصیب ہوئی جو تکوینی طور پر دوسروں کے نصیب میں نہ آسکی۔ چنانچہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا:

((اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وَلَدِ اِسْمَاعِیْلَ ، وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ہَاشِمٍ ، وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ہَاشِمٍ)) [1]

”بے شک رب تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل میں سے (بنی) کنانہ کو چن لیا اور (بنی) کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اختیار کیا اور بنی ہاشم میں سے (خاص) مجھے (اپنی نبوت و رسالت کے لیے) چن لیا۔“

ایک شاعر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و شرافت کو ان الفاظ کے ساتھ خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے:

نَسَبٌ شَرِیْفٌ مِنْ خِیَارٍ کُلِّہٖ

شَرُفَتْ لَہُ الْاَخْوَالُ وَالْآبَائُ

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب سب کے سب نیک لوگوں میں سے شریف اور بزرگ ترین ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیال اور ددھیال سب کے سب عزت و شرافت کے مالک تھے۔“

پس رب تعالیٰ نے اپنے رسول جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بزرگ قبیلہ اور شریف ترین خاندان میں پیدا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے مشہور ترین قبیلے ”مضر“ کی ایک شاخ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی ”مضر“ قبیلہ ہے جو نزار بن معد بن عدنان کی طرف منسوب تھا۔ یہی حال سب پیغمبروں کا تھا جن کے بارے میں رب تعالیٰ کی حکمت نے یہ چاہا کہ وہ شریف ترین اور معزز ترین خاندانوں اور قبیلوں سے ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنے اس مذکورہ بالا ارشاد میں یہ بیان فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ نے دنیا بھر کے خاندانوں قبیلوں اور قوموں میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو چنا۔ جو حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے بلند، اونچے، معزز اور سب سے بڑی شان والے تھے۔ جن کے آباء و اجداد کی شرافت کا کوئی ثانی نہ تھا اور نہ ان کی اولاد و احفاد جیسا کوئی پاکیزہ اور طاہر تھا۔ باوجود یہ کہ میں یہ بات جانتا ہوں کہ جملہ اہل بیت کی سیرت کا استیعاب اس مختصر رسالہ میں مقصود بھی نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کیونکہ یہ امر بے حد طویل ہے جس کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے عمر نوح درکار ہے۔ الحمد للہ اہل بیت کی عظیم شخصیات حد شمار سے باہر ہیں جن کی عظیم سیرت اور تاریخ اور بے مثال کارہائے نمایاں صدیوں پر محیط ہیں۔ اسی لیے میں نے اس رسالہ کا آغاز بنی ہاشم کے ان عظیم سپوتوں کے ذکر سے کیا ہے جو صحابیت و قرابت دونوں کے شرف کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھے جیسے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، جنابِ حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ، جگر گوشۂ رسول سیّدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا، سیّدہ صدیقہ طاہرہ ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ ان مقدس ہستیوں کے پاکیزہ تذکروں کے بعد ہم نے اہل بیت کی ان شخصیات کا تذکرہ کیا ہے جو علم و ہدایت کے امام اور روشن چراغ تھے۔ جیسے امام زین العابدین، ان کے جلیل القدر سپوت امام باقر، امام جعفر صادق اور ان کے فرزند ارجمند امام کاظم، سیّدہ ام کلثوم، سیّدہ سکینہ رحمہم اللہ اور ہاشمی مطلبی امام جناب محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ وغیرہ جن کے اسلام میں روشن واقعات ہیں جن کے گواہ زمین و آسمان ہیں اور ان کی خوبیاں اور نیکیاں حد شمار میں نہیں آتیں۔

اہل بیت کی محبت ہر مومن مرد اور عورت پر واجب ہے اور یہ بنو ہاشم، علی بن ابی طالب، ان کی مبارک ذریت، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی پاکیزہ اولاد، اہل جنت کے سردار جناب حسن رضی اللہ عنہ اور جناب حسین رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کی بابرکت اور پاکیزہ اولاد اور ذریت، سیّدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور ان کی اولاد و ذریت، اور رسولِ خدا کے چچا سیّدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور ان حضرات کی اولاد و ذریت ہے کہ یہی لوگ جناب رسالت مآب جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں۔ ان سب حضرات سے محبت کرنا، ان کی عزت و احترام کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، نرمی و شفقت اور محبت و پیار کے ساتھ پیش آنا، ان کی موت پر صبر کرنا اور ان کے لیے مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ پس جس نے اہل بیت کی ذریت و اولاد کے ساتھ حسن سلوک کیا تو اس نے اپنے نیکوکار اور عزت و خیر والے اسلاف کے اخلاق اپنائے اور جس نے اہل بیت کی اولاد اور ذریت کے ساتھ ناروا سلوک کیا، اسے نیکی و سلامتی اور اصلاحِ عمل کی طرف دعوت دی جائے گی۔" [1]

میں نے اس کتاب میں ان عظیم شخصیات کی سیرت کو تاریخ کے اعتبار سے بیان کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ میں نے تو ان پاکیزہ ہستیوں کی مبارک سیرتوں کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ ہمیں ان بزرگوں کی زندگیوں کے بعض تربیتی مقامات سے واقفیت حاصل ہو۔ شاید یہی واقفیت ہمارے لیے ان کی اتباع و پیروی کا سبب بن جائے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

فَتَشَبَّهُوْا اِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ

اِنَّ التَّشَبُّهَ بِالْكِرَامِ فَلَاحٌ

"تم نیکوں اور کریم لوگوں کی مشابہت اختیار کرو۔ اگرچہ اس مشابہت سے تم ان جیسے تو نہ بن سکو گے لیکن اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ نیکوں کی مشابہت اختیار کرنے میں ہی کامیابی ہے۔"

آئندہ صفحات میں ہم اہل بیت پر گفتگو کرتے ہوئے پہلے ان کے چند فضائل و مناقب بیان کریں گے پھر اہل بیت کی شخصیات کی سیرت کو نوکِ قلم کریں گے اور اس کا آغاز ہم نبی کریم جناب رسالت مآب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک تذکرے سے کریں گے جو خاندانِ اہل بیت کے سردار ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے انسان ہیں اور درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے لیے باعث فخر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ انسان ہیں جن کی زندگی کی خود خالق پروردگار نے قسمیں کھائیں ہیں بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا شرف و عظمت ہو سکتی ہے۔ بے شک اس سے زیادہ بلند مقام اور بے پناہ وجاہت کا تصور ممکن نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (الحجر: ۷۲)

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) تمہاری زندگی کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔"

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

"رب تعالیٰ نے جس جان کو بھی پیدا کیا ہے۔" اس کو وجود بخشا ہے، اس کو تخلیق کیا ہے اس پر جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے احسان کیا ہے اور آپ کے وسیلہ سے اس کی عزت افزائی کی ہے۔ میں نے رب تعالیٰ کو سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کی بھی زندگی کی قسم اٹھاتے نہیں سنا۔" [1] [1] رواہ ابن جریر الطبری: ۵۲۶/۷۔

سبحان اللہ! یہ کیسی عظیم بلندی ہے، یہ کس قدر بلند عزت افزائی ہے اور یہ کیسی عظمت و بزرگی ہے!!!

خَلَقَ الْاِلٰهُ الْعَالَمِيْنَ وَزَانَهُمْ

بِمُحَمَّدٍ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا

يَكْفِيْهِ اَنْ خَلَقَ الْاِلٰهُ بِعُمْرِهٖ

شَرَفًا وَمَكَّنَ دِيْنَهٗ تَمْكِيْنًا

"رب تعالیٰ نے تمام جہانوں کو (اور ان میں بسنے والی مخلوق کو) پیدا کیا اور انہیں سب سے بہتر مخلوق اور انسان جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عزت بخشی جن کا دین سب سے بہترین دین ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور بزرگی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم اٹھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو غالب اور متمکن و مستحکم کیا۔"

ابو منقاد اللہ بن الحاج خان بادشاہ حفظہ اللہ ورعاہ وجعل الجنۃ مثوہ ۔۔20

ربیع الثانی ۔۔1447ھ ۔۔12اکتوبر 2025یوم الاحد بعدالظھر

## اہل بیت (رضی اللہ عنہم) کی تعریف

صحیح مسلم میں سیّدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

((قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم يَوْمًا فِينَا خَطِيبًا بِمَاءٍ يُدْعَى خُمًّا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَوَعَظَ وَذَكَّرَ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيهِ ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي۔))[1]

"(حج سے واپسی پر) ایک دن مکہ اور مدینہ کے درمیان خم نامی ایک تالاب پر (جو غدیر خم کے نام سے مشہور ہے) کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور وعظ فرمایا اور (لوگوں کو) نصیحت کی پھر ارشاد فرمایا:

"امابعد! اے لوگو! سن لو! بے شک میں بھی ایک (بندہ) بشر ہوں اور ایک دن دوسرے انسانوں کی طرح میں نے بھی اس جہان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ جانا ہے، اس لیے ممکن ہے کہ عنقریب میرے رب کا قاصد (مجھے بلانے کے لیے میرے پاس) آجائے اور میں (اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے) اسے قبول کر لوں اور (اسی لیے) میں تم لوگوں میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں (اگر تم لوگ میرے بعد ان دونوں بھاری چیزوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے پس) ان دونوں میں سے پہلی بھاری چیز اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں ہدایت اور نور ہے، پس تم اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور اس (کے احکامات) کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔" (آگے راوی بیان کرتے ہیں) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (لوگوں کو) کتاب اللہ پر (عمل کرنے پر) ابھارا اور اس کی رغبت دلائی پھر فرمایا: "اور (دوسری بھاری چیز جو میں تم لوگوں میں اپنے پیچھے چھوڑے جا رہا ہوں وہ) میرے اہل بیت ہیں (پس) میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، (اور) میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں (دوبارہ) اللہ کی یاد دلاتا ہوں (اور) میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں (سہ بارہ) اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔" کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اَتَاکَ حَدِیْثٌ لَا یُمَلُّ سَمَاعُہٗ

شَہِیٌّ اِلَیْنَا نَثْرُہٗ وَ نِظَامُہٗ

اِذَا سَمِعَتْہُ النَّفْسُ زَالَ عَنَاؤُہَا

وَزَالَ عَنِ الْقَلْبِ الْمُعَنّٰی ظَلَامُہٗ

"تیرے پاس ایسی بات پہنچی ہے جس کو سن کر دل نہیں اکتاتا اور ہمیں اس کی نظم ونثر دونوں پسند ہیں۔ اور جب (مصائب و حوادث سے چُور) نفس اس بات کو سنتا ہے تو اس کی (غموں کی) تکان دور ہو جاتی ہے، اور دکھوں کے مارے دل پر سے (پریشانیوں کا) اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔"

پیارے بھائیو! اہل بیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا، ان سے تعلق اور دوستی رکھنا اور ان پاکیزہ ہستیوں کے بارے میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اہم ترین وصیت کی حفاظت وصیانت کرنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے بارے میں تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا: "میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں" یہ مسلمانوں کے اصول عقائد میں سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے لوٹتے ہوئے مکہ اور مدینہ کے درمیان "خم" نامی ایک تالاب کے پاس یہ ارشاد فرمایا۔ یہ جگہ "غدیر خم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس جگہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے اور کھڑے ہو کر لوگوں میں خطبہ ارشاد فرمایا اور وعظ ونصیحت کی۔ چنانچہ سب سے پہلے فرمایا: "میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔" یہ دونوں چیزیں کون سی ہیں؟ جی ہاں! یہ دونوں چیزیں ہیں قرآنِ کریم اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت۔ علما نے لکھا ہے کہ ان دونوں چیزوں کو "ثقلین" کے نام سے ان کی عظمت اور بڑی شان کی بنا پر پکارا گیا۔ ان دونوں کی وجہ تسمیہ کی بابت ایک قول یہ ہے:

"انہیں اس لیے ثقلین کہا گیا ہے کہ ان دونوں پر عمل کرنا بے حد بھاری اور دشوار ہے۔"

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دو اہم اُمور یاد دلائے، ایک رب تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنا اور اس پر عمل کرنا۔ بے شک یہ وہ صراط مستقیم ہے جس کا آغاز تو دنیا سے ہوتا ہے پر یہ رستہ جنت میں جا کر ختم ہوتا ہے،

دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے بارے میں وصیت کی اور امت کو ان کے اکرام و احترام، عزت و توقیر، ان کے حقوق کی معرفت کا اور انہیں کسی بھی قسم کی ایذاء پہنچانے سے حد درجہ گریز کرنے کا صاف اور صریح حکم دیا۔

ایک شاعر کہتا ہے:

عَلَیْھِمْ سَلَامُ اللّٰہِ فِیْ کُلِّ سَاعَةٍ

عَدِیْدُ الْحِصٰی وَ الرَّمَلِ فِی الْفَلَوٰتِ

ھَنِیْئًا لَھُمْ قُرْبَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ

وَ بُشْرٰی لَھُمْ لُقْیَاہُ فِی الْجَنّٰتِ

بِہٖ شَرَفُوْا حَتّٰی اسْتَنَارَتْ حَیَاتُھُمْ

وَ اُخْرَاھُمْ بِالْبِشْرِ وَ الْبَرَکَاتِ

"ان آلِ بیت پر ہر گھڑی رب کی سلامتی ہو، (اتنی کہ) جتنی جنگلوں بیابانوں میں ریت کے ذروں اور کنکریوں کی تعداد ہے۔ انہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری مبارک ہو اور ساتھ ساتھ اس بات کی بھی بشارت ہو کہ انہیں جنتوں میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات وزیارت کا شرف حاصل ہو گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے انہیں (دنیا کی زندگی میں) عزت و شرافت نصیب ہوئی حتی کہ ان کی زندگیاں روشن ہو گئیں اور آخرت میں انہیں بشارت اور برکتیں ملیں گی۔"

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اہل بیت کی اپنے ارشاد میں وصیت فرمائی ہے وہ کون ہیں؟

اہل بیت کی تحدید میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ اگرچہ اس بابت علماء کا بے حد اختلاف ہے لیکن جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ "اہل بیت وہ ہیں جن کو زکوٰۃ لینا اور انہیں دینا دونوں حرام ہیں۔" اور یہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"میں اور بنو عبد المطلب نہ جاہلیت میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور نہ اسلام میں بے شک ہم اور وہ ایک ہیں" (یہ فرما کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے دکھلایا۔"[1]

اس بات پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ ازواجِ مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔ اور یہ زوجیت کے اعتبار سے اہل بیت میں شامل ہیں نا کہ قرابت کے اعتبار سے۔ مزید یہ کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین کا جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق و اتصال نسب کے تعلق کے مشابہ ہے کیونکہ زوجیت کا تعلق ابدی باقی اور غیر منقطع ہے۔ یعنی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زوجات ہیں۔ اور یہ امت کی مائیں ہیں۔ یاد رہے کہ

"آل اور اہل" کی اصطلاح کا اطلاق آدمی کی ازواج، ذریت اور قرابت داروں تینوں پر ہوتا ہے جیسا کہ اہل لغت نے اس کی تصریح کی ہے۔ اس معنی میں یہ لفظ قرآنِ کریم میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ جناب موسیٰ علیہ السلام کی بات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ (النمل: ۷)

"اور جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔"

اور اہل سے مراد سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہیں جو اس سفر میں آپ علیہ السلام کے ساتھ تھیں۔

اسی طرح رب تعالیٰ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی زوجہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾ (ہود: ۷۳)

"اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں وہ سزاوارِ تعریف (اور) بزرگوار ہے۔"

تب پھر اہل بیت کی یہ اصطلاح بنی ہاشم، بنی مطلب، اور ازواجِ مطہرات تینوں کو شامل ہے۔ رب تعالیٰ نے ان بزرگ ہستیوں کو چند خصوصیات کے ساتھ نوازا ہے جو ان مقدس ہستیوں کا طرۂ امتیاز ہیں اور انہی خصوصیات کی بنا پر ان مقدس ہستیوں کو دوسرے تمام انسانوں پر ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ ہم ان میں سے چار خصوصیات کو ذیل میں درج کرتے ہیں:

## پہلی خاصیت: اہل بیت سے محبت کرنا اور ان کے ساتھ موالات رکھنا ان کا حق ہے:

بے شک ہر مومن مرد اور عورت سے اللہ کے لیے محبت کرنا شرعاً واجب ہے۔ یہ وہ اخوتِ ایمانیہ اور موالات ہے جس میں سب مسلمان شامل ہیں اور یہ ہر ایک کا حق ہے لیکن آلِ رسول کی محبت الات، یہ وہ خاص محبت اور موالات اور ان حضرات کا اکرام ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ ذرا نبی کریم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو گوشِ ہوش نیوش سے سنیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزت مآب چچا جناب عباس رضی اللہ عنہ کو اس وقت ارشاد فرمایا جب انہوں نے بعض بنی ہاشم قریش کی بے رخی کی شکایت کی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَاللّٰہِ لَا یَدْخُلُ قَلْبَ امْرِئٍ اِیْمَانٌ حَتّٰی یُحِبَّکُمْ لِلّٰہِ وَلِقَرَابَتِیْ)) [1]

"اللہ کی قسم! کسی انسان کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ تم (اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم) سے اللہ کے لیے اور میری قرابت داری کی وجہ سے محبت (نہ) کرے۔" **دوسری خاصیت: اموالِ غنیمت اور فے کے خمس میں سے اہل بیت کا حق:** غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو قتال کے بعد کفار سے حاصل کیا جاتا ہے جبکہ فے اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے بغیر جنگ و قتال کے لیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (الانفال: ۴۱)

"اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ، اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مڈ بھیڑ ہو گئی۔ اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی۔ (اور) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

غنیمت اور فے کے خمس میں سے اہل قرابت اور آلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ثابت ہے۔

## تیسری خاصیت: اہل بیت پر زکوٰۃ کی حرمت:

جملہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جیسے خود جنابِ رسالت مآب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زکوٰۃ لینا حلال نہ تھا اسی طرح آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی زکوٰۃ لینا حلال نہیں۔ جس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ)) [1]

"بے شک آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ (وزکوٰۃ کا مال لینا) حلال نہیں کیونکہ یہ تو لوگوں (کے مالوں) کا میل کچیل (ہوتا) ہے۔"

چوتھی خاصیت: اہل بیت پر صلوٰۃ پڑھنا ان کا حق ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۶)

"اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجا کرو۔"

یہ آیت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست منقبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند ترین درجہ اور رتبہ و مرتبہ بیان کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ درود کیسے بھیجا جائے اس کا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو خود تعلیم فرمادیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آلِ پر درود و تبعاً آجاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درود پڑھنے کا طریقہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: تم (مجھ پر درود بھیجنے کے لیے یوں) کہو:

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ)) [1]

"اے اللہ! درود بھیج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل پر جس طرح کہ آپ نے درود بھیجا ابراہیم (علیہ السلام) پر اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آلِ پر بے شک تو سزاوار حمد وستائش اور بزرگوار ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل پر جس طرح برکت نازل فرمائی آپ نے ابراہیم (علیہ السلام) پر اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر۔ بے شک تو لائق تعریف اور بزرگوار ہے۔"

امام شافعی رحمہ اللہ حضرات اہل بیت کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ اپنا نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں:

یَا اَہْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ حُبُّکُمْ

فَرْضٌ مِنَ اللّٰہِ فِی الْقُرْآنِ اَنْزَلَہٗ

کَفَاکُمْ مِنْ عَظِیْمِ الْقَدْرِ اِنَّکُمْ

مَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَا صَلَاۃَ لَہٗ

"اے رسولِ خدا کے اہل بیت! رب تعالیٰ نے اس قرآن میں جس کو اس نے نازل فرمایا ہے تم لوگوں کی محبت کو (ہم پر) فرض قرار دیا ہے۔ اور تمہاری عظیم قدر و منزلت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ جو تم لوگوں پر درود نہیں پڑھتا اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔"

اس تمہید کے بعد بندہ عاجز عرض کناں ہے کہ میرا یہ مختصر رسالہ حضرات اہل بیت عظام والکرام کی پاکیزہ زندگیوں کے بعض پہلوؤں کو روشن کرنے کی بابت میری جانب سے ان مقدس ہستیوں کی جناب میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک عاجزانہ کاوش ہے۔ بے شک یہ حضرات متقیوں کے سردار اور پیغمبروں کے بعد انسانیت کا سب سے بہتر طبقہ ہیں جس کی شہادت روئے زمین کا ذرہ ذرہ اور چراغ نیلگوں کی لا محدود وسعتیں دیتی ہیں، ان حضرات کے جلیل القدر واقعات کی بازگشت تاریخ اسلام کے ہر ورق پر سنائی دیتی ہے اور سنائی دیتی رہے گی۔

اگر ہم یہ کہیں تو بے جانہ ہوگا کہ ان بزرگ ہستیوں کے محاسن اور خوبیاں حد شمار و قطار سے باہر ہیں۔ یوں تو ان پاکیزہ ہستیوں کے ہم پر بے شمار حقوق ہیں جن سے سبکدوش ہونے کی ہم میں سکت نہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ہم ان کے علمی و عملی ورثہ کو پڑھیں، ان کی تاریخ کا مطالعہ کریں، ان کے اقوال وافعال کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی سچی پیروی کریں۔ ان کو حرزِ جاں بنائیں اور ان کو اپنے لیے ایک نیک نمونہ بنائیں جس کو اپنا کر ہم دنیا و آخرت میں سچی اور حقیقی کامیابی حاصل کریں۔ یہ بات سراسر خطا ہے کہ ہم آلِ بیت اظہار کے ساتھ محض عقیدت کا اظہار کر کے اسی پر اکتفاء کر لیں۔ جب

کہ ہماری عملی زندگیوں میں، ہمارے اقوال و افعال میں ان حضرات کی محبت و عقیدت کی کوئی بازگشت سنائی نہ دے۔ بلکہ سچی محبت تو عاشقوں پر اطاعت و فرمانبر داری کو فرض کر دیتی ہے۔ کسی شاعر نے ایک سچے عاشق اور محب کا مبنی بر حق تصور کھینچا ہے:

تَعْصِی الْحَبِیْبَ وَاَنْتَ تَزْعمُ حُبَّہٗ

ہٰذَا امَحَالٌ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعٌ

لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَہٗ

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

"تو اپنے محبوب کی نافرمانی کر کے بھی یہ گمان کیے پھرتا ہے کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔ یہ ناممکن اور حقیقت میں از حد انوکھی ہے اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اپنے محبوب کی فرمانبر داری کرتا بے شک عاشق اپنے محبوب کا بے دام غلام اور مطیع و فرمانبر دار ہوتا ہے۔"

## بیت نبوت کے سر دار رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

ہم اپنی گفتگو کا آغاز اس محبوب ترین ہستی کے ذکر سے کر رہے ہیں جن کے لیے ہمارے دل مشتاق اور فریفتہ ہیں، جن کو یاد کر کے ہمارا ظاہر و باطن پاکیزہ اور معطر ہو جاتا ہے، جن کے ذکر سے دل نرم پڑ جاتے ہیں، ان میں رقت پیدا ہوتی ہے اور ان میں رجوع و انابت اور اطاعت و فرمانبر داری کے جذبات کروٹیں لینے لگتے ہیں اور جب بھی ان کا ذکر آتا ہے تو اہل ایمان کے قلوب ان کی زیارت کے لیے تڑپ اٹھتے ہیں اور انہیں یہ شوق دامن گیر ہوتا ہے کہ کب جنت میں جا کر ان کی زیارت سے نگاہیں ٹھنڈی ہوں گی۔

یہ ہستی رب تعالیٰ کے رسول جناب محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے آنے کی آپ کی نبوت سے قبل ہی سب پیغمبروں نے بشارت دی، اور جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا چہار دانگ عالم میں اعلان کیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے نواز دیا گیا آسمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی حفاظت کے لیے سخت پہریداروں اور شہابِ ثاقبوں سے بھر گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قریب آ گیا اور آفتابِ رسالت بس طلوع ہونے کو ہی تھا کہ اس کے چرچے چہار سو پھیل گئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں سے بھی گزرتے شجر و حجر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ" کہتے ہوئے سنتے۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سر فراز ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پھیلی، جزیرۂ عرب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سر تسلیم و اطاعت اور امتثال و انقیاد خم کیا، عجمیوں کے دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے دہل اٹھے۔ اے مخاطب! اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت رسالت

مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر کیسا تھا؟ تو سمجھ لے کہ تو نے ماہِ تمام کی بابت پوچھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک حسن و جمال کی نئی داستانیں رقم کر رہا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حسین تھے رخ روشن کے جھیلنے کی کسی میں تاب نہ تھی۔ مارے ہیبت کے کوئی نگاہیں چار نہ کر سکتا تھا۔ جمالِ جہاں آراء کی منظر کشی کرنے والوں کے پاس باوجود بے پناہ ذخیرہ الفاظ ہونے کے تعبیر و تصویر کے لیے الفاظ کا دامن تنگ پڑ گیا۔ پیکر رسالت کی دل آویزی حیطۂ بیان کی دسترس سے باہر ہو گئی۔ رخِ انور سرخی مائل سپید تھا، خوش قامتی کو کیا بیان کیجیے کہ نہ کوتاہ قد کہ طبیعت دیکھ کر مکدر ہو، نہ اتنا دراز قد کہ مزاج پر گراں ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میانہ قامتی مائل بہ درازی تھی جو دل و نگاہ کے لیے باعث فرحت و سرور تھی۔ کشادہ جبیں، سرِ مبارک بھرا بھرا اور بڑا تھا جو عظمت و مصیبت بنی دراز تھی، جس کا باریک بانسہ چہرۂ مبارک کی کشش و جاذبیت میں چند در چند اضافہ کرتا تھا۔ رخِ انور پر ہر وقت نور کی تاب رہتی تھی۔ داڑھی مبارک گنجان تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل رجولیت کا مظہر تھی۔ کشادہ دہن میں فاصلہ دار دانت موتیوں کی لڑیوں کی طرح دیدہ زیب لگتے تھے۔ بدن چھریرا تھا، نہ دبلا نہ موٹا، شکم مبارک اور کشادہ سینہ ایک خط میں سیدھا تھا۔ بدن بے حد گداز اور مرمریں تھا۔ چھونے والا یوں سمجھتا تھا۔ جیسے دیبا و ریشم پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔

بَشَرٌ وَلٰكِنْ فِيْ صِفَاتٍ كُمَّلٍ

فَكَأَنَّهٗ قَدْ صِيْغَ كَيْفَ يَشَاءُ

فَالْوَجْهُ بَدْرٌ وَالسِّمَاتُ مَلِيْحَةٌ

وَاللَّفْظُ دُرٌّ وَالشِّفَاهُ شِفَاءُ

"اگرچہ آپ (دوسروں کی طرح) بشر ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفات میں کامل ترین (انسان) ہیں گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و صورت کا پیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب منشا تیار کیا گیا ہے۔ رخِ انور چودھویں کے چاند کی طرح منور اور روشن ہے اور نقوش میں ملاحت ہے۔ لبوں سے الفاظ موتیوں کی طرح جھڑتے ہیں اور خود لب مبارک (اور ان سے نکلنے والے الفاظ بیمار دلوں کے لیے) شفا ہیں۔"

رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث فرمایا جب رب کی دھرتی وسیع کی عبادت اور بت پرستی سے لتھڑی ہوئی تھی، کاہنوں کی باتوں کے چرچے تھے، خونریزی اور قتل و غارت کا بازار گرم، رشتے ناتوں کو تار عنکبوت کی طرح توڑا جارہا تھا۔ ان گھمبیر حالات اور ظلمت و تاریکی فضا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کے چراغ روشن کیے، لوگوں کو توحید، عبادت اور ہر خیر کو طرف بلایا۔ اور اس راہ کی ہر تکلیف اور اذیت کو سہا، لوگوں نے جھٹلایا، منہ پھیرا، اعراض کیا، اور پیٹھ پھیر لی۔ پھر ستم بالائے ستم ہے کہ ہر طرح سے ستایا، پر آپ نے ان سب ایذاؤں پر صبر فرمایا اور کمال صبر فرمایا۔ اس صبر جمیل پر رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل بلند کیا، آپ کا رتبہ اونچا کیا، رب تعالیٰ نے آپ کو غالب معجزے عطا فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل واضح اور روشن تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رعب عطا فرما کر دشمنوں پر غالب اور مظفر و منصور کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا گیا، روزِ قیامت سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو ہی کھولا جائے گا اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوں گے، اور اس ہولناک دن رب کے حضور سب سے پہلے سفارش کرنے کی توفیق وعنایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اور ارزاں فرمائی جائے گی۔ جب میدانِ حشر قائم ہو جائے گا تو سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ماننے والے اور سچے پیروکار سامنے آئیں گے۔ سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دینے کا اعزاز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مرحمت فرمایا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر عبادت میں کھڑے رہتے حتیٰ کہ قدم مبارک ورم کر کے پھٹ جایا کرتے تھے۔ نماز پڑھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں ٹھنڈی ہوتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے حضور خشوع وخضوع اور خلوصِ دل کے ساتھ کھڑے ہوا کرتے تھے۔ سیّدنا عبداللہ بن شِخِّیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ”میں خدمت رسالت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب کے حضور کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے اور (خوف وخشیت) اور گریہ وبکا کی وجہ سے سینہ مبارک سے یوں آواز آ رہی تھی جیسے ہانڈی کے اندر سے ابلنے کی آواز آتی ہے۔“ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ عاجز اور منکسر المزاج تھے، فقراء کے ساتھ بلا تکلف اٹھتے بیٹھتے، مسکینوں اور لاچاروں کے ساتھ مل کر کھانا کھا لیتے، اپنا جوتا خود سی لیتے، گھر والوں کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹا دیتے، خدمت گاروں کو عار نہ دلاتے اور نہ انہیں ڈانٹتے ڈپٹتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص سیّدنا انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ”میں نے جناب وساطت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی۔ اللہ کی قسم! (اس طویل عرصہ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے اُف تک نہ کہا۔ اور (اگر میں کوئی کام غلط کر بیٹھتا تو) کبھی مجھے یہ نہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا؟ اور (اگر کسی کام کے کرنے میں کوتاہی کی تو کبھی مجھے یہ نہ فرمایا کہ) تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟“ [2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بوڑھوں کا احترام فرماتے، چھوٹوں کے ساتھ تواضع اور شفقت کے ساتھ پیش آتے، فخر واتراہٹ کبھی پاس بھی نہ پھٹکی تھی۔ اور نہ کبھی تکبر اور اکڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل ودماغ میں راہ پا سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمایا کرتے تھے۔

((اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ)) [3]

”(بے شک) میں (بھی دوسروں کی طرح ان کا) بندہ ہوں۔ پس (اگر تم نے میرے بارے میں کچھ کہنا ہی ہے تو) کہو کہ (میں) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول (ہوں)۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے منہ موڑ لیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر عمل آخرت کے لیے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

((مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا! مَا اَنَا وَالدُّنْیَا اِلاَّ کَرَاکِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَھَا)) [1]

”بھلا میرا دنیا سے کیا واسطہ! میری اور دنیا کی مثال تو اس سوار (مسافر) کی سی ہے جو (دورانِ سفر ذرا دیر کو ستانے کے لیے) کسی درخت کے سائے تلے رک گیا پھر اسے چھوڑ کر (اپنی منزل کی طرف) چل دیا۔“

سر دارِ دو جہاں پر دو دو ماہ کے چاند گزر جاتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی گھر میں چولہانہ جلتا کیونکہ اتنا سامانِ خورد ونوش ہی میسر نہ ہو تا تھا جسے آگ پر پکا کر کھانے کی نوبت آتی۔ کئی کئی رات بھوکے سو جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ گھر والوں کے لیے بھی رات کے کھانے کے لیے کچھ نہ ہو تا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن بھر مارے بھوک کمر جھکائے رہے کہ (اس دن) آپ کو پیٹ بھرنے کے لیے ایک ردّی کھجور بھی میسر نہ تھی۔" [2]

زَہِدَ الدُّنْیَا مُتَرَفِّعًا مُتَوَاضِعًا

وَسَمَا لِآخِرَۃٍ بِھَا النَّعْمَاءُ

جَآءَتْ مَفَاتِیْحُ الْکُنُوْزِ فَرَدَّھَا

وَمَضٰی یَجُوْعُ لِتَشْبَعَ الْفُقَرَاءُ

یَمْضِی الْھِلَالُ مَعَ الْھِلَالِ وَلَا یُرٰی

اِلَّا تَمَرَاتٌ لَدَیْہِ وَمَاءُ

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی ہر نعمت سے اس کو حقیر جانتے ہوئے اور اس سے بچتے ہوئے اپنے رب کے حضور عاجزی کرتے ہوئے اور آخرت کی تیاری کرتے ہوئے جہاں نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، زہد اختیار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا کے سب خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کمال استغناء کے ساتھ ردّ فرمادیا اور خود بھوکے رہے تاکہ فقیروں اور تنگدستوں کا پیٹ بھرے، آپ کے کاشانۂ اقدس پر دو دو چاند گزر جاتے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سوائے چند کھجوروں اور پانی کے شکم سیری کا اور کوئی سامان دکھائی نہ دیتا تھا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل و شمائل کے عین مطابق تھے اس لیے اپنی شان میں اونچے اونچے الفاظ، القابات اور اعزازات ہر گز پسند نہ فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک پر تصنع، بناوٹ اور بنا بنا کے، چبا چبا کے الفاظ ادا کرنا بے حد گراں گزرتا تھا۔ ایک دفعہ چند لوگوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے بیٹے! اے ہمارے سر دار اور ہمارے سر دار کے بیٹے!" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگو! اپنی بات کہو (اور جس کام کے لیے آئے ہو، وہ کہو۔ ہماری یوں تعریف نہ کرو) اور (ایسی مبالغہ آمیز باتیں کرنے میں کہیں) شیطان تم لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا نہ لے" (اور سچی باتیں کرتے کرتے کہیں تم سے جھوٹی باتیں نہ کہلوانے لگے)۔[1]

اے غلو کرنے والو! کہاں ہو تم لوگ؟ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مبالغہ کرنے والو! کدھر ہو؟ کہاں ہیں وہ لوگ جو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفات بیان کرتے ہیں (جیسے عالم الغیب ہونا، مختارِ کل ہونا، حاضر وناظر ہونا وغیرہ) جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں ہی نہیں؟

تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے کہاں چلے گئے… آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہیں:

((أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ، وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُوْنِيْ فَوْقَ مَنْزِلَتِيْ الَّتِيْ أَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ)) [1]

"میں محمد بن عبد اللہ، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اللہ کی قسم! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم مجھے میرے اس درجہ سے زیادہ بلند کرو جس پر رب تعالیٰ عزوجل نے مجھے اتارا ہے۔" ایک دفعہ کسی نے یہ کہہ دیا کہ "جو اللہ چاہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

((أَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا؟ قُلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ)) [2]

"کیا تم نے مجھے اللہ کے (ایک) برابر کر دیا؟ (بلکہ یوں) کہو کہ ایک اکیلا اللہ جو چاہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرماتے تو ہمہ تن گوش ہو کر سنتے، کوئی حکم ارشاد فرماتے تو اس کو بجالانے کے لیے لپکتے۔ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب سے زیادہ محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وملاقات اور صحبت ومجالست کا شرف نصیب ہوا۔ چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر اور تعظیم وتکریم کی انتہا کر دی۔ یہ وہ شرافت تھی جو نہ ان سے پہلے کے لوگوں کو نصیب ہوئی اور نہ بعد والوں کو۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر سیّدنا عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہما قریش مکہ کی طرف سے گفتگو کرنے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن عقیدت اور صدقِ اخلاص کا ایسا عجیب منظر دیکھا جو اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ سیّدنا عروہ رضی اللہ عنہ واپس جا کر اسی منظر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اے میری قوم کے لوگو! واللہ! میں نے قیصر وکسریٰ، نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں مگر بخدا عقیدت ومحبت اور تعظیم وجلال کا ایسا عجیب وغریب منظر نہیں دیکھا کہ جتنی تعظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ان کی کرتے ہیں میں کسی کو اپنے آقا وسردار کی ایسی تعظیم کرتے نہیں دیکھا (سیّدنا عروہ رضی اللہ عنہ صحیح کہتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اس لیے عقیدت ومحبت کا یہ حیرت انگیز منظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ ایسا منظر نہ پہلے دیکھا گیا اور نہ بعد میں اب ممکن ہے۔ سیّدنا عروہ رضی اللہ عنہ اس حیرت انگیز عقیدت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں) جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے تھوک یا بلغم نکلتا ہے، وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا، ہاتھوں ہاتھ اس کو لے لیتے ہیں اور اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ سب سے پہلے یہ حکم میں بجالاؤں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی دھون پر بھی لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے،

قریب ہے کہ آپس میں لڑ پڑیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے ہیں تو ایک سناٹا چھا جاتا ہے گویا کہ ہر ایک سراپا گوش بنا ہوا ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ رخِ انور پر نگاہ جما کر دیکھ سکے۔"[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکیزہ ترین اخلاق اور عمدہ ترین آداب کو اپنی ذاتِ ستودہ صفات میں جمع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر والوں کا اکرام فرماتے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک فرماتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوتیں تو ان کے احترام میں اٹھ کھڑے ہوتے، ان کا ہاتھ تھام کر پیار کرتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھلاتے۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَیْرُکُمْ لِأَهْلِي)) [3]

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہے اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے اچھا ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق کی خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خالق ومالک نے گواہی دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم: ۴)

"اور اخلاق تمہارے بہت بلند ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بے پناہ تکلیفیں اور اذیتیں اٹھائی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑوں جیسے ستم اٹھائے اور اف تک نہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قول، فعل غرض ہر طرح سے ستایا، جنون کی تہمت لگائی، جادو گر کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کا بہتان باندھا، جھٹلایا اور جھوٹا کہا چنانچہ کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ دل آزار بات کہی: "یہ تو جادو گر ہے جھوٹا۔"

جنگ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دو دانت شہید ہو گئے، رخِ انور پر زخم آیا اور خون بہنے لگا، اپنی ہی قوم کے لوگوں نے وطن سے بے وطن ہونے پر مجبور کر دیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرطِ غم اور صدمۂ جدائی سے آبدیدہ ہو گئے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب کچھ چھین کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تہی دست کر دیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے رب کی توحید کی دعوت دیتے رہے، اپنے دین کا دفاع کرتے رہے۔ اور اپنے ہر دکھ درد، حزن وملال اور غم ونادوہ کی شکایت کی تو صرف اپنے رب سے کی۔ چنانچہ طائف کے سفر میں بے پناہ تکالیف سہنے کے بعد واپسی پر اپنے رب کے حضور سے فریاد کی۔

((اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَأَنْتَ رَبِّيْ، إِلَى مَنْ تَكِلُنِيْ؟ إِلَى عَدُوٍّ يَتَجَهَّمُنِيْ؟ أَمْ إِلَى قَرِيْبٍ مَلَّكْتَهُ أَمْرِيْ؟ إِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِيْ، وَلٰكِنَّ

عَافِیَتُکَ ہِیَ اَوْسَعُ لِیْ ، اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ ، وَصَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ مِنْ اَنْ یَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُکَ اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ ،لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِکَ ۔))[1]

"اے اللہ! میں تجھ سے اپنی کمزوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں کی بے توقیری کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الرحمین! تو کمزوروں کا خاص طور پر مربی اور میرا پروردگار (مددگار) ہے، تو مجھے کس کے سپرد کرے گا؟ کسی دشمن کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو اور غضب ناک ہوتا ہے؟ یا کسی قریبی (دوست) کے جس کو تو میرے امور کا مالک بنائے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہ ہو تو پھر مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں۔ مگر تیری عافیت اور سلامتی میرے لیے باعث صد سہولت ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے چہرے کے اس نور کے واسطے سے جس سے سب اندھیرے روشن ہوگئے اور اسی نور کے طفیل دنیا و آخرت کا کار خانہ چل رہا ہے۔ (میں پناہ مانگتا ہوں) اس بات سے کہ تیرا غضب اور ناراضگی مجھ پر اترے اور اصل مقصود تجھ ہی کو سنانا ہے اور تجھے راضی کرنا ہے۔ بندہ میں کسی شر سے پھرنے اور خیر کے کرنے کی قدرت نہیں مگر جتنی تیری بارگاہ سے عطا کی جائے۔"

پھر چشم فلک نے دیکھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سب خیرات و برکات حاصل ہوئیں۔ تو کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ توحید سے رک گئے؟ ہر گز نہیں! بلکہ توحید کی دعوت تو ہمیشہ سے عظیم داعیانِ ایمان و توحید کی زندگیوں کا فرضِ منصبی اور کارہائے نمایاں رہا ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کے رستے کی ہر تنگی، سختی، تلخی، شدت، دقت، تکلیف اور مصیبت کو کھلے دل کے ساتھ چکھا اور جھیلا اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ تیرہ سالہ طویل زمانہ میں جو ہر طرح کے مصائب و مصاعب سے معمور تھا، نہ کبھی جی بھر کے سوئے اور نہ کبھی پورا آرام کیا، ایک انتھک محنت تھی جس میں راحت و آرام کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شجر اسلام کو اپنے خون اور آنسوؤں سے سینچا، ساری دولت اس پر لٹادی۔ شب و روز اس کے نام کر دیئے، اور نہ کبھی اکتائے، نہ ستائے اور نہ کبھی رکے اور نہ گھبرائے، یہاں تک کہ دین کو اس کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا، اور پورے جزیرۂ عرب میں توحید کے نعرے گونجنے لگے۔ اور ہر جگہ "لا الہ الا اللہ" کا پرچم بلند ہوا۔

میرے بے حد قابل احترام بھائیو! نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آج جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ ترین شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان "مشاہیر" کی صف میں اوّل جگہ دے کر کھڑا کر دیا جاتا ہے جن کی تاریخ ظلم و سفاکی، بہیمیت و بربریت، جبر و استبداد، قہر و غضب اور خونریزی و خون آشامی کے تیرہ و تاریک پردوں میں لپٹی ہے۔ کیا ہمارے سراپا عدل و رحمت، شفقت اور افت، نرمی و ملاطفت رسولِ برحق کا یہی احترام ہے کہ دل کو تسلی دینے کی خاطر اوّل جگہ دے کر ایسے نامعقول اور نالائق لوگوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صف میں جگہ دی جائے؟[1]

ان مشاہیر کا حال بے حد پتلا ہے، کوئی عقل میں عبقری تھا پر جذبات سے خالی۔ کسی کی بلند خیالی اور زبان کی بلاغت زمین و آسمان کے قلابے ملاتی تھی لیکن ان کی فکری سطح بے حد پست تھی۔ کوئی زبردست حکمران اور قائدانہ صلاحیتوں کا مالک تھا لیکن اس کے سیرت و اخلاق بے حد سوقیانہ، عامیانہ گھٹیا اور بازاری تھے۔ اور وہ بجا طور پر شریر، موذی اور فاسق و فاجر تھا۔ لیکن ہم ببانگ دہل یہ کہہ سکتے ہیں اور ہمارا کہنا بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ

کائنات کا ذرہ ذرہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ جناب رسولِ خدا حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دامن عفت و صداقت میں ساری عظمتوں کو سمیٹے ہوئے تھے۔ جب کہ تاریخ میں پیش کردہ بلکہ تیار کردہ یہ مشاہیر ایسے تھے جنہوں نے اپنی زندگیوں کے بعض گوشوں کو چھپانے کی اور اپنے بعض معاملات کو پردۂ خفا کی گمنام گھاٹی میں دھکیلنے کی از حد کوشش کی۔ اور انہیں اس بات کا بجا طور پر اقرار تھا کہ ان کی زندگیوں کے یہ پہلو ان کے لیے باعث عار اور شرمساری کا سبب ہیں اور وہ مرتے دم تک اس بات سے ڈرتے رہے کہ کہیں دنیا کو ان کے چہروں کے ان سیاہ رخوں کی خبر نہ لگ جائے۔ جن کی تعبیر سے زبان و بیان بھی شرماتے اور کتراتے ہیں اور الفاظ ان برائیوں کی ترجمانی سے گریزاں نظر آتے ہیں جن کا تعلق ان کی شہوت رانیوں، ستم کشیوں، اہل خاندان کے ساتھ بے رخیوں اور بے اعتدالیوں اور ان کی فطرت اور ذوق کی کجیوں اور انحرافات سے تھا۔

جب کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت وہ واحد شخصیت ہے جنہوں نے اپنی کتابِ حیات کے ہر ہر ورق کو آفتابِ نیم دوز کی طرح ہر کہ ومہ کے سامنے عیاں کر رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھلی کتاب تھے جس کا کوئی ورق دوسرے کی اوٹ میں نہ تھا۔ جس کی کوئی سطر دھندلی اور محو نہ تھی، جو چاہے آگے آئے، جہاں سے اور جس زاویہ سے چاہے پڑھے... کوئی ہے! جو مجھے ایسے کسی اور عظیم کا پتا دے، اور میں بھی تو دیکھوں کہ کیا اس عظیم میں قیامت تک کے انسانوں کو یہ کہنے کی جرأت ہے:

''لوگو! یہ رہی میری ساری سیرت، میرے سب افعال، ان کو خوب غور سے پڑھ لو۔ دیکھ لو، جانچ پرکھ لو، ہر زاویہ سے، ہر نقطۂ نظر سے ان کا جائزہ لے لو، اور ہاں! میرا یہ کردار، قول و فعل، حال چال، رنگ ڈھنگ، طرز اسلوب، طریقہ سلیقہ، رویہ اور نمونہ، اپنے پرائے، دوست دشمن جس کو چاہے دکھلا لو۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو ذرا اس میں کہیں کسی عیب، نقص، کمی، عار، لچک، بے مروتی، جھول پر انگلی رکھ کر اس کی نشاندہی تو کر دکھاؤ، چلو کسی خلافِ عظمت و عزیمت یا غیر معیاری حرکت کا ہی پتا بتا دو۔'' اے میرے بے حد قابل احترام مسلمان بھائیو! ہے کوئی دوسرا ایسا عظیم جس کی سیرت ایسی باریک تر جزوی تفصیلات کے ساتھ مدون و مرتب کی گئی ہو جیسے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت کو مدون کیا گیا؟ آج چودہ صدیاں بیت گئی ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیل و نہار اور خلوت و جلوت کا ہر ہر چھوٹا بڑا واقعہ یوں منضبط ہے جیسے یہ آج کا مشاہدہ ہو۔ یہ ہیں اس کائنات کے سب سے عظیم انسان ہمارے رسول اور پیغمبر جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

## ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

یہ آلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مقدس اور مبارک خواتین کا تذکرہ ہے جنہوں نے تاریخ انسانی کے سب سے افضل زمانہ میں زندگی گزاری، اور سعادت در سعادت ان بزرگ خواتین نے کائنات کی بزرگ ترین ہستی کے گھر میں ادب و تربیت حاصل کی۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے ان کا رتبہ بلند کیا، ان کی قدر و منزلت کو اونچا کیا اور ان کی تعریف بیان کی اور تعریف بھی اپنی لازوال اور آفاقی کتاب قرآنِ مجید اور فرقانِ حمید میں بیان کی۔ وہ مسلمان عورت کس قدر خوش نصیب اور سعادت مند ہوگی جو ان نیک ترین خواتین کی پاکیزہ زندگیوں کو سامنے رکھ کر زندگی گزارے گی اور اپنے گھر کے ماحول کو ان مقدس ہستیوں کی تعلیمات کی روشنی میں ڈھالے گی۔ ان عظیم ترین خواتین کو سب سے افضل رسول ( صلی اللہ علیہ وسلم )

کے نکاح میں آنے کا شرف حاصل ہوا اور ازواجِ مطہرات کے موقر لقب سے نوازی گئیں اور بار گاہِ الٰہی سے انہیں قیامت تک کے سب مسلمانوں کی مائیں کہلائے جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ رب تعالیٰ ان کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ۚ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ ﴾ (الاحزاب:۳۲)

"اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیز گار رہنا چاہتی ہو۔"

پھر واقعی ان بزرگ خواتین نے تقویٰ اختیار کرنے کا حق ادا کر کے دکھایا اور قیامت تک کے لیے مثال بن گئیں رب تعالیٰ نے ساری مخلوق میں سے ان اونچی خواتین کو اپنے سب سے محبوب پیغمبر کے لیے منتخب فرمایا اور انہیں سارے عالم کی خواتین پر وہ فضیلت بخشی جس میں نہ پہلے کوئی عورت شریک تھی اور نہ قیامت تک کوئی اور عورت شریک ہو سکے گی۔ رب تعالیٰ نے انہیں جملہ اخلاق و فضائل سے آراستہ کیا، ہر قسم کی محسوس اور معنوی میل کچیل سے دور کر کے پاک صاف کر دیا۔ ان کے دلوں کو کفر و شرک، بری عادات، سوئے اخلاق اور نفاق و شقاق سے سلامت رکھا اور ان کے اعضاء و جوارح کو گندے افعال کے ارتکاب سے محفوظ رکھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ۚ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿﴾ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾ (الاحزاب: ۳۲،۳۳)

"اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پرہیز گار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی سے) نرم نرم باتیں نہ کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کر لے۔ اور دستور کے مطابق بات کیا کرو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح جاہلیت (کے دنوں) میں (پہلے)

اظہارِ تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ، اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو اے (پیغمبر کے) اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔"

## ام المؤمنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات آلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ اسی تناظر میں آج ہم جناب رسالت مآب خاتمی مرتب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجۂ مبارک ام المومنین کے بارے میں چند باتیں ذکر کرتے ہیں۔ یہ بے حد عقل مند، ذہین، نیک

سیرت، اعلیٰ ترین دین و نسب کی مالک، ام قاسم سیّدہ طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد ہیں۔ آپ کا خاندان عزت و شرافت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے فضائل و آداب سے آراستہ ہو کر تربیت پائی۔ عزت و شرافت اور عفت و پاک دامنی آپ کا زیور تھا۔ آپ کی پاکی، نیکی اور حیاء کو دیکھتے ہوئے اشرفِ مکہ نے آپ کو "طاہرہ" کا لقب دیا۔ پھر قلب و روح کی یہی طہارت، اخلاق و کردار کی یہی پاکیزگی رنگ لائی اور آپ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آگئیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ کائنات کی نیک ترین ہستی کے شایانِ شان ایسی ہی پاک دامن خاتون تھی۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نہایت نیک خدمت گزار اور اچھی بیوی ثابت ہوئیں۔ آپ نے اپنا سارا مال جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دیا، دل و جان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور اپنی کامل عقل کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و معاونت میں صرف کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس آکر ٹھکانہ پکڑتے اور اپنے سارے دکھ درد، اور پریشانیاں آپ کو سنا کر دل کا بوجھ ہلکا کرتے۔

سبحان اللہ! سیّدہ طاہرہ "خدیجہ رضی اللہ عنہا" کا نام لبوں پر آتے ہی ایک درد مند مسلمان ماضی میں کھو جاتا ہے اور اسے نبوت وبعثت کی دعوت کا سب سے پہلا زمانہ یاد آجاتا ہے جب اسلام کی سب سے پہلی کرن سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پھوٹی تھی۔ یہ آپ ہی تھیں جو سب سے پہلے اسلام لے آئیں۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علی الاطلاق سب سے پہلے ایمان لانے والی آپ ہی تھیں۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ خلق خدا میں سے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد تھیں اور اس شرف میں کوئی دوسرا مرد یا عورت آپ پر سبقت نہ لے جاسکا۔" [1]

جب رب کائنات نے انسانیت کے پاس اپنی سب سے بڑی ہدایت کو توحیدی انوار کے پردوں میں لپیٹ کر بھیجا اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت عامہ اور رحمت دائمہ دے کر قیامت تک کے زمانوں کے لیے ساری انسانیت کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حق کا پیغام آن پہنچا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حراء میں رب کی عبادت میں ہمہ تن مشغول تھے۔ تو فرشتہ نے آگے بڑھ کر یہ کہا: "پڑھیئے!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا: "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر اس شدت سے دبایا کہ میری مشقت کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس کے بعد چھوڑ دیا اور پھر دوبارہ یہ کہا، "پڑھیئے!" میں نے کہا: "میں پڑھ نہیں سکتا۔" اس پر فرشتہ نے مجھے دوبارہ پکڑ کر اس زور سے دبایا کہ میری مشقت کی انتہا نہ رہی۔ اس کے بعد فرشتہ نے مجھے چھوڑ دیا اور (تیسری مرتبہ) کہا: "پڑھیئے!" میں نے (پھر وہی) کہا کہ: "میں پڑھ نہیں سکتا۔" اس پر فرشتے نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑ کر اس زور سے دبایا کہ میری مشقت کی انتہا نہ رہی۔" پھر مجھے چھوڑ کر کہا کہ:

﴿ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴿﴾ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿﴾ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴾ (العلق: ۱۔۳)

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو۔ جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔"

بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور جو منظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا اس کی ہیبت سے قلب مبارک کانپ رہا تھا اور بدنِ مبارک پر لرزہ طاری تھا۔ گھر داخل ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مبارکہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ))

"مجھے کچھ اوڑھاؤ، مجھے کچھ اوڑھاؤ۔"

تو گھر والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چادر اوڑھا دی۔ کچھ دیر بعد جب گھبراہٹ دور ہوئی تو تمام واقعہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنا دیا۔ اور فرمایا:

((لَقَدْ خَشِیْتُ عَلَی نَفْسِیْ))

"مجھ کو اندیشہ ہوا کہ میری جان نہ نکل جائے۔"

قارئین کرام! حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پر ہیبت ارشاد سن کر سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا؟ اور آپ جیسی بے پناہ عقل مند بیوی نے کیا کیا؟ آپ نے مضبوط دل کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنبھالا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف دور کیا، تسلی دی، ڈھارس بندھائی اور یہ عرض کیا: "ہرگز نہیں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو کچھ نہ ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بشارت لیجیے، اللہ کی قسم! اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو صلہ رحمی کرتے ہیں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلہ رحمی بالکل محقق ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سچ بولتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں (یعنی دوسروں کے قرضے اپنے سر لے لیتے ہیں) مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق بجانب امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ معین و مددگار رہتے ہیں۔[1]

بے شک ایک نیک بیوی اور سمجھ دار خاتون ایسی ہی ہوتی ہے، جو اپنے نیکوکار خاوند کے شانہ بشانہ کھڑی ہو کر اس کی تائید کرتی ہے اور اپنے قول و فعل سے اپنے نیکوکار خاوند کی معین و مددگار بنتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی وادی میں ہر چھوٹے بڑے، آزاد غلام، آقا اور محکوم سب کو توحید کی دعوت دینا شروع کر دی۔ صدیوں سے بتوں کی پرستش کی عادی قوم کے لیے ایک خدا کی عبادت کی دعوت کسی صورت قابل قبول نہ تھی اس لیے قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے ستایا، اور اس ایذاء رسانی میں اپنے پرائیوں، قریبی رشتہ دار حتی کہ خاندان کے لوگوں میں سے بھی کوئی پیچھے نہ رہا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے پناہ جسمانی اور روحانی اذیتیں دیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی وادی میں لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے رہے۔

[1]یہ حدیث متفق علیہ ہے (بخاری: ۶۹۶۷۔ مسلم: ۲۳۱) اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات اور اعلیٰ اخلاق معروف تھے جن کا دوست دشمن سب کو اقرار تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں خوشی ناخوشی میں ایسے ہی تھے۔

یوں تو ایسے واقعات کا شمار نہیں لیکن ہم ایک اہم ترین واقعہ ذکر کرتے ہیں جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ سیّدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کب ستایا؟ کیا آپ ایسا کوئی واقعہ ہمیں ذکر کریں گے تو فرمانے لگے:

"ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے شمالی گوشے میں جو حطیم میں داخل ہے (جس کو حجر کعبہ بھی کہتے ہیں) نماز ادا فرما رہے تھے کہ اچانک بد بخت عقبہ بن ابی معیط ادھر آنکلا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں مشغول دیکھا تو فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے کا ارادہ کر لیا کہ یہ موقعہ اس کی دانست میں غنیمت تھا۔ چنانچہ اس نابکار نے اپنی چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ڈال کر اس کو نہایت سختی کے ساتھ بل دیا۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھٹ کر رہ گیا۔ یہ منظر دیکھ کر سیّدنا صدیقِ اکبر اس بد بخت کی طرف مڑے اور نہایت دلیری اور طیش کے ساتھ اس منحوس کے کندھے پکڑ کر زور سے دھکا دیا اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹایا، پھر نہایت درد سے فرمایا: "کیا تم لوگ ایک ایسے شخص کو جان سے بے شک ایک نیک بیوی اور سمجھ دار خاتون ایسی ہی ہوتی ہے، جو اپنے نیکوکار خاوند کے شانہ بشانہ کھڑی ہو کر اس کی تائید کرتی ہے اور اپنے قول و فعل سے اپنے نیکوکار خاوند کی معین و مددگار بنتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی وادی میں ہر چھوٹے بڑے، آزاد غلام، آقا اور محکوم سب کو توحید کی دعوت دینا شروع کر دی۔ صدیوں سے بتوں کی پرستش کی عادی قوم کے لیے ایک خدا کی عبادت کی دعوت کسی صورت قابل قبول نہ تھی اس لیے قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے ستایا، اور اس ایذاء رسانی میں اپنے پرائیوں، قریبی رشتہ دار حتی کہ خاندان کے لوگوں میں سے بھی کوئی پیچھے نہ رہا۔

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے پناہ جسمانی اور روحانی اذیتیں دیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی وادی میں لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے رہے۔ یوں تو ایسے واقعات کا شمار نہیں لیکن ہم ایک اہم ترین واقعہ ذکر کرتے ہیں جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ سیّدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کب ستایا؟ کیا آپ ایسا کوئی واقعہ ہمیں ذکر کریں گے تو فرمانے لگے:

"ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے شمالی گوشے میں جو حطیم میں داخل ہے (جس کو حجر کعبہ بھی کہتے ہیں) نماز ادا فرما رہے تھے کہ اچانک بد بخت عقبہ بن ابی معیط ادھر آنکلا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں مشغول دیکھا تو فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے کا ارادہ کر لیا کہ یہ موقعہ اس کی دانست میں غنیمت تھا۔ چنانچہ اس نابکار نے اپنی چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ڈال کر اس کو نہایت سختی کے ساتھ بل دیا۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھٹ کر رہ گیا۔ یہ منظر دیکھ کر سیّدنا صدیقِ اکبر اس بد بخت کی طرف مڑے اور نہایت دلیری اور طیش کے ساتھ اس منحوس کے کندھے پکڑ کر زور سے دھکا دیا اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹایا، پھر نہایت درد سے فرمایا: "کیا تم لوگ ایک ایسے شخص کو جان سے مار ڈالنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب (ایک اکیلا) اللہ ہے؟" [1]

ابو لہب نے اپنی بدبختیوں کی عجیب داستان خود اپنے ہاتھوں سے رقم کی جس پر رب تعالیٰ نے بھی سورۂ لہب نازل فرما کر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ یہ ناہنجار بازاروں میں، مجلسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس جس کو بھی ایمان کی دعوت دیتے یہ پیچھے سے چلا چلا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتا رہتا۔[2] خاوند کی یہ چستی تندھی دیکھ کر ابو لہب کی بیوی ام جمیل بھی پیچھے نہ رہی اور خاوند کے اکیلے جہنم میں جانے کو گوارانہ کیا۔ اور دنیا کا ساتھ آخرت میں بھی نبھانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ابو لہب نے گلیاں اور بازار سنبھال لیے جب کہ ام جمیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا رستہ سنبھال لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رستے میں کانٹے بچھاتی اور کوڑا کرکٹ پھینکتی۔ غرض تکلیفوں، ایذاؤں اور اہانتوں اور مذاق اڑانے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا جو قوم کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین حق کی دعوت کے رستے میں برداشت کرتے تھے۔ مگر ان تمام ایذاؤں، تکلیفوں، اذیتوں، پریشانیوں اور کلفتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سیّدہ طاہر خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شفیق اور رحیم دل ثابت ہوئیں۔ وہ ایک پختہ اور ٹھوس رائے بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی جتنی بھی دلآزار اور ناگوار باتیں سن کر رنجیدہ و افسردہ اور آزردہ و گرفتہ ہو کر گھر پر تشریف لاتے تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح تسلی دیتیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا غم غلط ہو جاتا۔ بلاشبہ سیّدہ صدیقہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا ایک عظیم خاتون اور نیک بیوی تھیں۔ آپ نے کبھی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کا جواب نہ دیا، جھگڑنے کا تو سوال ہی نہ تھا تو پھر کہاں کا ستانا، بے حد خدمت گزار، عاجز و متواضع، سراپا اطاعت تسلیم اور پیکر ادب و تعظیم تھیں۔ ان خدماتِ جلیلہ و رفیعہ کا بدلا اسی دنیا میں ملنا از حد ضروری تھا۔ اور ملا، اور بڑی شان کے ساتھ ملا، چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ”جنابِ جبرئیل علیہ السلام نے خدمت رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ ہیں جو تشریف لائی ہیں (یعنی آنے والی ہیں) ان کے ساتھ ایک برتن ہے جس میں سالن یا کھانا یا پینے کی کوئی چیز ہے۔ پس جب وہ تشریف لے آئیں تو انہیں ان کے رب کا اور میرا سلام کہیے گا۔“ سبحان اللہ! یہ حدیث پڑھ کر امام ابن قیم رحمہ اللہ بے ساختہ کہہ اٹھے، ”یہ ایسی فضیلت ہے جہاں تک ہم جانتے ہیں ان کے سوا کسی اور خاتون کے نصیب میں نہیں آئی۔“ [1]

اور جناب جبرئیل علیہ السلام نے آپ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایسے موتی سے بنے ایک گھر کی بشارت دی جو اندر سے خالی ہے جس میں نہ شور شرابا ہو گا (جس سے دل الجھے) اور نہ تھکان ہو گی۔ (جس سے دماغ بو جھل ہو)۔[2]

علامہ سہیلی رحمہ اللہ اس عظیم بشارت پر اپنے خیالات کا ان الفاظ کے ساتھ اظہار کرتے ہیں: ”سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سیّدنا جبرئیل علیہ السلام نے جنت کے ایک گھر کی بشارت دی کیونکہ انہوں نے کبھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز کے ساتھ بات نہ کی تھی۔ اور جب تک ساتھ رہا کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ستایا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھکایا اور نہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چلائیں اور نہ کبھی کوئی اذیت پہنچائی۔“ [3]

بیویاں یوں ہوا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے تو بلند الفاظ کے ساتھ کرتے آپ کی شان بے حد بلند کرتے، ان کی رفاقت و صحبت کا شکریہ ادا کرتے، اس کی قدر دانی کرتے۔ اور ان الفاظ کے ساتھ ان کی مدح فرماتے:

((إِنِّيْ قَدْ رُزِقْتُ حُبَّهَا)) [1]

"مجھے خدیجہ کی محبت ودیعت کی گئی ہے۔"

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سیّدہ خدیجہ کا ذکر کرتے تو ان کی (اتنی تعریف کرتے کہ) تعریف کرتے ہوئے اور ان کے لیے استغفار کرتے ہوئے تھکنے کا نام نہ لیتے۔" [2]

سیّدہ طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خود بھی نیک بنیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو سنبھالا، سدھارا اور اپنی اِن اَن تھک محنتوں کا ثمرہ دنیا میں ہی وصول کر لیا، وہ یوں کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی لختِ جگر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب جہانوں کی سب سے بہتر خواتین قرار پائیں جو دنیا و آخرت میں ملنے والا سب سے بڑا انعام ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ اِمْرَأَةُ فِرْعَوْنَ)) [3]

"اہل جنت کی سب سے افضل عورتیں (چار ہیں، اور وہ) خدیجہ بنت خویلد، فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم ہیں۔"

يَا خِدْرَهَا كَمْ كُنْتَ مَشْرِقَ رَحْمَةٍ

وَكَمْ اِسْتَفَاضَ النُّوْرُ فِيْكَ وَغَرَّدَا

وَيَجِيْءُ جِبْرَئِيْلُ الْأَمِيْنُ مُحَيِّيًا

مِنْ رَبِّهٖ يُلْقِي السَّلَامَ مُرَدَّدًا

وَمُبَشِّرًا بِالْبَيْتِ مِنْ قَصَبٍ لَهَا مَا

فِيْ قِمَّةِ الْفِرْدَوْسِ ذِيْ شَيِّدًا

مِثْلُ خِدْرِكَ يَا خَدِيْجَةُ رِفْعَةً

طُهْرًا وَتَشْرِيفًا وَمَجْدًا مُفْرَدًا

لَوْلَا حِرَائِيُّ لَكُنْتَ أَوَّلَ مَنْزِلِ

أَهْدٰى لِيَ الدُّنْيَا الرِّسَالَةَ وَالْهُدٰى

"اے سیّدہ خدیجہ کی خلوت گاہ! تو کس قدر بابرکت ہے، تیرے اندر رحمت کی کس قدر کرنیں پھوٹی تھیں۔ اور تجھ میں کس قدر نور بھر جاتا تھا اور تو نور سے جھوم اٹھتا تھا۔ جبرئیل امین اپنے رب کے پاس سے سلام لے کر آئے اور آپ کو بار بار سلام کہا اور آپ کو جنت میں موتی کے ایک گھر کی بشارت دی جو جنت الفردوس کی چوٹی پر ہوگا جس کو میرے پروردگار نے خود بنایا اور مضبوط کیا۔ اے خدیجہ! جنت کا وہ گھر اپنی رفعت وبلندی، طہارت وپاکیزگی اور بے مثل بزرگی میں تیری خلوت گاہ کی طرح ہے۔ اور اگر غار حراء نہ ہوتی تو اے خدیجہ! تیری یہ خلوت گاہ ہی دنیا تک ہدایت ورسالت پہنچنے کی پہلی منزل ہوتی۔"

## امہات المومنین کے عام فضائل

(ا) ... اللہ تبارک وتعالیٰ نے آل بیت کو گندگیوں، شرک، شیطان، گندے کاموں اور اخلاقِ ذمیمہ سے پاک قرار دیا ہے، امہات المومنین بھی آلِ بیت ہی میں سے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاO وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًاO وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًاO﴾ (الاحزاب: ۳۲۔ ۳۴)

"اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں میں سے کسی کی طرح نہیں ہو، بشرطیکہ تم تقویٰ اختیار کرو، تو بولنے میں نزاکت نہ کرو اس سے ایسے شخص کو (غلط) خیال ہونے لگتا ہے جس کے دل میں بیماری ہے، اور بہترین بات کہو، اور تم اپنے گھروں میں رہو، اور قدیم زمانہ جاہلیت کی طرح نہ پھرو، نمازوں کو قائم کرو، زکوٰۃ دو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، بلاشبہ اللہ چاہتا ہے کہ اے گھر والو! تم سے گندگی کو دور کرے اور تم کو پاکیزہ بنادے، اور تم ان آیات اور اس حکمت کو یاد رکھو جن کی تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہے، بے شک اللہ رازداں اور بڑا باخبر ہے۔" ان آیتوں کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ تطہیر (پاک بنانے) کی آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو بھی شامل ہے، یہ کیسے نہیں ہو سکتا، جب کہ یہ آیتیں ان ہی کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں۔

(۲)... مومنین کی ماؤں کا مرتبہ ان کو حاصل ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے احترام اور ان کے ساتھ شادی کرنے کے حرام ہونے میں ان کو مومنین کی مائیں بنایا ہے، آپ کی صحبت کا شرف اس کے علاوہ ہے۔

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ (الاحزاب: ۶)

"نبی مومنین سے ان کے نفس سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

(۳)... دنیا اور اس کی زیب و زینت کو چھوڑ کر امہات المومنین نے اللہ اس کے رسول اور آخرت کا انتخاب کیا، اس کا بدلہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ دیا کہ اپنے پاس ان کے اجر کے لیے اجر عظیم تیار کر کے رکھ دیا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا○﴾ (الاحزاب: ۲۸۔ ۲۹)

"اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تم کو کچھ مال و متاع دیتا ہوں اور تم کو بہتر طریقے پر رخصت کرتا ہوں، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت چاہتی ہو تو (سن لو) اللہ نے تم میں سے نیک کردار کے لیے اجر عظیم تیار کر کے رکھا ہے۔" یہ بات معلوم ہی ہے کہ ان امہات المؤمنین نے اللہ اور رسول کا انتخاب کیا، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاقیں نہیں دیں۔

(۴)... ان کو اطاعت اور عمل صالح پر دگنا اجر ملتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا○﴾ (الاحزاب: ۳۱)

"اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی تو ہم اس کو دوہرا اجر دیں گے اور ہم نے اس کے لیے با عزت روزی تیار کر رکھی ہے۔"

(۵)... شرافت، عزت اور بلند مقام و مرتبہ میں امہات المومنین دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○﴾ (الاحزاب: ۳۲)

"اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں میں سے کسی کی طرح نہیں ہو، بشرطیکہ تم تقویٰ اختیار کرو، تو بولنے میں نزاکت نہ کرو اس سے ایسے شخص کو (غلط) خیال ہونے لگتا ہے جس کے دل میں بیماری ہے، اور بہترین بات کہو۔"

(٦)... اللہ عزوجل نے امہات المومنین کو ان کے گھروں میں تلاوت قرآن اور حکمت کی باتوں کے نزول کی وجہ سے عزت سے سرفراز کیا ہے، جو ان کی جلالتِ شان اور علو مرتبہ پر دلالت کرتا ہے۔

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝﴾ (الاحزاب: ٣٤)

"اور تم ان آیات اور اس حکمت کو یاد رکھو جن کی تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہے، بے شک اللہ راز داں اور بڑا باخبر ہے۔"

(٧)... امہات المومنین کو دنیا اور آخرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہونے کا شرف حاصل ہے۔

## ازواج مطہرات کے خصوصی فضائل

(١)... خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی، "قصی" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں، امہات المومنین میں سے حضرت خدیجہ اپنے والد کی طرف سے آپ کے ساتھ نسب میں دوسری سب ازواج سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہیں، قصی کی اولاد میں سے آپ نے ان کے علاوہ صرف ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے ساتھ شادی کی ہے۔[1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا شمار نسب کے اعتبار سے قریش کے متوسط خاندان میں ہوتا ہے، آپ بڑی باعزت اور مالدار عورت تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال کی تھی تو آپ کی شادی حضرت خدیجہ کے ساتھ ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کی شادی ہالہ بن نباش بن زرارہ تمیمی کے ساتھ ہوئی تھی، جن کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لے آئیں اور دعوتی کاموں میں آپ کا تعاون کیا، یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عورتوں پر ان کو فضیلت دیتے تھے،[2] سوائے ابراہیم کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد ان ہی کے بطن سے ہوئی، ابراہیم حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کی، جب ہجرت سے تین سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا تو دوسری شادی کی۔

حضرت خدیجہ کے جلیل القدر فضائل اور عظیم مناقب ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

١۔ آپ کا شمار سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہوتا ہے: وہ اللہ کی وحی پر سب سے پہلے ایمان لے آئیں، ان کو اس کا بھی اجر ملے گا اور ان کے بعد ایمان لانے والے ہر شخص کا اجر بھی ملے گا۔[3]

٢۔ ان کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے اڑتیس سالوں میں سے پچیس سال تک آپ کی زوجیت میں تن تنہا رہی، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو تہائی ازدواجی زندگی ان کے ساتھ گزری۔

٣۔ ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطیہ خداوندی تھا۔[1]

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کثرت سے تذکرہ کرتے تھے، ان کا ذکر خیر کرتے تھے، ان کی تعریف کرتے تھے اور ان کے ساتھ محبت اور مودت کے تعلقات کو بیان کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی پر اتنی غیرت نہیں آئی جتنی مجھے حضرت خدیجہ پر آئی، کیونکہ آپ ان کا تذکرہ کثرت سے کیا کرتے تھے، حالانکہ میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا۔[2]

۵۔ وہ امت محمدیہ کی سب سے بہترین عورت ہیں۔ امام بخاری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بہترین عورت مریم ہیں اور بہترین عورت خدیجہ ہیں۔[3]

۶۔ اللہ کی طرف سے سلام اور جنت میں موتی کے ایک گھر کی بشارت جہاں نہ شور شرابہ ہوگا اور نہ کوئی تھکن۔ امام بخاری اور امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اللہ کے رسول! یہ خدیجہ آ رہی ہیں، ان کے ساتھ سالن کا ایک برتن ہے، جب وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے ان کو سلام کہیے اور جنت میں موتی کے ایک گھر کی بشارت دیجئے جہاں نہ کوئی شور شرابہ ہوگا اور نہ کوئی تھکن ہوگی۔[4]

۷۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بطن سے اولاد عطا فرمائی، ان کے علاوہ کسی دوسرے کے بطن سے اولاد نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے ان کے بطن سے اولاد عطا فرمائی جبکہ ان کے علاوہ سے اولاد نہیں دی۔[1]

(۲)... سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی بن غالب بن فہر، ان کی ماں شموس بنت زید بن عمرو انصاریہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کی شادی سکران بن عمرو سے ہوئی، سودہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں، اور ان سے حضرت ابن عباس، یحییٰ اور عبد اللہ بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے، مکہ میں بہت پہلے ہی اسلام قبول کیا، انہوں نے اور ان کے شوہر نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی، وہیں پر ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔[2] یہ پہلی عورت ہیں جن کے ساتھ حضرت خدیجہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی، مکہ ہی میں یہ شادی ہوئی، اس کے بعد تقریباً چار سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی نہیں کی، صرف سودہ ہی آپ کی اس مدت کے دوران بیوی تھیں، یہ بڑی محترم اور شریف عورت تھیں، ان کی وفات راجح قول کے مطابق حضرت عمر کے عہدِ خلافت کے آخری سالوں میں ۵۵ ہجری میں ہوئی۔

## حضرت سودہ کے فضائل اور مناقب:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہنے کی آپ خواہش مند اور حریص تھیں، اسی وجہ سے انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب اور محبت حاصل ہو اور جنت میں آپ کی بیوی بن کر رہیں۔

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ حضرت سودہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میں اللہ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ آپ مجھ سے رجوع کر لیں، قیامت کے دن مجھے آپ کی بیویوں میں اٹھایا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رجوع کر لیا۔[3]

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ سودہ بنت زمعہ نے اپنی باری عائشہ کو ہبہ کر دی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا دن اور سودہ کا دن گزارتے تھے۔[4]

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ تمنا کی کہ وہ رہن سہن میں ان کی طرح بن جائیں۔ امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے سودہ کے مقابلے میں کسی ایسی عورت کو نہیں دیکھا کہ ہر چیز میں جس کی طرح ہونا مجھے محبوب ہو۔[1]

(۳)... عائشہ بنت ابو بکر صدیق: (ابو بکر کا نام عبد اللہ بن عثمان تیمی قریشی ہے)، ان کی کنیت ام عبد اللہ ہے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ اپنی کنیت رکھنا چاہتی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھانجے کے نام پر کنیت رکھو، چنانچہ انہوں نے ام عبد اللہ کنیت رکھی، عبد اللہ کے والد زبیر بن عوام ہیں اور ان کی ماں اسماء بنت ابو بکر ہیں، حضرت عائشہ کی ماں کا نام ام رومان بنت عامر بن عویمر کنانیہ ہے، بعثت نبوی کے چار سال بعد ان کی پیدائش ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ سال کی عمر میں ان کے ساتھ شادی کی اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاوہ کسی دوسری باکرہ لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کی، ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی براءت نازل ہوئی، وہ حضرت خدیجہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی تھیں اور امت کی عورتوں میں فقہ کی سب سے بڑی ماہر ہیں، اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے پاس فتویٰ پوچھا کرتے تھے۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، ان کی وفات ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ میں ہوئی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور رات کو جنت البقیع میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ ☆ حدیث کی کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت سے فضائل اور مناقب کا تذکرہ ملتا ہے، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں: ۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ امام بخاری نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوۂ ذات السلاسل کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے دریافت کیا: آپ کا سب سے محبوب کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ، میں نے دریافت کیا: مردوں میں؟ آپ نے جواب دیا: اس کے والد... [3]

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی سے پہلے ریشم کے کپڑے میں حضرت عائشہ کی تصویر جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے خواب میں تین راتوں تک تم کو دکھایا گیا، جبرئیل ریشم کے کپڑے میں تم کو لے کر میرے پاس آئے اور کہا: یہ تمہاری بیوی ہے، میں نے تمہارا چہرہ کھول کر دیکھا تو وہ تم تھی، میں نے کہا: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اس کو پورا کرو۔[1] ۳۔ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو اپنا سلام

کہلوایا۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا: عائشہ! یہ جبرئیل ہیں، تم کو سلام کہہ رہے ہیں، میں نے کہا: ان پر اللہ کی سلامتی، رحمت اور برکت ہو، آپ وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی۔[2]

۴۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر میں تھے۔ یہ خصوصیت امہات المومنین میں سے کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام سلمہ! عائشہ کے سلسلے میں مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ، کیونکہ اللہ کی قسم! اس کے علاوہ تم میں سے کسی عورت کے بستر میں وحی نازل نہیں ہوئی۔[3]

۵۔ جب اللہ کے رسول اور دنیوی زندگی کے درمیان انتخاب کی آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ سے دو میں سے ایک کا انتخاب کرنے کے لیے کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۲۸۔ ۲۹)

"اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تم کو کچھ مال و متاع دیتا ہوں اور تم کو بہتر طریقے پر رخصت کرتا ہوں، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو (سن لو) اللہ نے تم میں سے نیک کردار کے لیے اجر عظیم تیار کر کے رکھا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو اپنے والدین سے مشورہ کرنے کے لیے کہا: حضرت عائشہ نے اپنے والدین سے مشورہ کرنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا، بقیہ ازواجِ مطہرات نے بھی ان ہی کی پیروی کی۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اس موقع پر انہوں نے کہا:... میں کس سلسلے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں اللہ اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہوں، وہ کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے میری طرح ہی کیا۔[1]

۶۔ ان کی وجہ سے بہت سی قرآنی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں سے بعض ان کی شان میں ہیں اور بعض پوری امت کے لیے ہیں، آپ کی شان میں نازل ہوئی آیتیں مندرجہ ذیل ہیں:

☆ واقعہ افک میں آپ پر لگائے گئے الزامات سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بری کر دیا اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیتیں نازل فرمائی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ (النور: ۱۱)

"جن لوگوں نے (عائشہ پر) یہ الزام لگایا ہے وہ تم ہی میں سے چند لوگ ہیں، اس کو تم اپنے لیے شر نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لیے خیر ہے، ان میں سے ہر شخص کو جتنا جس نے کیا تھا اس کا گناہ مل گیا، اور ان میں سے جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ہے اس کو سخت سزا ہوگی۔"

﴿الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (النور: ٢٦)

"گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے، صاف ستھری عورتیں صاف ستھرے کے لائق ہوتی ہیں اور صاف ستھرے مرد صاف ستھر عورتوں کے، یہ لوگ ان باتوں سے بری ہیں جو یہ (منافقین) کہتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی (جنت میں) ہے۔"

وہ آیتیں جو ان کی وجہ سے نازل ہوئیں اور وہ پوری امت کے لیے عام ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار عاریتاً لیا جو کھو گیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو اس ہار کی تلاش میں روانہ کیا، راستے میں نماز کا وقت ہو گیا تو انہوں نے وضو کے بغیر ہی نماز پڑھ لی، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اس بارے شکایت کی، جس کے نتیجے میں اس موقع پر تیمم کی آیت نازل ہوئی، اس پر اسید بن حضیر نے کہا: اللہ آپ کو جزائے خیر دے، اللہ کی قسم! جب بھی تم کو کسی ناپسندیدہ چیز سے واسطہ پڑا تو اللہ نے تمہارے لیے اس سے نکلنے کا راستہ بنایا اور اس میں مسلمانوں کے لیے برکت رکھی۔[1]

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواہش ظاہر کی کہ عائشہ کے گھر میں آپ کی تیمار داری کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان کے ہاتھوں میں ان ہی کے باری کے دن ہوئی، اور دنیا کے آخری لمحات میں اللہ نے ان دونوں کے تھوک کو جمع کر دیا، اور ان ہی کے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہوئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ عبد الرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت میں اپنے سینے سے آپ کو ٹیک لگائے ہوئے تھی، عبد الرحمن کے پاس ایک تازہ مسواک تھی، جس سے وہ مسواک کر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گھور کر دیکھا، تو میں نے ان سے مسواک لیا اور اس کو خوب چبایا اور بہترین بنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا، آپ نے اس سے مسواک کیا۔[2]

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ عائشہ جنتی ہیں۔ امام بخاری نے قاسم بن محمد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ بیمار ہوئیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس آئے اور فرمایا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کے پاس سچی جانشین ہو کر جا رہی ہو۔ ابن عباس کا قطعیت کے ساتھ ان کو جنتی کہنا اپنی طرف سے نہیں ہو گا، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے کی وجہ سے ہی ہو گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور ترمذی نے عبد اللہ بن زیاد اسدی سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا کہ انہوں نے کہا: میں نے عمار کو فرماتے ہوئے سنا: یہ آپ کی دنیا اور آخرت میں بیوی ہیں۔[3]

۹۔ حضرت عائشہ امت مسلمہ کی عورتوں میں سب سے بڑی عالمہ ہیں، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے شمار حدیثوں کو روایت کیا ہے، جن کی تعداد دوہزار سے زیادہ ہے،[4] اسی وجہ سے مسائل علمیہ میں کبار صحابہ ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور فتویٰ دریافت کرتے تھے۔

(۴)... حفصہ بنت عمر بن خطاب عدویہ قریشیہ: یہ عبداللہ بن عمر کی علاتی بہن ہیں، ان کی ماں عثمان بن مظعون بن وہب بن حذافہ کی بہن زینب بنت مظعون ہیں، ان کے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ بدری کے مدینہ میں انتقال ہونے کے بعد ۳ ہجری کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ شادی کی، یہ بڑی روزے دار اور بہت زیادہ نمازیں پڑھنے والی عورت تھی، ان کی پیدائش بعثت نبوی کے پانچ سال پہلے ہوئی اور وفات شعبان ۴۵ ہجری میں ہوئی۔

## حضرت حفصہ کے فضائل و مناقب:

۱۔ اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت مدینہ سے مشرف ہوئیں، ابن سعد نے ابوالحویرث سے روایت کیا ہے کہ خنیس بن حذافہ [1] نے حفصہ بنت عمر کے ساتھ شادی کی، وہ ان ہی کی زوجیت میں تھیں اور ان کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔[2]

۲۔ بہت زیادہ روزے رکھتی تھیں اور بہت زیادہ نماز پڑھا کرتی تھیں اور وہ جنت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہوں گی۔ طبرانی نے قیس بن زید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کو ایک طلاق دی... نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور اندر داخل ہوئے تو انہوں نے پردہ کیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے کہا: حفصہ سے رجوع کرلو، کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور نمازیں پڑھیں والی ہیں، اور وہ جنت میں آپ کی بیوی ہے۔[3]

۳۔ جب حضرت ابو بکر کے عہدِ خلافت میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا تو ابو بکر کی وفات تک وہ قرآن ان ہی کے پاس رہا، پھر حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں ان کے پاس آیا، پھر عمر کی وفات کے بعد حفصہ کے پاس رہا، جب حضرت عثمان نے قرآن کو جمع کیا گیا تو اس مصحف سے تعاون لیا گیا اور اس کے بعد ان کو لوٹا دیا گیا ان کی وفات مدینہ میں ۴۵ ہجری کو ہوئی۔[4]

(۵)... زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ ہلالیہ، ان کو ام المساکین کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں اور ان پر صدقہ کیا کرتی تھیں، ان کے شوہر عبداللہ بن جحش جنگِ احد میں شہید ہوگئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر کی وفات کے بعد ان سے شادی کی، حفصہ کے بعد زینب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بنیں، آپ کے ساتھ صرف دو یا تین مہینے رہیں، پھر ان کا انتقال ۴ ہجری کو ہوا، ان کے الگ سے مناقب اور فضائل نہیں ملتے تھے، لیکن ازواجِ مطہرات کے حق میں جو عام فضائل وارد ہوئے ہیں ان میں حضرت زینب بھی شامل ہیں جو ان کی افضلیت کے لیے کافی ہیں، اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، یہ خصوصیت صرف ان ہی کو حاصل ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں حضرت خدیجہ اور ان کے علاوہ کسی اور بیوی کی وفات نہیں ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کی نمازِ جنازہ پڑھنا اس کے حق میں رحمت ہے۔ (۶)... ام سلمہ ہند بنت ابو امیہ: (حذیفہ) مخزومیہ قرشیہ، ان کے والد کا لقب ''زاد

الرکب" تھا کیونکہ وہ بڑے سخی تھے، اور آپ کے ساتھ سفر کرنے والا اپنے ساتھ توشہ نہیں لیتا تھا، ان کی ماں کا نام عاتکہ بنت عامر کنانیہ ہے جن کا تعلق بنو فراس سے ہے۔ ان کے شوہر اور چچازاد بھائی ابو سلمہ بن عبد الاسد کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ساتھ شادی کی، [1] انہوں نے ابو سلمہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی پھر مدینہ بھی ساتھ میں ہجرت کی، کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی مسافر عورت ہیں جو مدینہ میں داخل ہوئی، وہ بہت ہی خوبصورت اور شریف النسب عورت تھیں، راجح قول کے مطابق ازواجِ مطہرات میں سب سے اخیر میں ٦١ ہجری کو ان کی وفات ہوئی۔

## ام سلمہ کے فضائل ومناقب:

١۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ شادی کی اور ان کے حق میں دعا کی، امام مسلم نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کو میرے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجا تو میں نے کہا: میری ایک بچی ہے اور میں بڑی باغیرت عورت ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس کی بچی کے بارے میں ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ بچی کو اس سے بے نیاز کر دے، اور اللہ سے میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اس کی غیرت کو ختم کر دے۔[2]

٢۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ وہ جنتیوں میں سے ہے، امام احمد نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم پر کالی چادر ڈھانپی پھر فرمایا: اے اللہ! میں اور میرے گھر والے تیری طرف، نہ کہ جہنم کی طرف، وہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اور میں آپ نے فرمایا: اور تم بھی۔[1]

٣۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ان کی حکمت اور حسنِ تدبیر واضح اور نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پکار کر کہا: لوگو! قربانی کرو اور بال منڈواؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ نے لوگوں کو دوبارہ پکارا، لیکن کوئی کھڑا نہیں ہوا، پھر آپ نے یہی بات پکار کر کہی، پھر بھی کوئی کھڑا نہیں ہوا، پھر آپ نے یہی بات پکار کر کہی، پھر بھی کوئی کھڑا نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے اور ام سلمہ کے پاس آئے اور فرمایا: ام سلمہ! لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ام سلمہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان کے غم کو آپ دیکھ ہی رہے ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ بات مت کیجئے، آپ کی قربانی کا جانور جہاں ہے وہاں جائیے اور اس کو ذبح کیجئے اور اپنا سر منڈائیے، اگر آپ اس طرح کریں گے تو لوگ بھی ایسا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے کسی سے بات نہیں کی، یہاں تک کہ اپنے قربانی کے جانور کے پاس آئے اور اس کی قربانی کی، پھر آپ بیٹھ گئے اور اپنے بالوں کو منڈایا۔ یہ دیکھ کر لوگ قربانی اور حلق کرنے لگے، راوی کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے تو سورہ فتح کی آیتیں نازل ہوئیں۔[2]

اس مشورے سے اللہ کی طرف سے ام سلمہ کو عطا کردہ عقل اور حسنِ تدبیر کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے۔

(٧)... زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر اسدیہ یہ اولین ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں، ان کی ماں امیمہ بنت عبد المطلب بن ہاشم ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ تین یا پانچ ہجری کو شادی کی، اس سے پہلے ان کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن ثابت کے ساتھ ہوئی تھی، جن کو ابن محمد کہہ کر پکارا جاتا تھا، اسی موقع پر اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی کے ساتھ شادی کرنے کا مسئلہ پیش آیا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے زید بن ثابت کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، اسی وجہ سے ان کو زید بن محمد کہا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس نسب کو منقطع کر دیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب: ۵)

''ان کے باپوں کے نام کے ساتھ ان کو پکارو، یہ اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے۔''

پھر زینب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کرا کے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو موکد کر دیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب: ۵)

''ان کے باپوں کے نام کے ساتھ ان کو پکارو، یہ اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے۔''

اس واقعے کے سلسلے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی:

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ (الاحزاب: ۳۷)

''پس جب زید کا ان سے جی بھر گیا تو ہم نے آپ کی شادی ان کے ساتھ کر دی۔''

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا دین، تقویٰ اور سخاوت میں عورتوں کی سردار تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے ان ہی کی وفات ۲۰ ہجری کو ہوئی۔

سیّدہ زینب بنت جحش کے فضائل و مناقب:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شادی اپنے نبی کے ساتھ خود کرائی۔

﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝﴾ (الاحزاب: ۳۷)

"اس وقت کو یاد کرو جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بیوی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دو، اور اللہ سے ڈرو، اور آپ اپنے دل میں ایک بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس بات کا سب سے زیادہ سزاوار ہے کہ آپ اس سے ڈریں، پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے آپ کی شادی اس کے ساتھ کر دی، تاکہ مومنین کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی تنگی نہ ہو، جب ان سے ان کا جی بھر جائے، اور اللہ کا یہ حکم ہونے والا ہی تھا۔" اپنی اسی خصوصیت اور امتیاز کی وجہ سے حضرت زینب ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں اور کہتی تھیں: تم لوگوں کی شادی تمہارے گھر والوں نے کرائی اور میری شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کرائی۔[1]

۲۔ ان کی شادی آیت حجاب کے نزول کا سبب ہے۔

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب زینب کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئی تو وہ آپ کے ساتھ گھر میں تھیں، آپ نے کھانا پکوایا اور لوگوں کو مدعو کیا، لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۳)

"اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بن بلائے) مت جایا کرو، مگر یہ کہ تم کو کھانے کی اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو، لیکن جب تم کو بلایا جائے تو چلے جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں جی لگا کر بیٹھے نہ رہو، اس سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے، لیکن وہ تم سے شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات کہنے سے شرماتا نہیں ہے اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے پاک رہنے کا ذریعہ ہے، اور تمہیں یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی شادی کرو، یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی (گناہ کی) بات ہے۔" اس آیت کے نزول کے بعد پردہ فرض کیا گیا اور لوگ گھر سے واپس ہو گئے۔[2]

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں صدقہ کرنے اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے پر ان کی تعریف کی ہے۔ امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے پہلے مجھ سے آ کر وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہے، وہ کہتی ہیں کہ ازواج مطہرات اپنا اپنا ہاتھ پھیلا کر دیکھا کرتی تھیں کہ ان میں سے کس کا ہاتھ سب سے لمبا ہے وہ کہتی ہیں کہ ہم میں سب سے لمبا ہاتھ زینب کا تھا، کیونکہ وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کماتی تھیں اور صدقہ کرتی تھیں۔[1]

۴۔ حضرت زینب کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے ان کے بارے میں فرمایا: میں نے دین میں سب سے بہتر اللہ کا سب سے زیادہ تقویٰ رکھنے والی، سب سے سچی، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی، سب سے زیادہ صدقہ کرنے والی اور اس کام میں سب سے زیادہ خود کو کھپانے والی جس کا وہ صدقہ کرتی ہے اور اللہ سے تقرب حاصل کرتی ہے زینب سے بڑھ کر کسی عورت کو نہیں دیکھا۔[2]

(۸)... جویریہ بنت حارث بن ضرار بن حبیب بن خزیمہ خزاعیہ مصطلقیہ، بنو مصطلق کی جنگ (غزوۂ مریسیع) میں پانچ یا چھ ہجری کو گرفتار ہوئیں اور ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں، جنہوں نے جویریہ کے ساتھ آزادی کا معاہدہ (مکاتبت) [3] کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتبت کی رقم ادا کی اور ان کے ساتھ شادی کی، آپ سے پہلے ان کی شادی مسافع بن صفوان کے ساتھ ہوئی تھی جو اس معرکے میں قتل ہو گیا تھا، جویریہ کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کے خاندان کے سو قیدیوں کو آزاد کر دیا، اپنی قوم پر ان کی بڑی عظیم برکت تھی، ان کی وفات ۵۰ ہجری کو ہوئی۔

## سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب:

ا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کثرت سے اللہ کی عبادت اور ذکر کرتی تھیں۔

امام مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے واسطے سے حضرت جویریہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے لیے ان کے پاس سے نکلے، جب کہ وہ اپنی عبادت گاہ میں تھیں، پھر آپ چاشت کے بعد واپس آئے تو وہ اسی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا تم ابھی تک اسی حالت میں ہو جس پر تم کو چھوڑ گیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس سے جانے کے بعد میں نے تین مرتبہ چار کلمات ایسے کہے ہیں کہ اگر صبح سے جو تم نے کہا ہے ان کلمات کے ساتھ وزن کیا جائے تو یہ کلمات وزنی ہوں گے:

((سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَا نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ۔)) [1]

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جویریہ رکھا، جب کہ ان کا نام برّہ تھا۔

(۹)... ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان صنحر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف امویہ۔ ان کی ماں صفیہ بنت ابو العاص بن امیہ ہیں۔ بعث نبوی سے سترہ سال قبل آپ کی پیدائش ہوئیں، اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش اسدی کے ساتھ اسلام قبول کیا اور ان دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، وہاں حبیبہ کی پیدائش ہوئی، ان کے شوہر نے حبشہ میں نصرانیت قبول کی، لیکن یہ دینِ اسلام پر جمی رہیں، پھر مدینہ ہجرت کر آئیں، اللہ نے پہلے شوہر کے بدلے امت کے بہترین شخص رسول اللہ کو عطا فرمایا، یہ ازواجِ مطہرات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے قریبی رشتے دار ہیں، دونوں کا رشتہ عبد مناف پر جا کر ملتا ہے، ان کی وفات ۴۴ ہجری کو ہوئی۔

[1] صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابه، باب من فضائل زینب ام المؤمنین رضی الله عنها، حدیث: ۳۴۵۲۔

## سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب:

ا۔ جب ان کے والد ابوسفیان مسلمانوں اور قریش کی صلح کی مدت بڑھانے کے لیے مدینہ آئے تو ام حبیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کی عزت اور احترام میں اپنے والد کو اس پر بیٹھنے نہیں دیا، کیونکہ وہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔

۲۔ حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ میں یہ بھی تھی۔[2]

(۱۰)... صفیہ بنت حي بن اخطب بن سعیہ ، ان کا تعلق مدینہ کے یہودی قبیلے بنو النضیر سے ہے اور یہ ہارون بن عمران کی نسل سے ہیں، اسلام لانے سے پہلے سلام بن مشکم ان کے شوہر تھے، ان کے انتقال کے بعد کنانہ بن ابو الحقیق نے ان کے ساتھ شادی کی، جو جنگ خیبر میں قتل ہوا، اور یہ گرفتار ہو کر دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں، دحیہ کلبی نے ان کے ساتھ مکاتبت کرلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتبت کی رقم ادا کی اور آزاد کر کے ان کے ساتھ شادی کی اور ان کی آزادی کو ان کا مہر مقرر کیا، ان کی وفات ۵۲ ہجری کو ہوئی۔

## سیّدہ صفیہ بنت حي رضی اللہ عنہا کے فضائل اور مناقب:

ا۔ نبی کی بیوی، نبی کی بیٹی اور نبی کی بھتیجی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات معلوم ہوئی کہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انھیں یہودی کی بچی کہا ہے۔ یہ سن کر صفیہ رو پڑیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں، آپ نے دریافت کیا: تم رو کیوں رہی ہو؟ انہوں نے کہا: حفصہ نے میرے بارے میں یہ کہا ہے کہ میں یہودی کی بچی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم تو نبی کی بیٹی ہو، تمہارے چچا نبی ہیں اور تم نبی کی بیوی ہو، پھر وہ کس چیز میں تم پر فخر کرتی ہے؟ پھر فرمایا: حفصہ! اللہ سے ڈرو۔[1]

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "سچی" کہا ہے، جب مرض الموت میں حضرت صفیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے نبی! میری یہ خواہش ہے کہ جو بیماری آپ کو لاحق ہے وہ مجھے ہو۔ دوسری ازواج مطہرات نے گھور کر ان کو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس کو معیوب سمجھا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، وہ سچی ہے۔[2]

(۱۱)... میمونہ بنت حارث بن حزن بن عامر بن صعصعہ ہلالیہ، ان کی ماں کا نام ہند بنت عوف ہے، پہلے ان کی شادی مسعود بن عوف ثقفی سے ہوئی، پھر دوسری شادی ابورہم بن عبد العزی سے ہوئی، جس کا انتقال ہو گیا تو میمونہ کے وکیل حضرت عباس[3] نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح پڑھایا، مکہ سے قریب مقام سرف میں ان کے ساتھ رخصتی کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اخیر میں سن ۷ ہجری کو عمرۃ القضا کے موقع پر ان کے ساتھ شادی کی۔

[1]صحيح مسلم: كتاب الذكر والدعاء، باب التسبيح أول النهار وعند النوم، حديث: ۲۷۲۶۔ [2] رسول الله ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجر کرنے والوں کی تعریف کی ہے اور انہیں دو ہجرت کا مرتبہ دیا ہے، دیکھئے: صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل جعفر بن ابی طالب واسماء بنت عمیس واہل سفینتہم رضی اللہ عنہم ، حدیث: ۲۵۰۲۔

## سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمان کی گواہی دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی میمونہ، ان کی بہن ام فضل بنت حارث، ان کی بہن سلمیٰ بنت حارث حمزہ کی بیوی اور ان کی اخیافی بہن اسماء بنت عمیس، یہ سب مومن بہنیں ہیں۔[1]

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام میمونہ رکھا۔

حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میری خالہ میمونہ کا نام برہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر میمونہ رکھا۔[2]

## ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ

## بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما

میرے محترم بھائیو اور قابل احترام بہنو! اب ہم ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما کی بابرکت ذات کے بارے میں گفتگو کرنے چلے ہیں، اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم خاتون کو رب تعالیٰ نے روشن عقل، سیدھی رائے بے پناہ علم اور غضب کے حافظہ سے نوازا تھا۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسلامی سرمایہ علم و عمل کی خدمت میں بے مثال کردار ادا کیا۔ چنانچہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو نقل کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کی روشنی میں احادیث کی تفسیر بیان کی اور متعدد مسائل شرعیہ میں اپنے اجتہادات بھی امت کے سامنے پیش کیے جو رب تعالیٰ کی توفیق سے صحیح ترین اور قیامت تک کے لیے مشعل ہدایت اور نشانِ منزل تھے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ کیونکہ بارگاہِ الٰہی سے آپ کا امت کی معلمہ بننا طے پاچکا تھا اسی لیے قدرت نے بے پناہ اور کامل ترین پاکیزہ اور بلند صفات سے خوب نوازا۔ جی ہاں! یہ سیّدہ صدیقہ عائشہ بنت امام صدیق اکبر، خلیفۂ رسول بلافصل سیّدنا ابو بکر عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لڑی قرشیہ تیمیہ، مکیہ نبویہ، زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین ہیں، سیّدہ صدیقہ قرآن و حدیث، فقہ، شعر و ادب، طب اور علم الانساب میں یکتائے روزگار یگانہ، بے مثل، بے نظیر اور اپنے سب معاصرین پر فائق تھیں۔ خود زبانِ رسالت صداقت بیان نے سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ان پاکیزہ صفات کا ان الفاظ کے ساتھ اعتراف کیا، چنانچہ سیّدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((کَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ کَثِیْرٌ وَلَمْ یَکْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلاَّ آسِیَۃُ امْرَأَۃُ فِرْعَوْنَ وَمَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ . وَاِنَّ فَضْلَ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلَی سَائِرِ الطَّعَامِ۔))[1]

"مردوں میں سے بہت لوگ کمال کو پہنچے، مگر عورتوں میں سے سوائے آسیہ زوجۂ فرعون اور مریم بنت عمران کے کوئی عورت کمال کو نہیں پہنچی، اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔"

سیّدہ صدیقہ کس قدر عقل اور علم وفقہ کی مالک تھیں اس کا اندازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مذکورہ بالا ارشاد سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔ یہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو سب عورتوں سے زیادہ فقیہ، سب عورتوں سے زیادہ قرآن وسنت کو جاننے والی اور دین کی سب عورتوں سے زیادہ سوجھ بوجھ رکھنے والی ہیں، علامہ ذہبی رحمہ اللہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں: "سیّدہ صدیقہ علی الاطلاق اس امت کی عورتوں میں سے سب سے زیادہ فقیہ خاتون ہیں۔" [2]

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے آٹھ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔[3] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے دوسرے سال آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کرلی۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے سب سے زیادہ احادیث بیان کرنے والی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سب ازواج میں سے سب سے زیادہ محبت سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی تھی۔ ایک مرتبہ سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "(اے اللہ کے رسول!) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو فرمایا: "عائشہ" میں نے (دوبارہ) عرض کیا: (میرے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ) مردوں میں سے (سب سے زیادہ محبوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کے والد (جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ)۔[1] سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے تو آپ کے یہاں سے ضرور اس مسئلہ کے متعلق کوئی علم دستیاب ہو جاتا تھا۔[2]

رب تعالیٰ کی سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر نعمتیں اور عنایتیں بے حد ارزاں تھیں۔ آپ اپنے بلند اور بے پناہ علم، فقاہت، نفس کی پاکیزگی، غضب کے حافظہ، روشن عقل اور فصاحت وبلاغت کی بنا پر دوسری تمام عورتوں پر ایک نمایاں فوقیت رکھتی تھیں۔ عرب کی تاریخ اور واقعات ازبر تھے اشعار بکثرت یاد تھے، موقعہ بہ موقعہ برجستہ شعر سنادیا کرتی تھیں۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علم ومعرفت کے ساتھ بے حد محبت اور مشغف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو کسی بات کا علم نہ ہوتا یا کسی مسئلہ کا سمجھنا آپ پر دشوار ہوتا تو آپ وہ بات بلاتردد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمالیتی تھیں۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

((مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ))

"جس کا محاسبہ ہونے لگا وہ ضرور گرفتارِ عذاب ہوگا۔" س

یّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے (یہ ارشاد سن کر) عرض کیا: کیا اللہ یہ نہیں فرماتے:

﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾ (الانشقاق: ۸)

”اس سے حساب آسان لیا جائے گا۔“ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آیت میں حساب کے لیے پیش ہونے کا ذکر ہے (نا کہ محاسبہ کیے جانے کا) البتہ جس سے حساب کتاب شروع ہو گیا وہ ہلاک ہو گیا۔[1]

جب ہم سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تفسیر قرآن کی بابت عظیم کردار کو دیکھتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ حقیقت الم نشرح ہو کر آتی ہے کہ آپ نے اپنے عظیم باپ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فہم و فراست اور مقامِ صدیقیت سے خاص حصہ پایا تھا۔ اور نہایت کم سنی میں تفسیر کے علم میں بے حد پختہ ہو گئیں۔ کیونکہ بچپن سے آپ نے اپنے والد ماجد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے منہ سے قرآنی علوم سنے اور سیکھے۔ لوحِ قلب بالکل پاک صاف تھی اور ابھی اس پر کوئی باطل نقش کھنچنے نہ پایا تھا۔ اسی معصوم زمانہ میں آپ نے اپنے نیک والدین کے منہ سے صرف قرآن کے تذکرے سنے تھے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کیوں کہ ازواج مطہرات میں یہ خاص وصف اور شرف صرف آپ کو ہی حاصل تھا کہ آپ کے والدین آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ایمان قبول کر چکے تھے۔ اسی لیے ہم سیّدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے سنتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾ (القمر: ٤٦)

”بلکہ ان کے وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور تلخ ہے۔“

تو میں اس وقت کھیلنے والی ایک بچی تھی۔ اور سورہ بقرہ اور سورۃ نساء جب نازل ہوئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔[1]

سیّدہ عائشہ صدیقہ نزول وحی کا بھی مشاہدہ فرماتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((وَاللّٰہِ مَا نَزَلَ عَلَیَّ الْوَحْیُ وَاَنَا فِیْ لِحَافِ امْرَأَۃٍ مِنْکُنَّ غَیْرَ ھَا)) [2]

”اللہ کی قسم! مجھ پر اس حال میں کبھی وحی نازل نہیں ہوئی کہ میں تم میں سے کسی بیوی کے لحاف میں (اس کے ساتھ) ہوں سوائے عائشہ کے۔“

سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کے معانی دریافت کرتیں اور بعض آیات کے اشارات کی بابت بھی معلوم کرتیں اس طرح سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وحی نازل ہونے کے بعد فوراً قرآن کریم کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اور الفاظ کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم کے معانی بھی خود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فصاحت و بلاغت، بیان کی بلندی اور لغت عربیہ کے علم پر کامل دستگاہ رکھتی تھیں۔ اگر روایت حدیث کو دیکھا جائے تو سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شمار اکابر حفاظِ حدیث صحابہ میں ہوتا ہے۔ اور آپ نے حدیث کی حفظ و روایت میں پانچواں درجہ پایا۔ چنانچہ حضرات محدثین کا یہ متفقہ قول ہے کہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شمار حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، سیّدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیّدنا ابن عباس رضی

اللہ عنہ کے بعد پانچویں درجہ میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو روایت حدیث میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے جس میں کوئی دوسرا راوی حدیث شریک و سہیم نہیں۔ وہ یہ کہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو احادیث روایت کی ہیں ان میں سے زیادہ تر کا تعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی سنن فعلیہ، عائلی زندگی، خانگی احوال اور ان خاص امور سے ہے جن پر سوائے ازواجِ مطہرات کے اور کوئی مطلع ہو ہی نہیں سکتا۔

لیکن میں یہاں ایک بات اور کہوں گا۔ وہ یہ کہ کیا کوئی انسان یہ گمان کر سکتا ہے کہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ مقام و مرتبہ محض علمی برتری و فوقیت اور خداداد صلاحیت کی بنا پر ہی ملا تھا؟ نہیں بلکہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عمل ان کے علم پر سابق و خائق تھا۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہر برخوردار، امت مسلمہ کا ہر جوان آپ کی پاکیزہ سیرت پڑھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ کس طرح ثابت قدمی، پختہ ہمتی اور صبر وثبات کے ساتھ آپ نے امت مسلمہ کی تربیت کی۔ رب تعالیٰ کی عبادت کرنے، اور اس کے حضور کھڑے ہونے کا شوق دیدنی تھا۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے شوقِ عبادت کا اندازہ کچھ انہیں لوگوں کی شہادت سے لگایا جا سکتا ہے جنھوں نے والہیت وفریفتگی کا یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں: میں صبح کے وقت سب سے پہلے پھوپھو جان سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر جایا کرتا تھا اور آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا کرتا تھا۔ اسی طرح ایک دن میں حسب معمول پھوپھو جان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ نماز میں کھڑی تسبیح کر رہی ہیں اور یہ آیت پڑھ رہی ہیں۔

﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۞ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ﴾ (الطور: ۲۷،۲۸)

"تو اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچا لیا۔ اس سے پہلے ہم اس سے دعائیں کیا کرتے تھے۔ بے شک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔"

پھوپھو جان یہ آیت بار بار پڑھ رہی تھیں اور روتی رہی تھیں اور دعا مانگ رہی تھیں۔ کچھ دیر تک تو میں کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا۔ پھر میں تھک گیا اور بازار کسی کام چلا گیا۔ کافی دیر جب میں واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پھوپھو جان سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابھی تک اسی طرح کھڑی دعا اور تلاوت میں مصروف ہیں۔[1]

سبحان اللہ! سیّدہ صدیقہ کس صبر اور حوصلے کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ع وَلَوْ كَانَ النِّسَاءُ كَمَنْ ذَكَرْنَا

لَفُضِّلَتِ النِّسَاءُ عَلَى الرِّجَالِ

"اگر سب عورتیں ان عظیم عورتوں جیسی ہوتیں جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا تو بے شک عورتیں مردوں پر فضیلت اور سبقت لے جاتیں۔"

سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عبادت گزاری، دینداری، تقویٰ وورع اور زہد کو بیان کرتے ہوئے آپ کے بھانجے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس مال میں سے کچھ بچانہ رکھتی تھیں جو رب تعالیٰ آپ کو رزق فرماتا تھا۔ چنانچہ جو ملتا بے دریغ صدقہ کر دیتیں۔ حتی کہ ایک مرتبہ ستر ہزار درہم آئے۔ اور آپ نے انہیں ایسا دریادلی سے غرباء میں تقسیم کر دیا کہ کچھ بھی بچانہ رکھا حالانکہ اس وقت اپنا حال یہ تھا کہ دوپٹے کے ایک پلو میں پیوند لگا ہوا تھا۔[2] (مگر ایک درہم اس غرض کے لیے بچانہ رکھا کہ نئی اوڑھنی ہی خرید لیتیں)۔ بے شک رب تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اسی کو آزماتا ہے جو اس کو محبوب ہوتے ہیں اور ہر بندے کو اس کے ایمان کے بقدر آزماتا ہے۔ سیّدہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے دامن عفت وعصمت پر بعض بدبختوں اور ناسمجھوں نے واقعۂ افک میں بہتان لگایا۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت حیاتِ مستعار کے بارہویں سال میں قدم رکھ چکیں تھیں۔ جب تک تو اس دل آزار بہتان کی خبریں آپ کے کانوں میں نہ پڑیں تھیں اس وقت تک کہ آپ بے خبری میں وقت گزارتی رہیں لیکن جب منافقوں کی یہ روح فرسا، جگر پاش اور دل سوز باتیں سمع مبارک پر پڑیں اس وقت آپ کا حال کیا ہوا، اس کو بیان کرتے ہوئے آپ خود فرماتی ہیں: ''پس میں اس قدر روئی کہ آنکھوں سے نیند جاتی رہی۔ اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔ حتی کہ میرے ماں باپ میرا یہ حال دیکھ کر یہ گمان کرنے لگے کہ یہ گریہ تو اس کی جان لے لے گا۔[1]

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس واقعہ پر یہ ایمان افروز تبصرہ کرتے ہیں: ''رب تعالیٰ کو سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر غیرت آئی اور آپ کی براءت میں دس آیات نازل فرمائیں جن کو قیامت تک تلاوت کیا جاتا رہے گا (کہاں تو منافق آپ کو برے برے الزام لگانے چلے تھے اور کہاں رب تعالیٰ نے آپ کی پاکی اور براءت کو رہتی دنیا تک کے لیے منبر ومحراب اور دعا وعبادت کی زینت بنا دیا، پس آپ کا ذکر بلند ہوا، اور شان اونچی ہوئی تاکہ آپ کی پاکدامنی کے چرچے اس وقت ہونے لگیں جب آپ نے ابھی شباب کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے خود آپ کے حق میں اس بات کی گواہی دی کہ آپ پاک عورتوں میں سے ہیں اور آپ سے مغفرت اور عزت کی روزی کا وعدہ کیا۔''

اللہ اس پاک خاتون سے راضی ہو جو عفت وعصمت سے آراستہ اور شرافت وصداقت سے مزین ہے۔ جو ام المومنین، زوجۂ رسول سیّدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تمام عمر علم وفقہ کی بالخصوص خدمت کی۔ آپ کا علم، فقہ اور تاریخ دانی مسلم تھی، آپ نے فقہی، حدیثی اور معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات چھوڑے اور ہمارے لیے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہزاروں احادیث یاد کر کے اور محفوظ کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ سیّدہ صدیقہ ٦٦ سال کی زندگی پا کر اس جہان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ گئیں۔

سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد اڑتالیس سال تک زندہ رہیں۔ آپ نے ایک مسلمان عرب عورت کے بارے میں لوگوں کے مفہوم کو درست کیا۔ آپ نے علوم اسلامیہ جیسے فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر علوم جیسے طب، شعر اور نسب کو جمع کیا گویا کہ آپ کی ذاتِ شریفہ علوم دینیہ اسلامیہ اور علوم دنیاویہ کا مجمع البحرین تھی۔ آپ کی علمی جلالت کا اعتراف ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے کہ کہتے ہیں کہ ''احکام شرعیہ کا چوتھائی حصہ صرف سیّدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ آپ کے بھانجے سیّدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں: ''میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ قرآن، فرائض، حلال و حرام، شعر (طب) نسب اور ایام عرب کو جانتا ہو۔[1]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خوبرو، اور سفید رنگت والی تھیں اسی لیے انہیں ''حمیرا'' کہا جاتا تھا۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی دوسری کنواری عورت سے نکاح نہ فرمایا تھا۔ اور نہ کسی بیوی سے اتنا پیار ہی کیا جتنا آپ نے کیا۔ اور میں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بلکہ مطلقاً جہان بھر کی ساری عورتوں میں سے کسی عورت کو نہیں جانتا جو سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ علم والی ہو۔''[2]

رضی اللّٰہ عنہا وارضاہا

اور آخر میں یہ ضرور کہوں گا کہ آج کی مسلمان عورت دین کے ان میدانوں سے کہاں چلی گئی! جہاں ہمیں دور دور تک بھی قرآن حدیث اور فقہ کے علوم کے میدانوں میں مسلمان عورت کا وجود نظر نہیں آتا۔ کیا آج امت مسلمہ کی مائیں امیر عظیم بیٹیاں جننے سے بانجھ ہو گئیں ہیں؟؟؟

## ام المومنین سیّدہ ام سلمہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا

آج ہم آلِ بیت رسول میں سے ام المومنین زوجۂ رسول سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اختصار کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ سیّدہ ام سلمہ بے پناہ فضائل و کمالات کی مالک، صابر و شاکر اور نیک عبادت گزار خاتون تھیں۔ آپ کا نام ہند ہے۔ بعض نے رملہ بھی لکھا ہے، ام سلمہ کنیت تھی اور اسی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ والد ابو امیہ قرشی مخزومی تھے۔ والد سادات قریش میں سے تھے مکہ کے معززین میں شمار تھا۔ مشہور جرنیل سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بن مغیرہ آپ کے ہی بھتیجے تھے۔ جب کہ مشہور ترین بدبخت و ناہنجار، اس امت کا فرعون ابو جہل بن ہشام بن مغیرہ بھی آپ کا ہی بھتیجا تھا۔ آپ کا پہلا نکاح اپنے چچازاد ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد السلام مخزومی کے ساتھ ہوا تھا۔ رب تعالیٰ نے انہیں ''سلمہ'' نامی بیٹا عنایت فرمایا۔ اسی بیٹے کے نام پر خاوند اور بیوی دونوں ابو سلمہ اور ام سلمہ مشہور ہوئے۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا مکہ میں آغاز میں ہی خاوند کے ساتھ مشرف باسلام ہو گئیں تھیں۔ چنانچہ قریش نے دوسرے ایمان لے آنے والوں کی طرح آپ دونوں کو بھی بے حد ستایا اور طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ اہل مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی پہلی ہجرت کی۔

### ہجرت کے بعد حبشہ میں متواتر:

خبریں پہنچنے لگیں کہ اب مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بے حد زیادہ ہو گئی ہے اور وہ پہلے سے طاقتور بن گئے ہیں اور اب تو سیّدنا حمزہ بن عبد المطلب بھی مسلمان ہو گئے ہیں اس لیے قریش مکہ انہیں اس طرح ستانے کی ہمت نہیں رکھتے جیسے پہلے ستاتے تھے۔ غرض یہ خبریں سن کر کئی لوگوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند کے ہمراہ مکہ چلی آئیں۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبریں غلط تھیں اور قریش مکہ تو مسلمانوں پر پہلے سے بھی کہیں زیادہ مظالم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ غرض مکہ کے حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب تھے اور ان حالات نے مکہ رہنے نہ دیا۔

مسلمانوں کی شدید تکلیف دیکھ کر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ یہ خبر پاتے ہی سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے خاوند نے اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا کہ مدینہ کی طرف بھی اپنا دین بچانے اور کفار اشرار کے ظلم وستم سے نجات پانے کے لیے سب سے پہلے ہجرت وہی کریں گے۔ مگر اب کی بار یہ آسان نہ تھا بلکہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت غم و اندوہ کی ایک المناک داستان بن گئی۔ جس کا قصہ یہ ہے کہ جیسے ہی آپ کی قوم بنی مخزوم نے آپ کے اور آپ کے خاوند کے مدینہ ہجرت کر جانے کے ارادے کی خبر سنی تو اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو ہجرت کرنے سے منع کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر آپ کے خاوند سیّدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اللہ کے لیے اکیلے ہی ہجرت کے لیے چل پڑے۔ بنی مخزوم کو انہیں تو روکنے کی ہمت نہ ہوئی البتہ انہوں نے آپ کو روک لیا۔ اس موقعہ پر دوسرا جگر پاش قصہ یہ پیش آیا کہ جب سیّدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی قوم بنو عبد الاسد نے انہیں ہجرت کرتے دیکھا تو آگے بڑھ کر سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان کا بچہ "سلمہ" یہ کہہ کر چھین لیا کہ یہ ہمارے خاندان کا بچہ ہے۔

یوں ام المومنین سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مختصر سے خاندان کا بھی شیر ازہ بکھر گیا کہ خاوند اللہ کے لیے مدینہ جا بسے ان کے خاندان کے لوگ بنو مغیرہ یہ کہہ کر اپنے ساتھ لے آئے کہ اے ابو سلمہ! تم جہاں چاہو جاؤ تمہیں اختیار ہے لیکن ہم اپنی بیٹی کو دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے تمہارے ساتھ نہ جانے دیں گے۔ جب کہ آپ کا بچہ بنو عبد الاسد یہ کہہ کر ساتھ لے گئے کہ "سلمہ" ہمارے خاندان کا بچہ ہے، اسے ہم تو لوگوں کے پاس نہ چھوڑیں گے۔

یہ صوتِ حال سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لیے نہایت تکلیف دہ اور آزمائش والی تھی کہ خود کہیں، خاوند کہیں اور بچہ کہیں۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس مصیبت میں مبتلا روزانہ مکہ سے نکل کر دن بھر مقام ابطح جا بیٹھتیں اور اپنے شوہر اور بچے کے غم میں روتی رہتیں۔ اور خوشی کے ان لمحات کو یاد کر کر کے آہیں بھر تیں جب وہ اپنے خاوند اور بچے کے ساتھ نہایت خوشی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ اور جب سائے ڈھلنے لگتے اور رات کے اندھیرے اپنے پردے گرانے لگتے تو گھر لوٹ آتیں۔ یوں کئی دن گزر گئے۔ ایک دن آپ کے خاندان کے ایک شخص نے آپ کو یوں بے قراری سے روتے دیکھا تو اسے آپ پر بے حد ترس آیا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا: "تمہیں اس بے چاری پر رحم نہیں آتا۔ اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ کیوں اسے اس کے خاوند اور بچے سے جدا کر رکھا ہے۔" غرض وہ صاحب اپنی قوم کے لوگوں سے رحم کی اپیل کرتے رہے اور ان کے دلوں کو نرماتے رہے حتیٰ کہ انہیں بھی سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر ترس آ گیا اور آپ کو آپ کے شوہر کے پاس مدینہ منورہ جانے کی اجازت دے دی۔ اور یہ کہا: "اگر تم اپنے خاوند کے پاس جانا چاہو تو جا سکتی ہو۔"

اس پر سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا: "میں اپنے لخت جگر کو چھوڑ کر خاوند کے پاس کیسے چلی جاؤں جو مکہ میں بنو عبد الاسد کے پاس ہے۔" یہ سن کر لوگوں کو آپ کے غم و اندوہ کا اندازہ ہوا۔ چنانچہ چند لوگوں نے آگے بڑھ کر بنو عبد الاسد سے بات کی۔ انہیں بھی ترس آ گیا اور سلمہ کو آپ کے حوالے کر دیا۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے بچہ کو لے کر اونٹ پر سوار ہوئیں اور مدینہ کے ارادہ سے تنہا ہی نکل پڑیں۔ اور بالآخر مدینہ پہنچ گئیں۔ جہاں خاوند کو دیکھ کر آپ کے کلیجے کو ٹھنڈ پڑی۔ سیّدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ اور بچے کے سلامت با کرامت مدینہ پہنچ جانے پر بے حد مسرور ہوئے۔ اب آپ مدینہ منورہ میں چین سے رہنے لگیں۔ اس دوران رب تعالیٰ نے آپ کو دو بیٹیاں اور ایک بیٹا بھی عنایت فرمایا۔[1] یاد رہے

کہ اکثر مورخین اور سیرت نگاروں کے نزدیک سب سے پہلے ہجرت کرنے والی خاتون سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ اس کی تائید مسلم کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ پھر وقت پلک جھپکنے میں گزر گیا اور حالات و واقعات نے نئی کروٹ لی اور جنگ بدر سر پر آن پہنچی۔ دوسرے مجاہدوں کی طرح ابو سلمہ نے بھی اس جنگ میں بھر پور حصہ لیا اور بہادری کے زبردست جوہر دکھائے اور سب سے دادِ شجاعت لی۔ اہل ایمان فتح کے پھریرے لہراتے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ جنگ بدر کے تذکروں کا جوش ابھی ٹھنڈا نہ پڑا تھا کہ گردشِ میل و نہار نے وقت کی بساط کو سرعت کے ساتھ لپیٹتے ہوئے اہل ایمان کو جنگ احد کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہا جنگ احد میں بھی بڑی بے جگری و جاں بازی سے اور شوقِ شہادت سے سرشاد ہو کر شریک ہوئے۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کی تلوار دشمنوں کے سینوں سے روح اور پیروں تلے سے زمین کھینچتی رہی۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہا نے جنگ احد میں جنگ بدر کی شجاعت کی یاد تازہ کر دی۔ البتہ اس جنگ میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کو بازو پر گہرا زخم آیا۔ ایک ماہ تک علاج معالجہ کرنے سے وہ زخم تقریباً مندمل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے غرہ محرم الحرام ۴ھ میں انہیں بنو اسد کے خلاف ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ کیا۔ ۲۹ روز بعد واپس ہوئی۔ واپسی پر پرانا زخم پھر تازہ ہو گیا اور شدید تکلیف دینے لگا، اس زخم نے سیّدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو صاحب فراش کر کے رکھ دیا۔ اور اسی زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے ۸ جمادی الاخری ۴ ہجری میں جان جان آفریں کے سپرد کرتے ہوئے رب تعالیٰ کی جوارِ رحمت میں جابسے۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزمائشوں کے سلسلہ کی یہ سب سے سخت کڑی تھی۔ لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا کی زبان پر ان سب مصائب و حوادث کے مقابلے میں صرف وہی ورد تھا جو انہوں نے زبانِ رسالت صداقت بیان سے سن رکھا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ فَيَقُولُ مَا أَمَرَهُ اللَّهُ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ، اَللّٰهُمَّ اجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا، إِلاَّ أَخْلَفَ اللَّهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا...))

"جس مومن پر بھی کوئی مصیبت آئے (یا اس کو جان و مال میں کوئی نقصان پہنچے) اور اس وقت زبان سے وہ وہی کچھ کہے جس کا اس کے پروردگار نے اسے حکم دے رکھا ہے (یعنی وہ یہ دعا پڑھے) إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ، اَللّٰهُمَّ اجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا،

(ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اے اللہ! تو مجھے میری اس مصیبت میں اجر سے نوازے اور (میرا جو نقصان ہو گیا ہے) مجھے اس کا بہترین بدل عطا فرما)۔" سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ انہیں داغِ فراق دے گئے۔ تو سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آزمائش اور دکھ کی اس سخت ترین گھڑی میں بھی رب تعالیٰ سے اجر کی امید رکھتے ہوئے بے حد صبر واستقامت کے ساتھ یہ دعا پڑھی اور بار بار پڑھی۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ بھلا ابو سلمہ سے اچھا کوئی مسلمان اور کون ہو سکتا ہے (جو اللہ مجھے اس مصیبت کے بدلے میں عطا فرمائے اور میں اس کے ساتھ دوسری شادی کر لوں) وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنھوں نے گھر بار سمیت جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی۔ (اور یہ وہ فضیلت تھی جس میں ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں تھا)۔ پھر (مجھے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت یاد آئی تو) میں نے (اس حادثۂ جانکاہ پر) یہ دعا پڑھی تو رب تعالیٰ نے مجھے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بدلے (ان سے کہیں بہتر) جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے (اور مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف نصیب ہوا)۔[1]

طبعی بات ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کا دوسرے مسلمانوں کو بھی بے حد صدمہ تھا۔ پھر سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی ننھی اولاد دیکھ کر اہل ایمان اور بھی زیادہ غم زدہ ہو جاتے تھے۔ اب مہاجرین اور انصار دونوں یہ سمجھتے تھے کہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ان پر حق ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی خبر گیری اور کفالت کا کوئی مستقل انتظام کیا جائے۔ چنانچہ جیسے ہی سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوئی جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہا نے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا تا کہ ایک تو آپ کا غم ہلکا ہو، دوسرے آپ کے اور آپ کے بچوں کے اخراجات اور ضروریات کا انتظام ہو۔ لیکن آپ نے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر جنابِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ نے اسے بھی قبول نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ سیّدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ (اور بعض روایات کے مطابق سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے آئے۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول کرنے میں مجھے تین عذر ہیں:

۱۔ میری اولاد ہے جن کی مجھے خبر گیری کرنی ہوتی ہے۔

۲۔ میں بے حد غیرت مند ہوں اور میری یہ حد سے بڑھی غیرت جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکلیف اور پریشانی کا باعث بنے گی۔

۳۔ اور تیسرے یہ کہ میں عمر رسیّدہ ہوں۔

مطلب یہ تھا کہ شاید ان اعذار کی بنا پر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو جائے (جو دنیا و آخرت میں باعث خسران و نقصان ہے)۔ اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ میرا کوئی ولی مدینہ میں نہیں۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اعذار کو سن کر کیسے شفیقانہ جوابات مرحمت فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رہی ان کی بیٹی (اور اولاد) تو ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ اللہ انہیں ان سے مستغنی کر دے (اور بعض روایات میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ رہی ان کی اولاد تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمے ہے)۔ اور جہاں تک ان کی حد سے بڑھی غیرت کا مسئلہ ہے تو میں اللہ سے دعا کروں گا۔ اللہ اس کو دور فرما دے گا۔ رہا درازیٔ عمر کا مسئلہ تو میری عمر ان سے زیادہ ہے اور ان کا کوئی بھی ولی اس رشتہ کو ناپسند نہیں کرے گا۔[1]

یوں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا مخزومیہ کے درمیان یہ مبارک شادی طے پاگئی اور آپ نے جو دعا مانگی تھی، اگرچہ اس وقت ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ دعا اس انداز سے قبول ہوگی، وہ رنگ لے آئی۔ جیسا کہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ ابو سلمہ کے انتقال کے بعد میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بھلا ان سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آپہنچا۔ رب تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ ترین صورت میں سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دعا قبول فرمائی اور آپ کے صبر کا بہترین اجر عطا فرمایا کہ اس سے بہتر اجر کا دنیا و آخرت میں تصور ممکن نہیں۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اپنے پہلے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے دو لڑکے سلمہ اور عمر تھے اور دو لڑکیاں درہ اور برہ تھیں بعد میں آپ نے برہ نام بدل کر زینب رکھ دیا تھا۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آنے کے بعد سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اب صرف "سلمہ" کی ہی ماں نہ رہی تھیں بلکہ اب تو آپ پوری امت کی ماں قرار پائیں اور قرآنِ کریم نے آپ کو ام المومنین کے مؤقر لقب سے نوازا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ﴾ (الاحزاب:٦)

"پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

رب تعالیٰ ام المومنین سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا جنت میں چہرہ سرسبز وشاداب کرے اور ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے۔

## سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب:

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ آپ نے جنابِ جبرئیل علیہ السلام کو سیّدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ اور جب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور اہل بیت نبوی کے بارے میں سورۂ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی جو آپ کے گھر میں ہی نازل ہوئی تھی۔

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾(الاحزاب: ٣٣)

"اے (پیغمبر کے) اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔"

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو بلا کر اپنی چادر میں لپیٹ لیا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کی پشت کے پیچھے بیٹھ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں پس تو ان کو بالکل پاک صاف کر دے" یہ سن کر سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بھی تو ان کے ساتھ ہوں۔" تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم تو اہل بیت میں ہو ہی اور تم خیر پر بھی ہو۔" اس ارشاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے خیر پر ہونے کی شہادت دی۔

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فضل وکمال، حسن وجمال، فہم وفراست اور دانش وبینش مسلم تھی۔ چنانچہ حدیبیہ کے دن آپ نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشورہ دیا تھا وہ آپ کے وفورِ علم، کمالِ فہم اور عمیق فراست و تدبر پر دلالت کرتا ہے۔ کتب سیرت و تاریخ میں یہ واقعہ مشہور اور معروف ہے۔[1]

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیبیہ کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تین بار سر منڈانے اور جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا مگر فرطِ غم سے کسی نے بھی ایسا نہ کیا۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو خدمت رسالت میں عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! صحابہ اس صلح سے بے حد آزدہ خاطر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے کچھ نہ فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جانور ذبح کیجیے اور سر منڈا لیجیے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ بس پھر کیا تھا کہ فوراً سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے جانور ذبح کر لیے اور سر منڈا لیے۔ غرض یہ پیچیدہ مسئلہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رائے اور مشورہ سے بخوبی حل ہو گیا۔

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بے حد جلیل القدر اور حسن و جمال کی حامل تھیں۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے نکاح کیا تو مجھے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے بے پناہ رشک ہوا۔[1]

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بے حد شریف النسب اور اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ نے ازواجِ مطہرات میں سے سب سے آخر میں وفات پائی۔ آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے کربلا میں شہادت پانے تک زندہ رہیں۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت کی خبر سن کر مارے غم کے آپ پر سکتہ طاری ہو گیا اور غش کھا کر گر پڑیں۔ آپ نے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بے پناہ غم کیا اور بالآخر اسی غم نے آپ کی جان لے لی اور اس جانکاہ حادثہ کے کچھ عرصہ بعد ہی انتقال فرما کر جوارِ رحمت الٰہی میں جا بسیں۔ رضی اللّٰہ عنہا وارضاها۔

آپ کی تاریخ وفات میں بے حد اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابۃ اور تقریب میں ۶۲ھ کو راجح قول قرار دیا ہے۔

## ام المؤمنین سیّدہ حفصہ بنت فاروقِ اعظم رضی الله عنهما

لِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا شمار ان عظیم، نیک اور فرمانبردار خواتین میں ہوتا ہے جنہوں نے صرف اسلامی تاریخ ہی نہیں بنائی بلکہ ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا جو قیامت تک سنا اور سنایا جاتا رہے گا۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے کردار نے اسلامی احکام کو وضع کیا اور متعدد اصول و قواعد کی بنیاد رکھی۔ آپ کے کردار نے متعدد ان تشریعات کو مسنون قرار دیا جنہوں نے زندگی کی حرکت کو محفوظ بنایا اور انسانیت کی ان امور کی طرف رہنمائی کی جن پر ان کی زندگیوں کے عام اور خاص معاملات ہونے چاہئیں۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا جنابِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کی صاحبزادی ہیں اور جنابِ فارقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن صرف آپ ہی تھیں۔ بعثت نبوی سے پانچ برس قبل اس وقت پیدا ہوئیں جب قریش مکہ کعبہ کی تعمیر نو کر رہے تھے۔ اس لحاظ سے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۵ برس چھوٹی تھیں۔ والدہ ماجدہ زینب بنت مظعون تھیں جو مشہور صحابی رسول سیّدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ اور خود بھی صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا مہاجراتِ مدینہ میں سے ہیں۔ پہلا نکاح ہجرت سے قبل خنیس بن حذافہ سہمی سے ہوا جنہوں نے حبشہ اور مدینہ دونوں کی ہجرت کی تھی۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنے دین کو بچانے اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت

کرنے کے لیے اپنے خاوند خنیس کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئیں۔ سیّدنا خنیس رضی اللہ عنہ نے بدر اور احد کی جنگوں میں شرکت کی۔ لیکن راجح قول یہ ہے کہ بدر میں ہی ایک کاری ضرب لگنے سے کچھ دن بعد انتقال فرما گئے اور اپنے پیچھے اپنی جواں سالہ بیوی حفصہ رضی اللہ عنہا بنت فارقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو چھوڑ گئے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی کے بیوہ ہو جانے کا بے حد غم تھا۔ اور جب آپ اپنی جوان بیٹی کا افسردہ چہرہ دیکھتے تو مارے غم کے اور بھی نڈھال ہو جاتے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کا غم غلط کرنے کے لیے ان کی دوسری شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ ان کا احساسِ محرومی ختم ہو۔ اب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی نیک بیٹی کے لیے ایک نیک خاوند کی تلاش شروع کر دی۔ عدت گزرنے کے بعد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا کیونکہ بدر کے موقعہ پر ان کی اہلیہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی پیشکش کی۔ انہوں نے غور کرنے کے لیے کچھ مہلت مانگ لی۔ پھر جلد ہی یہ عذر پیش کر دیا کہ ابھی میرا نکاح کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ یہ جواب سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہی پیش کش کی۔ مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار کر لی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان دونوں حضرات کے ایسے جواب سے رنجیدگی اور ملال ہوا۔ پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات کے اعراض کی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت بھی کی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا: "(عنقریب) حفصہ کے ساتھ وہ نکاح کرے گا جو عثمان سے بھی بہتر ہے اور عثمان اس سے نکاح کرے گا جو حفصہ سے بھی بہتر ہے۔" شاید اوّل امر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں سمجھے۔ چنانچہ تین چار روز ہی گزرے تھے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیام بھیج دیا۔ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بلا تامل اپنی لختِ جگر کا نکاح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ یہ تھا جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق کہ: "حفصہ کے ساتھ وہ نکاح کرے گا جو عثمان سے بھی بہتر ہے" جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد اپنی دوسری بیٹی سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق تھا کہ "عثمان کا نکاح اس کے ساتھ ہو گا جو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی بہتر ہے۔"

جب نکاح ہو چکا تو ایک دن سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔

انہوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا: "اے عمر! شاید تم مجھ سے رنجیدہ ہو میں نے اس لیے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو نکاح میں لینے کا ہے۔ اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ فرماتے تو میں ضرور ان کے ساتھ نکاح کر لیتا۔"[1]

یوں رب تعالیٰ نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین بننے کا شرف نصیب فرمایا تاکہ آپ براہِ راست انوارِ نبوت سے رشد وہدایت اور علم وعمل کی روشنی حاصل کریں۔ جس کی برکت سے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بارگاہِ الٰہی سے بے پناہ علم وعقل، ذکاوت وفطانت اور عبادت وطاعت کی توفیق

نصیب ہوئی۔ جس سے خلیفہ راشد امیر المومنین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بھی ٹھنڈی ہوئیں۔ جب کہ خود سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی خوشی کی تو کوئی انتہا نہ تھی۔ اب سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظروں میں جنابِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و توقیر پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی کیونکہ اب ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصاہرت کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ یہ رشتہ واری قائم کر کے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بے پناہ عزت دی، اور خود سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے غموں کا ازالہ فرمایا، ان کی ہجرت اور صبر کا اکرام فرمایا جو ان کے مجاہد، مہاجر اور شہید شوہر کے اکرام و اعزاز کو بھی شامل تھا۔

راجح قول کے مطابق یہ نکاح ۳ھ میں چار سو درہم مہر پر ہوا۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اس وقت بیس سال کی تھیں۔ کیا کسی عورت کے لیے اس سے بڑھ کر بھی کوئی شرف اور اعزاز ہو سکتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں داخل ہو کر پوری امت کی قیامت تک کے لیے ماں بن جائے اور اب اسے آلِ بیت رسول میں شمار کیا جاتا ہو۔ ام المومنین زوجۂ رسول سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت اور مقبولیت و محبوبیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہی ایک واقعہ کافی ہے کہ کسی موقعہ پر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک طلاق دے دی۔ اس پر آپ خود بھی بے حد روئیں اور آپ کے والد ماجد سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی بے حد روئے اور انہوں نے فرطِ غم میں اپنے سر پر خاک ڈالتے ہوئے یہ کہا "اللہ کو عمر اور اس کی بیٹی کی کوئی پروا نہیں۔" اگلے دن سیّدنا جبرئیل علیہ السلام یہ پیغام الٰہی لے کر نازل ہوئے کہ:

((رَاجِعْ حَفْصَةَ فَإِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ وَإِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ)) [1]

"حفصہ سے رجوع کر لیجیے کہ وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور بہت نماز پڑھنے والی ہیں اور جنت میں آپ کی بیوی ہیں۔"

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی سیرت و کردار کے بارے میں یہ بشارت اور شہادت، سچی شہادت، وحی کے امین جنابِ جبرئیل علیہ السلام کی زبانی اتری ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر محقق اور پختہ شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے کہ اے اللہ کے رسول! سیّدہ حفصہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے رب تعالیٰ کی نصیحتوں کو خوب یاد کیا، قرآنِ کریم کے آداب کے ساتھ خود کو آراستہ کیا۔ آپ اہتمام کے ساتھ اور پورے غور و تدبر اور گہرے فہم و تامل کے ساتھ قرآنِ کریم کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔ اسی تدبر و اہتمام کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے والد ماجد سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قرآنِ کریم کے اہتمام کی طرف متوجہ کیا۔ پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ہی خلافت صدیقی میں سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآنِ مجید کا ایک مکمل اور مرتب نسخہ تیار کیا۔ جو اس دور کے مطابق تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے سات بے شک یہ فضیلت و منقبت سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ہی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے رمضان المبارک میں سیّدنا جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ کیا تھا۔

رسالت مآب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ یہ نسخہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہے گا۔ بلاشبہ یہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی زبردست فضیلت منقبت ہے کہ مصحف شریف کے پہلے مرتب نسخہ کی حفاظت و صیانت کے لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب فرمایا جس کو جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بڑی تندہی اور جانکاہی کے ساتھ دن رات ایک کر کے لوگوں کے مونہوں، ہڈیوں،

ٹھیکریوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور چھیتڑوں، پر سے اکٹھا کیا تھا۔ اور اس قدر دقت و مشقت اس لیے اٹھانی پڑی کیونکہ جمع قرآن کے اس نازک وقت میں اکثر قراءوفات پا چکے تھے۔ بہر حال یہ نسخہ تیار ہو گیا اور یہ نہایت قیمتی امانت دورِ عثمانی تک سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہی۔ اور جب اس کی ضرورت پڑی تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیج کر وہ نسخہ آپ سے منگوالیا تا کہ اس کو سامنے رکھ کر متعدد اور نسخے تیار کیے جا سکیں۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نسخہ لیتے ہوئے آپ کو اس بات کا حلف دیا کہ وہ یہ نسخہ آپ کو لوٹا دیں گے۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس پر وہ نسخہ بھیج دیا۔ جب متعدد نسخے تیار کر لیے گئے اور سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے اس مصحف کے ساتھ ان کا موازنہ کر لیا گیا تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ نسخہ آپ کو واپس بھجوا دیا وہ نسخہ پا کر آپ بے حد خوش ہوئیں۔ اے میرے مسلمان بھائیو اور بہنو! ذرا اس بات کا تصور تو کرو کہ یہ امانت کس قدر قیمتی تھی۔ کہ روئے زمین پر اس وقت قرآنِ کریم کا مکمل، مرتب اور مدون نسخہ صرف اور صرف ایک ہی تھا جو ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھا۔ یہ کس قدر عظیم شرف، فضیلت اور منقبت تھی۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس عظیم امانت کی حفاظت کا حق ادا کیا۔ اور نہایت لطف کی بات یہ ہے کہ اس نسخہ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہ اللہ نے ایسی حفاظت کی کہ وہ نسخہ آج تک محفوظ چلا آتا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا۔

یہ ہے وہ ذکر جمیل جو قیامت تک ہوتا رہے گا۔ جب جب بھی قرآنِ کریم کی آفاقیت اور ابدیت کا ذکر آئے گا ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی عظمت و منقبت کا ذکر بھی ساتھ ہوتا رہے گا۔ اور جب بھی دور صدیقی و عثمانی میں جمع قرآن کی یادیں تازہ کی جاتیں رہیں گی امت مسلمہ کی اس عظیم ماں کا ذکر بھی تازہ ہوتا رہے گا۔ ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ذکر و شغل، نماز روزہ، عبادت و طاعت اور جہد و ریاضت سے بھرپور اور معمور زندگی گزار کر عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ۴۵ھ شعبان میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں۔ وفات کے وقت عمر مبارک ساٹھ سال تھی۔ مدینہ منورہ جنت البقیع میں دیگر ازواجِ مطہرات کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔

## ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب

ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہم پر یہ بات واجب ہے کہ ہمیں امہات المومنین کے نام اور ان کے احوال وصفات کا علم ہو، کیونکہ ان عظیم خواتین کا تعلق آلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور یہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہیں، ان مبارک خواتین کی عظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے چنا، ان عظیم عورتوں کی جلیل القدر اور رفیع المرتبہ سیرت پر گفتگو اس لیے بھی لازمی ہے کہ دراصل اس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت کے ایک پہلو پر گفتگو ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی ادا، حال اور قول پر گفتگو سے بڑھ کر بابرکت اور کوئی گفتگو نہیں۔ اسی لیے آج اپنی اس نشست میں ہم قارئین کرام کے سامنے ازواجِ مطہرات میں سے ایک عظیم زوجۂ مطہرہ کا تذکرہ کریں گے جن کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حبالۂ عقد میں لینا فرمایا۔ جی ہاں! یہ ام المومنین، زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب ہیں۔ عقد نکاح میں آنے اور اسلام لانے سے قبل آپ یہودیہ تھیں۔ آپ کے والد حیی بن اخطب قبیلہ بنو نضیر کے سردار تھے۔ اور ان کا سلسلۂ نسب سیّدنا ہارون علیہ السلام تک جاملتا تھا۔ والدہ کا نام ضرّہ ہے جو بنو قریظہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔ غرض سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ماں اور باپ دونوں کی طرف بے حد عالی نسب اور شریف خاندان کی تھیں۔

ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اسلام لانے سے قبل کے اپنے ایک اہم واقعہ کو نقل کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

میرے والد اور میرے چچا ابو یاسر مجھ سے بے حد پیار کرتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور قباء میں فروکش ہوئے تو میرے والد اور چچا اگلے دن منہ اندھیرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے گئے۔ اور غروبِ آفتاب کے وقت لوٹے۔ یہ دونوں ان صاحب کو دیکھنے گئے تھے جو جزیرۂ عرب میں ظاہر ہوا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کا فرستادہ (نبی) ہے اور اس کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں۔ وہ دونوں یہ دیکھنے گئے تھے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے؟ اور ان کی صفات کیا ہیں؟ اور ان کے اخلاق کیا ہیں؟ (ان کا حلیہ اور علامات کیا ہیں؟ کیا وہ وہی ہیں جنہیں وہ اپنی آسمانی کتابوں میں لکھا پاتے ہیں یا کوئی اور ہیں؟) سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "پس وہ دونوں تھکے ہارے گرتے پڑتے چلتے آرہے تھے، میں دونوں کی طرف لپکی۔ اللہ کی قسم! دونوں میں سے کسی نے بھی مارے غم کے میری طرف التفات نہ کیا۔ میں نے اپنے چچا ابو یاسر کو سنا، وہ میرے والد کو یہ کہہ رہے تھے کیا وہ وہی ہیں؟ تو میرے والد کہنے لگے: ہاں! اللہ کی قسم! (وہ وہی ہیں)۔ میرے چچا بولے! "کیا تم ان کی صفات وتعریف کو پہنچاتے ہو؟" بولے! ہاں! اللہ کی قسم!" اس پر میرے چچا نے پوچھا" تو پھر اتیر دل ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ (اور تیرے دل میں ان کے بارے میں کیا بات ہے؟) تو میرے والد بولے: اللہ کی قسم! سوائے عداوت کے اور کچھ نہیں۔ اور مرتے دم تک عداوت کروں گا۔" [1]

افسوس! یہ ہیں یہود جنہوں نے سب کچھ جانتے اور پہچانتے ہوئے بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا نہ صرف انکار کیا بلکہ بدترین عداوت کے ساتھ نہایت کمینہ اور شرمناک سازشیں بھی کیں۔ کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے نہ تھے؟

﴿أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ﴾ (المومنون: ٦٩)

"یا یہ اپنے پیغمبر کو جانتے مانتے نہیں اس لیے ان کو نہیں جانتے؟"

بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم سامی "محمد" تورات میں صاف صاف لکھا ہے جس طرح انجیل میں "احمد" کا نام صاف صاف مذکور ہے۔

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ١٤٦)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخر الزمان) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں۔ مگر ایک فریق ان میں سے سچی باتوں کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔"

خیبر کے دن ہونے والی یہود کے ساتھ جنگ میں سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے خاوند کنانہ بن ابی الحقیق مقتول ہوئے (آپ کے پہلے خاوند سلام بن مشکم نے آپ کو طلاق دے دی ہوئی تھی)۔ دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپ بھی گرفتار ہوئیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے لیے منتخب فرمایا اور آزاد کر کے آپ کے ساتھ نکاح فرمالیا۔ انتخاب فرماتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دو باتوں اسلام قبول

کرنے یا اپنے دین پر باقی رہنے میں سے ایک کا اختیار دیا اور یوں ارشاد فرمایا ”اگر تم اسلام قبول کرتی ہو تو میں تم سے شادی کر لوں گا۔ اور اگر تم یہودیت پر ہی رہنا چاہتی ہو تو میں تمہیں آزاد کر دیتا ہوں اور تم اپنی قوم سے جاملو۔“

اس پر آپ نے خدمت رسالت میں یہ عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! میں نے اسلام کو پسند کیا اور میں تو آپ کے دعوت دینے سے قبل ہی آپ کو اللہ کا سچا رسول مان چکی ہوں۔ آپ نے مجھے اسلام اور کفر کے درمیان اختیار دیا ہے تو (سن لیجیے کہ) مجھے اللہ اور اس کا رسول آزاد ہونے اور اپنی قوم کے پاس واپس ہونے سے زیادہ محبوب ہے۔[1]

بے شک اس عقل مند اور ذہین عورت نے اسلام قبول کر کے اپنی قسمت جگالی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آزاد کر کے آپ کے ساتھ نکاح فرمالیا اور آپ کی آزادی کو ہی آپ کا حق مہر مقرر کیا۔[2]

آپ کا ولیمہ بھی عجب شان سے ہوا کہ چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا گیا اور اس پر گھی کھجور، پنیر اور ستو ڈال دیا گیا۔ جس کو سب نے مل کر کھالیا، نہ گوشت اور نہ روٹی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ولیمہ کرنے سے غرض یہ تھی کہ امت کو آسان سے آسان طریقہ سے شادی کرنے کی عملی ترغیب دی جائے۔ دوسرے اس ولیمہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صفیہ کا بے حد اکرام و اعزاز فرمایا تاکہ اپنے اہل اور قوم کے بدلے میں آپ کو اس کا بہترین بدل عطا فرمائیں۔ تیسرے اس نکاح کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ مصاہرت کا رشتہ قائم فرمالیا تاکہ شاید اس کے ذریعے ان کی نفرت وانتقام کی آگ سرد پڑے، ان کی عداوت میں کمی آئے، اور یہ رشتہ ان کے لیے قبول حق کی تمہید ثابت ہو۔ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: ”میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (خیبر کی جنگ کے موقعہ پر سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمانے اور ولیمہ کھلانے کے بعد) دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے اپنی عباء سے پردہ کیا ہوا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (انہیں لے کر چلتے ہوئے) اپنے اونٹ کے پاس جا بیٹھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گھٹنہ رکھا جس پر قدم رکھ کر سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہوئیں۔“ [1]

گویا کہ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں نا کہ ام ولد۔

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ پر ایک سبز نشان دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: ”مَاهٰذِهٖ؟“ یہ کیا ہے؟ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ایک روز میں اپنے خاوند کنانہ بن ابی الحقیق کی گود میں سر رکھے سو رہی تھی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا چاند میری گود میں آگرا ہے۔ جب میں نے اپنے خاوند کو یہ خواب سنایا تو اس نے میرے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور یہ کہا کہ: ”کیا تو یہ تمنا رکھتی ہے کہ تو یثرب کے بادشاہ کے ساتھ شادی کرے!!!! [2]

کنانہ کا اشارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الوفات میں دیکھ کر آپ بے حد دل گرفتہ اور غم گین ہو گئی تھیں اور یہاں تک تمنا کرنے لگیں کہ کاش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ آپ بیمار ہو جاتیں۔ چنانچہ اسی مرض الوفات میں ایک مرتبہ تمام ازواجِ مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئیں تو سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں: "اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میری یہ تمنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے یہ تکلیف مجھے ہو جائے۔" بعض ازواجِ مطہرات کو اس کالم کی صداقت میں کچھ شبہ ہوا اور وہ ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرنے لگیں۔ اور چہروں سے بھی اس شبہ کا اظہار ہو گیا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ بھی لیا اور محسوس بھی کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَاللّٰهِ اِنَّهَا لَصَادِقَةٌ))

"اللہ کی قسم! یہ سچی ہے۔" [1]

یہ قصہ ابن حجر نے الاصابہ میں اور ابن سعد نے الطبقات میں زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بے حد بزرگ، عزت دار، عقل و فہم سے مالا مال، اونچے خاندان اور بلند حسب نسب کی مالک تھیں حسن و جمال موروثی تھا اور جملہ شمائل و خصائل خاندانی تھے۔ مدینہ منورہ پہنچیں تو مدینہ کی خواتین میں آپ کی خوبصورتی کی دھوم مچ گئی اور سب عورتیں ایک نظر دیکھنے کے لیے امنڈی چلی آئیں۔ حتی کہ سیّدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی انصار کی عورتوں کے ساتھ چہرے پر نقاب اوڑھے دیکھنے آئیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا۔ واپسی پر جب جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: اے عائشہ! کیا دیکھا؟ تو بولیں: ایک یہودیہ دیکھ کر آرہی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسا مت کہو کہ اب وہ مسلمان ہو گئی ہیں اور خوب اسلام لائی ہیں۔" سیّدہ صفیہ کے حسن و جمال نے دیگر ازواجِ مطہرات میں ایک رشک پیدا کر دیا تھا جو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بھی تھا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو تسلی اور دلاسا دیا کرتے تھے اور انہیں غم گین نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک دفعہ ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو عار دلاتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ (اگرچہ زوجۂ رسول ہونے میں تم ہماری شریک ہو لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں ہم تم سے زیادہ محترم ہیں کیونکہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بھی ہیں جب کہ) تم ایک یہودی کی بیٹی ہو۔ اس بات سے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو غیرت آگئی اور فرطِ غم سے رونے لگیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کو روتے دیکھا تو اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ آپ نے عرض کیا: یہ حفصہ اور عائشہ مجھے چھیڑتی ہیں اور یہودن (یعنی یہودی کی بیٹی) کہتی ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ان الفاظ کے ساتھ تسلی دی کہ:

((اِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ وَاِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ وَاِنَّكِ لَتَحْتَ نَبِيٍّ))

"(تم نے انہیں ایسے کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے بہتر کیونکر ہو سکتی ہو جب کہ) تم ایک پیغمبر کی بیٹی ہو (سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سیّدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں) اور تمہارے چچا بھی پیغمبر ہیں (سیّدنا موسیٰ علیہ السلام سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے چچا تھے) اور تم ایک پیغمبر (یعنی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی ہو۔"

پھر فرمایا:

((فَفِيْمَ تَفْخَرُ عَلَيْكِ ))

"پس وہ کس بنا پر تم پر فخر کرتی ہے۔"

سبحان اللہ! غور سے دیکھیے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھریلو جھگڑوں کو کس خوش اسلوبی کے ساتھ حل کر دیا کرتے تھے کہ سب ازواج میں ایک دوسرے کے احترام کی فضا کو قائم رکھتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے عمدہ الفاظ اور لطیف تعبیرات کے ساتھ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے غم کو غلط کر دیا اور ان کا رونا ختم کرایا۔ اور انہیں ایسی مبنی پر حقیقت بات کہی جس سے سیّدہ صفیہ کے چہرے پر سے غم کے سائے چھٹ گئے اور مسکراہٹ بکھر گئی۔ بلکہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو مزید ایسی بات بتلائی جس کی بنا پر وہ بجا طور پر دوسری ازواجِ مطہرات پر فخر کر سکتی تھیں اور صرف اسی بات پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس حرکت پر یہ کہہ کر سرزنش فرمائی:

((اِتَّقِی اللّٰہَ یَا حَفْصَۃُ)) [1]

"اے حفصہ! اللہ سے ڈرو۔" سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی عاقلہ، بردبار اور صاحب فضل و کمال تھیں۔ جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو کتب سیرت میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی ایک باندی نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر یہ کہہ دیا کہ صفیہ ابھی تک ہفتہ کے دن کو محبوب رکھتی ہیں اور یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے یہ دونوں باتیں دریافت کر بھیجیں تو آپ نے نہایت بردباری اور دقت فہم کے ساتھ یہ جواب دیا کہ جب سے رب تعالیٰ نے مجھے ہفتہ کے بدلے جمعہ کا دن دیا ہے مجھے ہفتہ کبھی اچھا نہیں لگا۔ رہے یہود تو ان سے میری قرابتیں ہیں اس لیے میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جوابات کہلوا بھجوانے کے بعد آپ نے اس باندی کو طلب فرمایا اور پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ، تمہیں اس امر پر کس نے آمادہ کیا تھا؟ وہ بولی شیطان نے، اس پر آپ نے فرمایا: "جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔" [2]

سبحان اللہ! آج ہم میں سے کون ہے جو برائی کے بدلے ایسا احسان کرے؟ ایسا کرنے کی ہمت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ اور ایسا عظیم لوگ ہی کیا کرتے ہیں۔

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اسلام لے آنے کے بعد بھی اپنے قرابتداروں سے قطع تعلق نہ کیا تھا چنانچہ آپ بنو نضیر کے یہود سے ملنے بھی جاتی تھیں اور ان کے ساتھ صلہ رحمی بھی کرتی تھیں۔ آج ہے کوئی ایسا جو اپنے قرابتداروں کے ساتھ اور وہ بھی کافروں کے ساتھ ایسا حسن سلوک کرے؟

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کو نصیحت کرنے اور انہیں اللہ یاد دلانے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ چند لوگ جمع ہو کر آپ کے حجرہ مبارکہ میں ذکر و تلاوت میں مشغول تھے۔ اتنے میں آیت سجدہ آگئی۔ سب نے سجدہ کیا تو آپ نے اندر سے ندا کی۔ "لوگو! یہ سجدہ اور تلاوتِ قرآن تو ہو گیا بھلا وہ رونا کہاں گیا؟[1]

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہانے خلفائے راشدین کے مبارک ادوار کو پایا اور سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں جا کر ۵۰ھ کو رب ذوالجلال کے جوار رحمت میں جا بسیں۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہانے اسلام لے آنے اور ام المومنین بننے کے بعد دنیا اور دنیا کی نعمتوں سے بالکل منہ موڑ لیا حتیٰ کہ سونے کا کچھ زیور جو مدینہ آنے کے وقت کانوں میں تھا، اس میں سے کچھ تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو باقی کا دوسری عورتوں کو دے کر دنیا کا قصہ اسی دنیا میں تمام کر دیا۔ اور ہمہ وقت زہد و عبادت میں مشغول ہو گئیں۔ آپ نے اہل ایمان کو قرابتداریوں کی نزاکت کی تعلیم دی، ان کے حقوق کی حفاظت کر کے دکھلائی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنے حسن کردار سے سوکنوں کو حسن سلوک کی تعلیم دی۔ چنانچہ آپ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک ہزار دینار کی وصیت کی۔[2] آپ بھی دیگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

رب تعالیٰ ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواجِ مطہرات سے راضی ہو۔

# ذریت طیبہ رضی اللہ عنہم اجمعین

## جگر گوشۂ رسول سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری صاحب اپنے بھائی کو اس بات پر ڈانٹ رہے تھے کہ وہ بے حد حیاء کرتے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ اتنا بھی حیاء نہ کیا کرو گویا کہ وہ اسے یہ جتوا رہے تھے کہ اسی شدتِ حیاء نے تمہیں یہ نقصان پہنچایا ہے۔ اسی دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کی وہ گفتگو سن لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے (اس کے حال پر) چھوڑ دو بے شک حیاء ایمان میں سے ہے۔"[1]

حیاء، یہ وہ صفت خلقیہ ہے جو انسان کو ہر قابل ستائش فعل پر آمادہ کرتی ہے اور اسے ہر قابل ملامت فعل سے باز رکھتی ہے۔ حیاء نفس محمودہ کی صفات میں سے ہے۔ جس میں بھی حیاء پیدا ہو جاتا ہے، وہ قبیح اعمال سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور انہیں ترک کر دیتا ہے۔ بلاشبہ حیاء نفس کی سب سے بڑی صفت ہے اور یہ کریم و شریف انسانوں کی صفت لازمہ ہے۔ بلکہ حیاء تو اہل فضل و مروت کی امتیازی اور سب سے کھلی نشانی ہے۔ اے میرے بھائیو اور بہنو! آج ہم آلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جس عظیم شخصیت پر گفتگو کرنے چلے ہیں وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ نظر، لختِ جگر اور دل کی ٹھنڈک سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں۔ بلاشبہ یہ کوئی معمولی خاتون نہ تھیں۔ یہ وہ خاتون ہیں جن کی نظیر و مثیل لانے سے تاریخ قاصر ہے، صفات و کمالات میں کوئی ان کے قریب بھی نہ پہنچ سکی۔ روئے تاریخ سے ایسی عظمتیں اور رفعتیں کسی اور کے دامن میں نظر نہیں آتیں۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین، عزیز ترین اور بے حد لاڈلی بیٹی ہیں مورخین اور سیرت نگاروں نے "جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے عظیم لقب کے ساتھ سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو یاد کیا ہے۔ فضائل و مناقب سیّدہ کے فرشِ راہ تھے، خوبیاں راہ میں نظریں بچھاتی تھیں، محامد و محاسن ابر باران کی طرح سیدہ رضی اللہ عنہا پر برستے تھے۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس جہان میں کیا تشریف لائیں کہ کاتب تقدیر کو نئے دفاتر میں اس عظیم خاتون کی صفات قلم بند کرنی پڑیں۔ بلاشبہ میرا یہ مختصر سا مضمون میرا الحوتاہ قلم، نارسا ذہن ناقص فہم، بے بضاعت علم، ادھوری تعبیریں بکھرے الفاظ، پراگندہ اسالیب، سیّدہ صدیقہ طاہرہ فاطمۃ الزہراء کی کسی ادنیٰ خوبی کے بیان کے ادائے حق سے قاصر ہیں بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ زبان و بیان کی بے مائیگی اور بے بسی طاہرہ کائنات کی شان میں سوئے ادب کا سبب نہ بن جائے۔

سیّدہ فاطمۃ الزہراء آلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مایہ ناز بلند مرتبہ اور جلیل القدر خاتون ہیں جنہیں زبانِ رسالت صداقت بیان سے خاتونِ جنت کا مژدہ ملا، زبانیں آپ کی خوبیوں کے شمار کے آگے لاچار ہیں، زبان میں ان کے گنوانے کی سکت نہیں۔ اس سب کے باوجود بندہ عاجز نے صفات و کمالات کے اس بحر ناپیدا کنار کے چند قطرے نوکِ قلم کرنے کی جرأت محض اس امید پر کی کہ قبر کے اندھیروں میں روشنی کا کوئی بندوبست ہو جائے، قیامت کی ہولناکیوں میں امن کی کوئی جگہ نصیب ہو جائے، حساب کی سختی سے چھٹکارے کی کوئی راہ نکل آئے۔ اور عرش کے سائے میں قدم رکھنے کی نعمت مرحمت ہو جائے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء کا ذکر خیر نرا سعادت برکت، رحمت اور نجات ہے۔ اور دوسری غرض یہ ہے کہ آج کی نوجوان مسلمان عورت کے سامنے سیّدہ طاہرہ بتول جگر گوشۂ رسول کی مبارک سیرت کے درخشندہ پہلو آجائیں جن کو اسوہ بنا کر اور ان کی اقتداء کر کے دنیا و آخرت کی سعادتوں سے سرفراز ہو۔ اور اس کی بھٹکتی اور بے راہ زندگی کو قرار اور وقار نصیب ہو۔ اور جن جن نعمتوں اور عزتوں اور رفعتوں سے آج کی عورت محروم ہے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر کی پاکیزہ ترین سیرت کی روشنی میں وہ سب نعمتیں اور عزتیں نصیب ہوں۔ تیسرے آج جو مسلمان خاتون کسی نیک ترین، صالح ترین پاکیزہ اور بلند ترین اسوہ اور نمونہ کی تلاش میں ہو اس کے سامنے سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی ذاتِ بابرکات کا ایسا نمونہ آجائے کہ اس کے بعد اسے کسی اور قدوہ، اسوہ اور نمونہ کی ضرورت نہ رہے۔ افسوس کہ آج کی عورت ان عورتوں کو نمونہ بنا کر چل رہی ہیں جہنم کی راہ تک رہی ہے، عذاب ان کے منتظر ہیں، اندھے گونگے اور بہرے فرشتے ان کے استقبال کو تیار بیٹھے ہیں۔

وَاَیْنَ مَنْ کَانَتِ الزَّہْرَاءُ اُسْوَتُھَا

مِمَّنْ تَقَفَّتْ خُطٰی حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ

”بھلا اس عورت کا جو سر پر جہنم کا ایندھن لاد کر چلنے والی کے پیچھے چلتی ہو، اس عورت سے کیا واسطہ جس کا اسوہ اور قدوہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء ہو۔“

جی ہاں! آلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے یہ ذکر ہے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا۔ جن کی عظمت کے آگے عظمتوں کے سر خم ہیں یہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں۔ یہ طاہرہ، عابدہ، ساجدہ زہراء (روشن و تابناک) اور بتول ہیں جنہوں نے سب سے رشتے کاٹ کے ایک اللہ کے ساتھ رشتہ لگا لیا تھا اور اس کی عبادت میں تھک تھک کر یہ دنیا چھوڑ گئیں تھیں۔ سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی پاکیزہ ذات کے بارے میں گفتگو کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم نفس انسانی کی سب سے بلند جلیل القدر اور عظیم المرتبت صفت ”حیاء“ کے بارے میں گفتگو کرنے چلے ہیں۔ سیّدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا سراپا حیاء تھیں۔ ام جعفر بنت محمد بن جعفر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیّدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: "اے اسماء! عورتوں کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد جو کچھ کیا جاتا ہے، مجھے یہ بے حد ناگوار ہے کہ ان پر بس ایک چادر ڈال دی جاتی ہے جس سے ان کے بدنوں کے اعضاء نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔"

یہ بات سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے مرض الوفات میں سیّدہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ سے ارشاد فرمائی تھی۔ جو مرض کی اس حالت میں آپ کی تیمار داری اور عیادت کی غرض سے آتی تھیں۔ یہ اسماء جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ اس زمانہ میں عورت کا جنازہ اٹھاتے وقت اس پر فقط ایک بڑی سی چادر ڈال دی جاتی تھی۔ جس سے اُس کے بدن کے آثار اور اس کا طول و عرض نمایاں نظر آتا تھا۔

سبحان اللہ! سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا کے حیاء پر قربان جایئے کہ مرنے کے بعد اپنے لاشے کی بابت بھی حیاء کی اس قدر فکر دامن گیر ہے اور آپ نے ایک ایسی بات کی بابت فکر کیا جس کی بابت لوگ بہت کم سوچتے تھے۔ یہ بات سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا نے حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں ارشاد فرمائی تھی۔ جب آپ یہ جانتی تھیں کہ داعی اجل کو لبیک کہتے ہی آپ سیدھا اپنے والد ماجد، رسولِ خدا جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا حاضر ہوں گی تو بھلا آپ کو یہ بات کیونکر گوارا ہو سکتی تھی کہ آپ کا جنازہ دن کی روشنی میں مردوں کے آگے آگے چلا جا رہا ہوں!!! سبحان اللہ! اس قدر حیاء!! کیا اس بات کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ سیّدہ بتول کے جنازہ کا ایک بال یا ناخن بھی ننگا ہو۔ ہرگز نہیں! پھر ہرگز نہیں! کیا یہ ممکن تھا کہ سیّدہ زہراء کا جنازہ کھلے منہ نکلے! واللہ! ہرگز نہیں! پھر اس سب پر مستزاد یہ کہ جنابِ رسالت مآب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ لیکن اس سب کے باوجود آپ کے قلب و دماغ میں جو خیال گردش کر رہا تھا۔ وہ تھا "حیاء" بلاشبہ یہ آسمانوں سے بھی بلند عقل تھی جس کو موت کی تلخی نے بھی حیاء نہ بھولنے دیا۔

اَلْمَجْدُ يَشْرُفُ فِيْ ثَلَاثِ مَطَالِعٍ

فِيْ مَهْدِ فَاطِمَةَ فَمَا اَعْلَاهَا

هِيَ بِنْتُ مَنْ هِيَ، زَوْجُ مَنْ، هِيَ اُمُّ مَنْ؟

مَنْ ذَا يُدَانِيْ فِي الْفَخَارِ اَبَاهَا

هِيَ وَمْضَةٌ مِنْ نُوْرِ عَيْنِ الْمُصْطَفٰى

هَادِي الشُّعُوْبِ اِذَا تَرُوْمُ هُدَاهَا

"شرافت اور بزرگی نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تینوں اطراف سے گھیر رکھا ہے اور وہ اس وقت بھی سیّدہ زہراء پر سایہ فگن تھی جب سیّدہ گہوارے میں تھیں۔ پس سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا کیا ہی بلند مرتبہ ہیں۔ بھلا یہ کس کی بیٹی ہیں؟ کس کی بیوی ہیں اور کس کی ماں ہیں؟ کون ہے جو فخر

وبڑائی میں ان کے والد کے پاس بھی آسکتا ہو۔ سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا تو جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے نور کی ایک چمک ہیں، وہ نور جو قوموں کو جب وہ ہدایت چاہیں تو ہدایت بخشتا ہے۔"

اے میری مسلمان بہن! کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ مرنے کے بعد سیّدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کے سراپا حیاء، پیکر شرم بدن کے ساتھ جو کیا جائے اس کا محاسبہ ان سے ہو گا۔ یقیناً نہیں۔ لیکن سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا کو اس وقت کی بھی فکر اس حیاء کی بدولت تھی جو ایمان کا ایک شعبہ ہے اور وہی حیاء آپ کی رگ رگ میں اور ریشے ریشے میں پیوست تھا۔ اور یہی حیاء نیک عورتوں کا اصل زیور اور ان کا حقیقی حسن ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ نے اپنا یہ غم سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے سامنے بیان کر دیا آپ کو اندیشہ تھا کہ کہیں مرنے کے بعد آپ کے بدن کے ساتھ بھی ایسا ہی نہ کیا جائے کہ اوپر ایک لمبی چادر ڈال دی جائے۔ سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا کا غم دیکھ کر اچانک سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "اے رسول اللہ کی لخت جگر! کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتلاؤں جو میں نے حبشہ میں دیکھی ہے پھر انہوں نے کھجور کی چند گیلی شاخیں منگوائیں۔ ان کو موڑ کر کمان دار بنایا اور پھر ان پر چادر ڈالی۔" اور سمجھایا کہ تیرے جنازہ کے ساتھ یوں کیا جائے گا۔ تب ان مڑی شاخوں پر دھری چادر کے نیچے سے بدن کے اعضاء کا وصف ظاہر نہ ہو گا۔ سیّدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا یہ منظر دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔ اور فرمایا: "یہ کیسی عمدہ اور خوبصورت شے ہے کہ اس کے ذریعے مرد اور عورت کے جنازہ میں امتیاز ہو جائے گا۔" [1]

سبحان اللہ! اس طاہر وعفیف اور پاکدامن عورت کا حال بھی بے حد عجیب ہے جو محض اس لیے بے حد خوش ہو رہی ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کے بدن کی ہیئت پر حیاء کی چادر تنی ہو گی۔ کہاں ہیں آج کے فیشن کی وہ دلدادہ خواتین اور جو اشتہارات کی زینت بن کر خوش ہوتی ہیں اور حیاء کو تباہ وبرباد کر کے فرحت وسرور میں بدمست ہیں۔ اللہ ہی ہے! ہم اسی سے مدد کے خواستگار ہیں۔ پھر سیّدہ بتول بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتی ہیں: "جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے صرف تم اور علی غسل دیں، ان کے سوا کسی اور کو اندر نہ آنے دینا۔"

سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا نے غسل دینے والوں کی تعداد کو محدود کر کے اپنے بے پناہ حیاء اور شرم کا ثبوت دیا۔ پھر سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا کی نعش مبارک کو غسل دینے کے بعد ایسا ہی کیا گیا۔ اسلام میں آپ پہلی خاتون تھیں جن کے جنازہ کو یوں ڈھانپا گیا تھا جس کی خبر سیّدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے دی تھی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیّدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور اندر جانا چاہا تو انہیں سیّدہ اسماء نے جو ان کی سوتیلی والدہ تھیں اندر جانے سے منع کر دیا۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے واپس جا کر جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس بات کی شکایت کی یہ خثعمیہ خاتون میرے اور بنت رسول کے درمیان حائل ہو رہی ہیں اور انہوں نے فاطمہ کے لیے ایسا ہودج بنایا ہے جیسا دلہنوں کے لیے بنایا جاتا ہے۔ جنابِ صدیق اکبر یہ سن کر بے حد حیران ہوئے۔ چنانچہ آپ اسماء کے پاس پہنچے اور ان سے پوچھا: "اے اسماء! کیا بات ہے! تم نے ازواجِ رسول کو بنتِ رسول کے پاس جانے سے کیوں روکا۔ اور یہ تم نے ہودج کیا بنایا ہے جیسے دلہنوں کا ہوتا ہے۔ اسماء بولیں: کسی کو بھی اندر جانے سے وہ خود منع فرما گئی ہیں۔ رہا یہ ہودج تو یہ میں نے انہیں ان کی حیات سے بنا کر دکھایا تھا۔ انہیں یہ پسند آیا تھا اور حکم دیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد کھجور کی گیلی

شاخوں کو موڑ کر یوں ہی کمان دار بنا کر اس پر کپڑا ڈال دینا۔" یہ سن کر جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اسماء رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: جیسے تمہیں سیّدہ فاطمہ بتول نے وصیت کی ہے تم ویسا ہی کرتی جاؤ۔ یہ کہہ کر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لوٹ گئے اور سیّدہ اسماء اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کو غسل دیا۔[1]

سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا کس قدر حیاء کی مالک تھیں اور آپ جیسی عظیم خاتون سے ایسی بات کا صدور کوئی انوکھی چیز نہیں۔ بھلا یہ کون ہیں؟ یہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جن کے حیاء کا یہ قصہ ہمیں یہ بات سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ آلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جس عظیم عورت کو اپنے مرنے کے بعد بھی حیاء کی اس قدر فکر تھی، وہ بھلا اپنی زندگی میں کس قدر حیاء کے ساتھ رب کی دھرتی پر چلتی ہو گی؟

بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ)) [2]

"حیاء خیر ہی لاتا ہے۔"

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ)) [1]

"حیاء سارے کا سارا خیر ہے۔(یعنی نری خیر ہے)۔"

اور اگر کوئی یہ پوچھے کہ پھر سیّدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا نے اس قدر حیاء سے کون سی خیر سمیٹی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان سے ایک فرشتہ اترے گا اور وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر رضی اللہ عنہا کے بارے میں بشارت دے گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی عورتوں کی سردار سیّدہ فاطمہ ہیں؟ نہیں بلکہ مدینہ کی بستی کی عورتوں کی سردار ہیں؟ نہیں بلکہ دنیا بھر کی عورتوں کی سردار ہیں؟ ارے نہیں بلکہ "سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔" [2]

اس لیے تو آپ کو خاتونِ جنت کہا جاتا ہے۔ تو کیا ہم اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم ترین خاتون کے حیاء سے کوئی سبق حاصل کرنے کو تیار ہیں؟!!!

[1] صحیح مسلم، رقم: ۳۷ من حدیث عمران بن حصین رضی اللّٰہ عنہ بالحول مما تقدم۔ [2] مسند احمد، رقم: ۲۲۲۴۔

# سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ

جنابِ ابراہیم سید البشر جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم کے آخری فرزند ارجمند ہیں۔ جو ذی الحجہ ۸ھ میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو ۶ھ میں حاکم مصر مقوقس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے کے پیدا ہونے پر بے حد خوش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرطِ مسرت سے اپنے بیٹے کو چومتے اور سونگھتے تھے۔ اور فرمایا:

((وُلِدَلِیَ اللَّیْلَۃَ غُلَامٌ فَسَمَّیْتُہُ بِاسْمِ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ)) [1]

"رات میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے میں نے اس کا نام اپنے جد اعلیٰ (ابراہیم) کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔"

ساتویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے بال منڈوائے اور ان کے وزن کے برابر چاندی مسکینوں پر صدقہ کی۔ اب انصار کی عورتوں میں اس بات کی دوڑ لگ گئی کہ جناب ننھے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کی سعادت انہیں ملے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابراہیم کو دودھ پلانے کے لیے عوالی میں بنی عدی بن نجار کی ایک خاتون ام بردہ خولہ بنت منذر کے حوالے کیا۔ ام بردہ خولہ کے خاوند لوہار تھے جن کا ابو سیف براء بن اوس تھا۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گاہے بگاہے اپنے نورِ نظر ننھے ابراہیم کو دیکھنے بنی نجار کے محلے میں تشریف لے جاتے اور انہیں گود میں لے کر بے حد پیار کرتے۔

ننھے ابراہیم کو جنت میں جانے کی جلدی تھی۔ اس لیے اس دنیا میں اٹھارہ ماہ سے زیادہ کا عرصہ نہ گزارا اور ۱۰ھ میں سب کی آنکھوں میں آنسو چھوڑ کر اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ ننھے ابراہیم رضی اللہ عنہ نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں جان دی تھی اس لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وفات پا جانے کا بے حد غم تھا۔ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: "ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ننھے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے رضاعی باپ) ابو سیف حدار کے ہاں گئے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو لے کر چوما اور انہیں سونگھا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کرنا اپنی اولاد کے ساتھ بے پناہ محبت کی وجہ سے تھا، کیا آج کے والدین کو بھی اپنی اولادوں سے ایسی محبت ہے؟ بے شک بچے کو چومنا اس میں فرحت و سرور کی لہر دوڑا دیتا ہے اور اس سے بچے کے جذبات کو زبردست انگیخت ہوتی ہے۔ بلکہ چومنے سے بچے کا غصہ جاتا رہتا ہے اور اس بات کا شدت کے ساتھ احساس ہوتا ہے کہ اس کے والدین کو اس کے ساتھ بے حد پیار، انس، محبت اور تعلق ہے۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ آگے بیان فرماتے ہیں: "اس کے چند دن بعد ہم دوبارہ ابو سیف کے پاس گئے۔ اس وقت ننھے ابراہیم رضی اللہ عنہ جان کنی کے عالم میں تھے۔ (ننھے ابراہیم کی یہ حالت دیکھ کر) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔" یہ منظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بے حد عجیب تھا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اپنے بیٹے کی وفات پر رو رہے ہیں۔ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہہ اٹھے: یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی (یوں رو رہے ہیں)؟ سیّدنا عبد الرحمن رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ جیسے دوسرے لوگ بھی مصیبت آنے پر صبر نہیں کرتے اور جزع فزع کرنے لگتے ہیں بظاہر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسرے لوگوں کی طرح بے صبری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا اور بتلایا کہ ہائے وائے اور واویلا کرنا اور چیز ہے اور فرطِ غم سے رونا اور چیز ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابن عوف! یہ (رونا بے صبری نہیں بلکہ یہ تو اپنی اولاد کی جدائی پر غم کا اظہار اور اس پر) رحمت ہے۔" (لہٰذا یہ وہ جزع فزع اور ہائے وائے نہیں جس کا تمھیں وہم ہو رہا ہے) آگے سیّدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آنسو بہائے۔" یہ حدیث ہمیں بتلاتی ہے کہ جائز رونا اور گریہ کرنا، کیا ہے؟ اور اس کی صورت کیا ہے؟ کہ زبان پر ناشکری کا کوئی کلمہ اور شکوہ نہ ہو۔ البتہ دل پر ضبط نہ ہونے کے باعث نگاہیں اشکبار ہو جائیں تو اس میں مضائقہ نہیں۔ یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ بلکہ ہر حساس دل ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ مصیبت اور غم میں دکھ کا اظہار تو کرتا ہے، پر اپنے رب کو ناراض نہیں کرتا۔ آگے سیّدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلاَ نَقُولُ إِلاَّ مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ)) [1]

"بے شک نگاہ اشک بار ہے اور دل مغموم ہے مگر ہم زبان سے وہی کہیں گے جس پر ہمارا پروردگار راضی ہے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر غم زدہ ہیں۔" جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لطیف فعل سے معلوم ہوا کہ اپنے قریبی اور محبوب کی جدائی پر رونا پسندیدہ ہے اور مستحب و جائز ہے۔ یہ گریہ رب کی قضاء اور تقدیر پر ناراضی کا اظہار نہیں۔ البتہ یہ شرط ہے کہ یہ رونا میت پر رحمت کی بنا پر ہو نا کہ اس لیے کہ اس کے مر جانے سے ہم ان فوائد و منافع سے محروم ہو گئے جو اس کی زندگی میں بہم مہیا تھے۔ اس مقام پر ایک اہم امر کی طرف انتباہ بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ جب سیّدنا فضیل بن عیاض کے بیٹے علی کا انتقال ہوا تو وہ ہنس پڑے اور بولے، "میں نے دیکھا کہ رب کی تقدیر نافذ ہو گئی ہے اس لیے مجھے یہ اچھا لگا کہ میں رب کے فیصلے پر راضی رہوں۔" [2]

اب ہمارے سامنے دو باتیں ہیں۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے لختِ جگر کی وفات پر اشکبار ہیں جب کہ رب کا یہ نیک بندہ اپنے رب کی تقدیر پر راضی ہوتے ہوئے اپنے بیٹے کی جدائی پر ہنس رہا ہے؟ تو اب ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات زیادہ افضل ہے؟ یہی بات جب شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھی گئی تو انہوں نے یہ جواب دیا: "فضیل بن عیاض کا حال یہ نسبت ان لوگوں کے پھر بھی اچھا ہے جو مرنے والوں پر واویلا کرتے اور جزع فزع کرتے ہیں، وہ حال جو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی تقدیر پر راضی رہتے ہوئے میت پر رحمت کا اظہار کیا تو یہ کامل ترین حال ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾(البلد: ۱۷)

"پھر ان لوگوں میں بھی (داخل) ہوا جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت اور (لوگوں پر) شفقت کرنے کی وصیت کرتے رہے۔"

پس رب تعالیٰ نے صبر کی نصیحت اور دوسروں پر شفقت کرنے کی وصیت کرنے کو ذکر کیا ہے۔

(جو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا۔) [1]

سبحان اللہ! علامہ رحمہ اللہ نے کتنی اونچی بات کہی ہے۔ اگرچہ فضیل بن عیاض کا اپنے بیٹے کی وفات پر ہنسا رب کی تقدیر پر؟؟ کا اظہار ہے لیکن اس میں وہ شفقت نہیں پائی جا رہی جس کا رب تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اور وہ ہے ایک والد کی اپنی اولاد پر شفقت۔ جب کہ ہمارے حبیب، حبیب خدا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک فعل اور اسوۂ حسنہ میں رضا بالقضاء کے اظہار کے ساتھ ساتھ اپنی ننھی اولاد پر بے پناہ شفقت و رحمت کا اظہار بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت و رضا دونوں کو جمع کر کے کامل ترین حال کا اظہار فرمایا: کہ نگاہیں پرنم ہیں پر زبان پر شکر و رضا جاری ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک نگاہ اشک بار ہے اور دل مغموم ہے مگر ہم زبان سے وہی کہیں گے جس پر ہمارا پروردگار راضی ہے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر غم زدہ ہیں۔"

بے شک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کامل ترین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سب سے مضبوط و مستقیم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سب سے احسن سنت ہے۔ میرے محترم بھائیو! ایک قابل تعریف مومن وہ ہے جو رحمت اور صبر دونوں کو جمع کرے، لیکن جو حد سے تجاوز کرتے ہوئے سر پیٹے، سینہ کوبی کرے، گریباں چاک کرے، چہرے پر تھپڑ مارے، روئے چیخے چلائے، گریہ و نوحہ کرے واویلا کرے، دہائیاں دے، اور زمین پر لوٹ پوٹ ہو، بے شک وہ کھلی خطا پر ہے اور مخالف شرع ہے۔ کیونکہ یہ سب افعال جاہلیت کے افعال ہیں جو اس مسلمان کے حال کے کسی بھی طرح مناسب نہیں جو رب کی قضاء و قدر پر راضی رہتا ہوا اور اللہ اور اس کی حسن تدبیر پر ایمان رکھتا ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) [1]

"جو شخص (غمی اور موت کے موقع پر) اپنے رخساروں پر تماچے مارے اور (منہ پیٹے اور) گریبان پھاڑے اور اہل جاہلیت کے طریقہ پر واویلا کرے وہ ہم میں سے (یعنی ہمارے طریقے پر) نہیں۔"

بلکہ ایک سچے مسلمان کا حال وہ ہوتا ہے جس کو رب تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴾ (البقرہ: ۱۵۷،۱۵۵)

''اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے، تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو، ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رافت ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔'' ننھے ابراہیم رضی اللہ عنہ جب اس جہان سے رخصت ہوئے تو یہ عجیب واقعہ ہوا کہ اس دن سورج کو گرہن لگ گیا۔ جاہلیت میں لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ سورج اور چاند کو کسی عظیم شخص کے پیدا ہونے یا مرنے کی وجہ سے گرہن لگتا ہے۔ اتفاق سے ننھے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن بھی سورج کو گرہن لگ گیا۔ بس! اب تو لوگوں میں گفتگوؤں کا ایک سلسلہ چل پڑا کہ آج سورج کو ننھے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے غم میں گرہن لگا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تاکہ لوگوں کے اس فاسد عقیدہ کی اصلاح کریں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے انہیں توحید کا درس دینے کے لیے ان میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کو ہم سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کرتے ہیں؛ وہ فرماتے ہیں:

عہدِ رسالت میں خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن سورج کو گرہن لگ گیا اس پر لوگ کہنے لگے کہ آج ابراہیم کے مرنے کی بنا پر سورج کو گرہن لگ گیا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ فَإِذَا رَأَيْتُمْ فَصَلُّوا وَادْعُوا اللَّهَ)) [1]

''سورج اور چاند کو کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا (بلکہ یہ رب تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کی نشانیوں میں سے ہے) پس جب تم ایسا دیکھو تو اللہ کے حضور میں نماز پڑھو اور خوب دعا مانگو۔'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((إِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ)) [1]

''سورج اور چاند یہ دونوں رب کی (قدرت قاہرہ کی) نشانیوں میں سے ہیں انہیں کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا...''

یوں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ثابت کیا کہ احوالِ فلکیہ اور حوادثِ ارضیہ میں کوئی تلازم، تعلق اور علاقہ نہیں۔ اس لیے ایک انسان کو یہ اعتقاد رکھنا کسی طور پر بھی روا نہیں کہ رب تعالیٰ کی قوانین ربانیہ اور سنن طبیعیہ میں کسی کی موت یا حیات کی بنا پر کوئی تغیر واقع ہوتا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ خطرناک اور سنگین امر یہ ہے کہ ان جاہلی اور فاسد اعتقادات نے بے شمار انسانوں میں اس بات کا اعتقاد پیدا کر دیا کہ ان اجرام سماویہ کو انسان زندگی میں تصرف اور اختیار بھی حاصل ہے حتی کہ بعض نے تو یہ تک کہہ دیا کہ ''ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش برسی'' حالانکہ انہیں تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ ''ہم پر اللہ کے فضل ورحمت کی وجہ سے بارش برسی ہے''[2] بے شک ایک سچے مسلمان کا ہمیشہ رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

# سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا

قارئین کرام! آج ہم اہل بیت رسول کی جس عظیم شخصیت کے بارے میں گفتگو کریں گے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہاہیں۔ جنہوں نے اپنے والد ماجد، پیغمبر خدا، نبی مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد نصرت و تائید کی۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی مبارک زندگی کا مطالعہ کرنے والا، سیدہ رضی اللہ عنہا کے حیرت انگیز واقعات پڑھ کر ان کی جرأت ایمانی، دین سے محبت اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت و تائید کے جذبے پر دم بخود رہ جاتا ہے۔ باوجود یہ کہ آپ اپنے خاوند کے ساتھ اپنے گھر میں بڑے اطمینان اور آرام کی زندگی گزار رہی تھیں لیکن پھر بھی آپ نے گھر کے عیش و آرام کو قربان کرکے راہ خدا میں ہجرت کرنے اور ہنستا بستا گھر قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور یہ عظیم قربانی آپ نے صرف اور صرف دین کی نصرت و تائید کے لیے دی۔

میرے محترم قارئین اہل بیت نبوی کی اس عظیم خاتون کی بے مثال قربانی کا قصہ ضرور جاننا چاہیں۔ مگر اس سے پہلے ہم سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں چند ابتدائی معلومات قارئین کی نظر کرتے ہیں:

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے بالاتفاق سب سے بڑی ہیں اور بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ مشرف با سلام ہوئیں اور بدر کے بعد ہجرت کی سعادت حاصل کی۔ اپنے خالہ زاد ابو العاص بن الربیع سے بیاہی گئیں ایک قول یہ بھی ہے کہ جنابِ قاسم رضی اللہ عنہ بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بڑے تھے۔ البتہ سب بہنوں میں آپ بالاتفاق بڑی تھیں۔ ابو العاص آپ کی خالہ ہالہ بنت خویلد کے صاحبزادے تھے۔ نہایت شریف اور سلیم الطبع انسان تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے سے بے پناہ محبت تھی۔ محبت اور احترام کا یہ تعلق زندگی بھر برقرار رہا۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت انہیں ساتھ نہ لا سکے۔ چنانچہ بدر تک اپنے سسرالی گھر میں رہیں۔ ابو العاص ابھی تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو ایک لڑکا اور ایک لڑکی عطا فرمائی۔ لڑکے کا نام علی تھا۔ جن کا بچپن میں ہی لیکن والدہ کی وفات کے بعد انتقال ہوا۔ فتح مکہ کے دن جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کے پیچھے انہیں ہی بٹھلایا ہوا تھا۔ اور لڑکی کا نام امامہ تھا جن کے ساتھ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد نکاح فرمالیا تھا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے شروع ۸ ہجری میں انتقال فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب رسالت ملی تو آپ کی زوجہ مبارکہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی چاروں بیٹیوں سمیت ایمان لے آئیں۔ توحید و رسالت کا اقرار کرکے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت، معاونت و مساندت پر کمربستہ ہو گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں بیٹیوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آنا کوئی حیرت کی بات نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے والد بزرگوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت وبعثت سے پہلے ہی صادق وامین کہلاتے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صاحبزادیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بلا تردد ایمان لے آئیں۔ جب کہ مردوں میں سے ایمان لانے والے کم تھے جن میں سیّدنا ابو بکر صدیق، علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان اور زبری بن عوام رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام شامل تھے۔ ان عظیم شخصیات نے سر ہتھیلی پر رکھ کر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و تائید کی اور قریش مکہ کے سب مظالم کو خوشی خوشی اپنے سینوں پر سہا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہ آنے دی۔ جن دنوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے ابو العاص تجارت کی غرض سے سفر پر تھے۔ واپسی پر مکہ کی فضاء میں ایک زبردست تبدیلی دیکھی کہ اب ہر طرف ایک نئے

دین کے تذکرے اور چرچے تھے جس کی طرف جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دعوت دے رہے تھے۔ ابو العاص نے یہ سب باتیں سنیں ،گھر پہنچے اور اپنی زوجہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے مشرکین مکہ کی باتوں کا تذکرہ کیا۔

تو کیا اس موقعہ پر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا خاوند سے ڈر گئیں؟ نہیں بلکہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پہاڑوں جیسا حوصلہ پیدا کیا اور میدانِ جنگ میں قتال کرنے والے بہادروں جیسی جرأت و دلیری کا مظاہرہ کیا۔ اور اپنے خاوند کو یہ ایمان افروز اور یقین سے بھرپور خبر دی کہ یہ مشرک بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ایک نئے دین کو نازل کر دیا ہے اور میں اس دین پر جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں ایمان لے آئی ہوں۔

پھر سیّدہ زینب نے جرأت کے اس باب کو یہیں پر ہی بند نہیں کر دیا۔ بلکہ پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنے خاوند کو بھی ایمان کی دعوت دی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت ابو العاص نے ایمان قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بت پرستی پر، کفارِ مکہ کے قدیمی دین پر جمے رہے۔ اور قومی عصبیت سے لبریز یہ جواب دیا کہ: ”مجھے یہ گوارا نہیں کہ لوگ یہ کہیں کہ تیرے خاوند نے اپنی قوم کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور اپنی بیوی کی خوشی کی خاطر اپنے باپ دادوں کا انکاری بن بیٹھا۔“ وقت گزرتا گیا، مکہ کی فضاؤں میں ہجرت کے چرچے ہونے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے مکہ کے گلی کوچے اہل ایمان سے خالی ہو گئے۔ اب کئی گھر، گلیاں، محلے اور علاقے ویران پڑے تھے، صرف وہی لوگ رہ گئے تھے جو کمزور، بے بس، بوڑھے، بچے یا عورتیں تھیں۔ جن میں سے ایک سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ اہل ایمان کی ہجرت کفارِ مکہ کے دلوں پر کاری ضرب اور گہرا زخم لگا گئی جس کی تلخی اور ٹیس کا احساس کم ہونے میں نہ آرہا تھا۔ اس تلخی نے نفرت اور نفرت نے انتقام کا اور انتقام نے جنگ کا روپ دھار لیا۔ اور جنگ بدر کا عظیم واقعہ منصہ شہود پر ظاہر ہوا۔ اس جنگ میں ابو العاص کفار کی صف میں کھڑے تھے جب کہ ابو العاص اپنی اہلیہ کو دو بچوں سمیت مکہ چھوڑ آئے تھے۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے چلتے وقت روکنے کی بڑی کوشش کی پر ابو العاص نہ مانے۔ تقدیر کا لکھا غالب آیا، جنگ قدر کا پلڑا مسلمانوں کے حق میں جھکا ہوا۔ اسلام کو فتح نصیب ہوئی، بڑے بڑے سردار مارے گئے، نخوت و غرور کے کئی بت زمین بوس ہوئے، اور ستر کے قریب مشاہیر و ابطال گرفتار ہوئے۔ ان ناموروں میں ابو العاص بھی شامل تھے۔ شکست کی خبر مکہ کی وادی پر بجلی بن کر گری گھر گھر میں کہرام مچ گیا، سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ مرنے والوں کو روئیں یا اسیروں پر ماتم کریں۔ جلد ہی فیصلہ کر لیا گیا کہ پہلے قیدیوں کو چھڑانے کا بندوبست کیا جائے۔ اور فدیہ کی رقموں کا انتظام کر کے ایک وفد مدینہ منورہ روانہ کیا گیا۔ دوسروں کے ساتھ ساتھ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے گرفتار خاوند کی فکر دامن گیر تھی۔ آپ نے بھی فدیہ میں مال بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جس کے ساتھ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد نازک اور حساس یادیں وابستہ تھیں۔ کیونکہ یہ ہار سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا جو انہوں نے بیاہ کے موقعہ پر اپنی لختِ جگر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو پہنایا تھا۔ فدیہ کی رقوم میں وہ ہار دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا اور آپ کا دل بھر آیا اور آب دیدہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حکم نبوت کے آگے سر تسلیم خم کر دیے اور ابو العاص کو چھوڑ دیا گیا۔ اور وہ ہار بھی واپس کر دیا البتہ ابو العاص سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ مکہ لوٹ کر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مکہ پہنچ کر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے بھائی کنانہ کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔[1]

اب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ میں جب کہ ابو العاص مکہ میں رہنے لگے۔ اس تمام عرصہ کے دوران نہ تو ابو العاص نے شادی کی اور نہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب کا نکاح ہی کسی اور سے کیا۔ فتح مکہ سے قبل ابو العاص شام سے تجارتی قافلہ کے ساتھ لوٹ رہے تھے۔ آپ کی از حد امانت و دیانت کی بنا پر قریش مکہ کی متعدد امانتیں بھی آپ کے پاس تھیں۔ رستے میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کے ایک دستے سے سامنا ہو گیا۔ اس دستے نے قافلہ کا سارا مال و متاع چھین لیا۔ اہل قافلہ نے بھاگ کر جان بچائی، جن میں خود ابو العاص بھی تھے۔ ابو العاص کو جان سے زیادہ قریش مکہ کی امانتوں کی فکر تھی۔ انہیں سوائے اس کے اور کوئی رستہ نظر نہ آیا کہ چھپ کر مدینہ جا پہنچے اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ لے لیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ابو العاص کے آنے کی خبر ملی تو تشریف لائے اور اپنی بیٹی کو ارشاد فرمایا: "بیٹی اپنے مہمان کی خوب خاطر داری کرنا۔" [1]

سبحان اللہ! کیا یہ کسی عام آدمی کے اخلاق ہو سکتے ہیں؟ بے شک یہ پیغمبروں کے اخلاق ہیں، یہ عظیم ترین لوگوں کے اخلاق ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ: "تم سے خلوت نہ کرنے پائیں کیونکہ جب تک یہ مشرک تھے تم اس کے لیے حلال نہیں ہو۔" اس کے بعد جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ان سے لوٹے ہوئے مال کو واپس کرنے کی بابت مشورہ کیا اور فرمایا: "اس شخص کا ہمارے ساتھ جو تعلق ہے، تم لوگوں نے ان صاحب کا مال لوٹا ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو وہ مال اسے لوٹا دو، کہ یہ بات مجھے پسند ہے اور اگر تم لوگ نہیں مانتے تو بے شک یہ ملِ غنیمت ہے جو اللہ نے تم کو دیا ہے اور تم لوگ اس مال کے زیادہ مستحق ہو۔" یہ ارشاد سنتے ہی سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق ابو العاص کا سارا مال واپس کر دیا۔ ابو العاص وہ مال لے کر مکہ پہنچے، ہر ایک کی امانت اس تک پہنچائی اور بعد میں کلمہ پڑھ کر اپنے اسلام لے آنے کا اعلان کر دیا اور کہا: "میں اب تک فقط اس لیے مسلمان نہ ہوا تھا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ میں نے تم لوگوں کا مال کھانے کی خاطر ایسا کیا ہے۔ پس جب اللہ نے تمہارے اموال تم تک پہنچا دیے اور میں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا تو مسلمان ہو گیا۔" پھر ابو العاص اپنا سامان سمیٹ کر مدینہ ہجرت کر آئے۔ سیدھے مسجد نبوی پہنچے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے واپس آنے کی بے حد خوشی ہوئی۔ اور یہ خوشی ابو العاص رضی اللہ عنہ کے ایمان لے آنے سے اور بھی زیادہ ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح دوبارہ ابو العاص سے کر دیا۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نکاح کو ہی برقرار رکھا۔[1]

اور اب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے ساتھ نئے سرے ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگیں۔ اور آپ دونوں کو اسلام نے دوبارہ اکٹھا کیا تھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ آپ کے دونوں لختِ جگر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا امامہ رضی اللہ عنہ آپ کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ کچھ عرصہ بعد سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بیمار پڑ گئیں اور مرض بڑھتا چلا گیا اس مرض نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو صاحب فراش کر دیا۔ مرض طویل ہو گیا اور بالآخر اس مرض نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی جان لے لی۔ یہ حادثۂ جانکاہ ۸ھ کے آغاز میں پیش آگیا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سب سے بڑی بیٹی کے وفات پا جانے کا بے حد غم ہوا اور جناب ابو العاص رضی اللہ عنہ بھی اپنی انتہائی نیک اور فرمانبردار و عبادت گزار بیوی کے وفات پا جانے پر کچھ کم اداس نہ تھے۔ پھر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بعد ابو العاص کا جی بھی اس دنیا میں زیادہ دیر تک نہ لگ سکا اور سیدہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے چار سال بعد ابو العاص رضی اللہ عنہ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ میرے عزیز بھائیو اور بہنو! سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی مبارک زندگی عبرت و نصیحت سے معمور تھی۔ آپ نے رب تعالیٰ کی رضا کو شوہر کی رضا پر مقدم رکھا اور اللہ کے دین اور اللہ کے پیغمبر کی محبت پر اپنے خاوند کی محبت کو قربان

کر دیا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہانے اگرچہ خاوند کے کفروشرک کے باوجود اس کا ساتھ دیا لیکن آپ کا یہی ساتھ دیناخاوند کے اسلام لے آنے کا سبب بن گیا۔ آج ہم میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جن میں کوئی جرأت ایمانی نہیں۔ اور وہ اتنے حوصلے کے مالک نہیں کہ آگے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کی طاعت کو مخلوق کی طاعت پر غالب کر دیں۔ اور اللہ کی رضا کو شخصی حاجات اور دنیاوی مصلحتوں اور مفادات پر مقدم رکھیں۔

لیکن جو لوگ عظیم ہوتے ہیں۔ ان کی شان ہی نرالی ہوتی ہے: ع

جن کے رتبے ہیں سوا، ان کو سوا مشکل ہے

## سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے نفس پر رسالت محمدیہ کی پہلی پہلی کرنیں پڑیں جنہوں نے ان کے باطن کو منور، روشن، منزہ اور پاک صاف کر دیا۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نفس ہدایت وایمان کے نور سے جگمگا اٹھا۔ اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اہل تقویٰ اور ایمان کے کارواں سے جاملیں۔

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بعد اس وقت پیدا ہوئیں جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عمر مبارک کے تینتیسویں سال میں قدم رکھ چکے تھے اور ابھی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز نہ ہوئے تھے۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہانے اپنی پیکر عفت وطہارت ماں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صفات و خصوصیات اور خصائل وشمائل سے بے پناہ حصہ پایا۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اس بے مثال قیمتی اور نفیس موتیوں کے ہار کا ایک دانہ تھیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک گھرانے کا قیمتی ترین اثاثہ تھا۔ اور یہ وہ بیت نبوت ہے جس کو ہر قسم کی ظاہری وباطنی میل کچیل سے دور کرکے بالکل پاک صاف کر دینے کا خود رب تعالیٰ نے ازل سے فیصلہ فرمایا ہوا تھا۔ تو پھر اے مخاطب تونے دیکھا!! بیت نبوت کا یہ قیمتی جوہر کیسا تھا؟ اے مخاطب! کیا تم نے اس کی کوئی خبر سنی؟ کیا اس گوہر آبدار سراپا طاعت ورضا، تسلیم وانقیاد، زہد وعبادت اور عفت وکفایت کے صبر وثابت کی کوئی داستان تیری سماعتوں سے ٹکرائی؟ کیا تونے اس عفیفہ، طاہرہ، منزہ ساجدہ، عابدہ، زاہدہ، تقلیہ ، صوامہ، قوامہ اور مومنہ کے ایمان اور جہاد کا کوئی قصہ سنا؟ اگر نہیں، تو آج ہم اسی پاکیزہ ہستی اور آلِ بیت رسول کی عظیم شخصیت پر گفتگو کرکے اپنے دل کو روشن اور ایمان کو منور کریں گے!!!

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں، آپ نے دونوں ہجرتیں کیں اور مہاجرہ عظیمہ کہلائیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ اپنے زمانے کی شریف ترین اور بے حد معزز خاتون، زوجہ رسول، خیر النساء، فضل عظیم کی مالک اور اونچے مقام کی سزاوار سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہماہیں۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے والد ماجد، خیر البشر خیر البریہ امام الانبیاء والمرسلین حتمی مرتبت جناب محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر والدہ ماجدہ اور دیگر اہل بیت رسول کے ساتھ ایمان لے آئیں۔ اور جب دوسری عورتوں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی آپ نے بھی والد ماجد حبیب خدا، پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر ایمان وتوحید اور رسالت ونبوت کے اقرار کی بیعت کرلی۔[1]

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں کا نکاح بچپن میں ہی ابو لہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہو گیا۔ چنانچہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ سے اور سیّدہ ام کلثوم کا نکاح عتیبہ سے ہو گیا تھا۔[2] وہ یوں کہ ابو لہب عبد العزیٰ بن عبد المطلب نے جب اپنے دونوں بیٹوں کے لیے پیغام بھیجا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرمالیا کہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد تھے۔ یاد رہے کہ ابھی نکاح ہی ہوا تھا اور نوبت رخصتی تک نہ آئی تھی۔

یہ دونوں نکاح زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے۔ چنانچہ جلد ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ رسالت سے نبوت سے سرفراز ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو دین توحید کی طرف پورے ایمان اور قوت کے ساتھ بلانا شروع کر دیا۔ جس پر سارے قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان لوگوں نے اسلام کی راہ میں حائل ہونے اور رکاوٹیں ڈالنے کے لیے مکر و فریب کا ہر حیلہ آزمایا۔ چنانچہ سب سے پہلے ان بدبختوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو گھر کی طرف سے پریشان کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر ابو لہب اٹھا اور اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر کہا: "میرا تمہارا ہر قسم کا تعلق ختم اور میرا تمہارے ساتھ کھانا پینا اور سونا سب حرام اگر تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی۔" دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل میں رخصتی سے قبل ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔[1]

یہ کیسی سنگ دلانہ اور ظالمانہ طلاق تھی، جو کسی وجہ کے بغیر دے دی گئی۔ بے شک یہ بے حد گراں صدمہ تھا لیکن سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے دین حق اور پیغمبر والد کی نصرت وحمایت کی راہ میں اس جانکاہ صدمے کو بھی کمال صبر سے برداشت کیا۔ طلاق کے بعد سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا والد ماجد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہی رہیں اور دعوت کی راہ میں پیش آنے والے مصائب و شدائد میں والد ماجد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتی رہیں۔ اور اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا اور دوسری بہنوں کے ساتھ مشرکین مکہ سے ملنے والی تکلیفوں اور اذیتوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم بٹاتی رہیں۔ رب تعالیٰ نے اس صبر واستقامت پر آپ کو عتبہ سے کہیں بڑھ کر بہتر، نیک، متقی، صالح، کریم، خوبرو وجیہہ اور مبشر بالجنۃ (جس کو جنت کی بشارت دی گئی) خاوند دے دیا۔ جی ہاں! یہ خلیفہ راشد، امیر المومنین سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کے بعد اپنی لاڈلی بیٹی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔ جب مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ کیونکہ وہاں کا بادشاہ نجاشی بے حد عادل تھا جو کسی کے ساتھ ظلم نہ کرتا تھا۔ اجازت ملنے پر ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کی اہلیہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے ہجرت کی۔[2]

حبشہ ہجرت کر جانے کے بعد کچھ دنوں تک دونوں کی کوئی خبر نہ ملی۔ ایک دن ایک عورت نے آکر بتلایا کہ میں نے ان دونوں کو حبشہ میں دیکھا ہے، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دیتے ہوئے فرمایا: "اللہ ان دونوں کے ساتھ ہو کہ عثمان جناب لوط علیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے جس نے (راہِ خدا میں) اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی ہے۔"

حبشہ پہنچ کر دونوں سکون واطمینان سے رہنے لگے، وہیں رب تعالیٰ نے سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو اولادِ نرینہ سے بھی نوازا جس کا نام "عبد اللہ" رکھا۔ اسی کے نام پر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ابو عبد اللہ کہلاتے تھے۔ عبد اللہ چھ سال تک زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔ جن کے انتقال کی قدرے تفصیل ذیل میں آگے درج کی جاتی ہے۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو رب تعالیٰ نے بے پناہ حسن و جمال سے نوازا تھا۔ مکہ میں ایسا حسین و جمیل کوئی دوسرا جوڑا نہ تھا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خاندان کی بعض عورتوں نے اس جوڑے کی شان میں ایک قصیدہ بھی کہا تھا۔ جس کے بعض اشعار زرقانی نے نقل کیے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد حبشہ میں یہ جھوٹی خبریں پہنچیں کہ اب مکہ میں مشرکوں کے ظلم و ستم کا زور ٹوٹ چکا ہے اور بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر متعدد مہاجرین کے دل مکہ لوٹنے کے لیے بے قرار ہو گئے۔ دوسروں کے ساتھ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند کے ساتھ واپسی کے لیے تیار ہو گئیں۔ مکہ پہنچتے ہی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو سب سے پہلے یہ خبر ملی کہ آپ کی اور پوری امت مسلمہ کی ماں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رحلت فرما چکی ہیں۔ لیکن آپ نے صبر کیا۔ کمال صبر کیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ہی مسلمانوں کی جماعتوں کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئیں۔ مدینہ منورہ میں سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا انصار کے قریب جا بسیں۔ مگر یہاں پہنچ کر ایک اور آزمائش آپ کی راہ دیکھ رہی تھی۔ وہ یہ کہ یہاں آکر آپ کے اس بیٹے کا چھ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا جو حبشہ میں پیدا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرغے نے ٹھونگ مار کر ان کا چہرہ زخمی کر دیا تھا جس سے وہ سوج گیا۔ پھر وہ بیمار پڑ گئے۔ اور بالآخر اسی بیماری نے ان کی جان لے لی۔[1] اے عبد اللہ! اے نواسہ رسول! اللہ تجھ سے راضی ہو۔ عبد اللہ کے انتقال پر ہر ایک کی نگاہ پرنم تھی۔ ان کے فراق پر سب کے دل مغموم تھے مگر سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے لخت جگر کی وفات پر کامل صبر کیا اور رب سے اجر کی امید رکھی۔ غالباً عبد اللہ کے بعد سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی دوسری اولاد بھی پیدا نہ ہوئی تھی۔ اگرچہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے قبلِ اسلام سے لے کر بچے کے انتقال تک سب مصائب کو سہا اور ان پر صبر کیا لیکن بالآخر انہی غموں نے آپ کو نڈھال کر دیا۔ اور بدنِ مبارک پر ضعف و مرض کے سائے پڑنے لگے۔ اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو خسرہ لاحق ہو گیا۔[1] اور آپ صاحب فراش ہو گئیں۔ آپ کے کریم و شفیق شوہر آپ کی عیادت اور تیمار داری میں مصروف ہو گئے۔

اسی دوران جنگ بدر کا قصہ پیش آگیا۔ روانگی کے وقت سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت بے حد خراب تھی اس لیے آپ کی تیمار داری اور دیکھ بھال کے لیے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جنگ میں شرکت سے روک دیا اور وہ مدینہ میں ہی ٹھہر گئے۔ افسوس کہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ والدہ ماجدہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بیٹیوں میں سے سب سے پہلے سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے ہی وفات پائی۔ اور یہ کیسی عجیب جدائی تھی کہ والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا حبشہ میں تھیں اور آخری لمحات میں ماں اور بیٹی دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر نگاہیں ٹھنڈی نہ کر سکیں اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا صبر کر کے دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ جب کہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت آپ کے شفیق ترین باپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس نہ تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جنگ بدر میں اپنے صحابہ کے ساتھ رب کا کلمہ بلند کرنے میں مشغول تھے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے دفن میں بھی شریک نہ ہو سکے۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو آنسوؤں کی چھاؤں میں قبرستان بقیع میں دفن کر دیا گیا۔ اور ابھی آپ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے

مسلمانوں کو بدر میں فتح کی عظیم خوشخبری دی۔[2] جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب واپس آکر اپنی نورِ نظر لختِ جگر سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کر جانے اور دفن ہو جانے کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بے حد صدمہ ہوا۔ چل کر قبر پر تشریف لے گئے اور فرطِ غم سے اس قدر روئے کہ آنسو مبارک قبر کی مٹی کو تر کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوب بیٹی کے لیے بے حد دعا کی اور تمام اہل مدینہ نے بھی دعا کی۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی عمر انتقال کے وقت بیس سال تھی۔

رب تعالیٰ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پر رحم فرمائے کہ باپ کی بے حد محبوب بیٹی تھی اور اپنے خاوند کے حق میں بہترین بیوی بھی۔

رضی اللّٰہ عنہا وارضاھا

## سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا پر گفتگو کسی غیر معروف خاتون کے بارے میں گفتگو نہیں۔ بلکہ یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اولاد کے بارے میں گفتگو ہے جو بیت نبوت و شرافت کی دخترِ نیک اختر ہے۔ یہ سارے انسانوں کے سردار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں جن کے خاوند مبشر بالجنہ تھے جن کو دربارِ رسالت سے "ذوالنورین" کا مؤقر لقب ملا۔ جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں یہ شرف حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو لختِ جگر ان کے نکاح میں آئیں۔ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اولادِ آدم کے سردار جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں۔ اللہ کے حکم سے آج ہم ان کی سیرت کے مبارک تذکروں سے قلم و قرطاس کو منور و معطر، دلوں کو روشن اور روح و احساس کو فروزاں کریں گے۔ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ بعثت سے قبل پیدا ہوئیں اور اسلام ہی کی آغوش میں ہوش سنبھالا۔ گزشتہ میں بتلایا جا چکا ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی چاروں بیٹیوں سمیت جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی تھیں۔

یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ہجرت سے قبل ابو لہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا۔ جنہوں نے دعوتِ اسلام سے خار کھاتے ہوئے باپ کے حکم پر آپ کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دے دی تھی۔

بعض سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عتیبہ جنابِ رسول اللہ کو ستایا کرتا تھا۔ اور ایک مرتبہ اس بدبخت نے یہاں تک جسارت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان چاک کر دیا۔ اس گستاخی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتیبہ کو بد دعا دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِنْ کِلَابِکَ))

"اے اللہ! اس پر اپنے کتوں (یعنی درندوں) میں سے کوئی کتا (درندہ) مسلط فرما۔"

گزشتہ میں حواشی میں یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ ابو لہب کی اولاد میں سے صرف عتیبہ ہی وہ بدبخت تھا جو شرک میں مرا تھا۔ اس نے فقط سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے پر ہی اکتفاء نہ کیا تھا بلکہ طلاق دینے کے بعد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یہ کہا کہ: ''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا منکر ہوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو طلاق دے دی ہے اور وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ یہ کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا اور پیراہن چاک کر دیا۔ جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مذکورہ بالا بد دعا فرمائی۔'' ابو لہب کو جب اس بد دعا کا علم ہوا تو گھبرا گیا اور اسے بیٹے کی جان کی فکر ہوئی۔ چند دنوں بعد دونوں باپ بیٹے ملک شام تجارت کی غرض سے گئے۔ قافلے نے مقام زرقاء پر پڑاؤ ڈالا۔ لوگوں نے بتلایا کہ یہاں رات کو شیر آتے جاتے ہیں۔

ابو لہب کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا یاد آگئی۔ اس لیے اس نے عتیبہ کی حفاظت کی خوب تدبیر کی۔ وہ یوں کہ سارے قافلے کے سامان کو ایک ڈھیر کی شکل میں اکٹھا کر کے اس کی چوٹی پر اپنے بیٹے عتیبہ کو سلایا۔ لیکن یہ سب تدبیریں خالی گئیں اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا خالی نہ گئی۔ چنانچہ شیر رات کو آیا اور وہ سب قافلہ والوں کے چہرے دیکھتا اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ تک پہنچا تو فوراً اس کا سر چبا لیا۔ عتیبہ نے وہیں جان دے دی اور شیر جنگل میں اور عتیبہ جہنم میں گم ہو گیا۔[1]

اگرچہ اس قصہ کی سند میں اور ثبوت میں کلام ہے لیکن اس قدر بات ضرور ثابت ہے کہ ابو لہب کی اولاد میں سے صرف عتیبہ ہی کفر اور شرک پر مرا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ میں بیان ہوا۔ عتیبہ کے منحوس تذکرے کے بعد ہم دوبارہ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے معطر تذکرے کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس ظالمانہ طلاق کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے وفات پا جانے کے بعد سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔

نکاح سے قبل سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنی بہن سیّدہ فاطمۃ الزہرا کے ساتھ مکہ میں ماں اور باپ کے ساتھ رہنے لگیں کیونکہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تو حبشہ ہجرت کر گئیں تھیں۔ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے مشرکین مکہ کی ان ایذاؤں کو برداشت کیا جن کا سامنا پہلے ایمان لے آنے والوں نے کیا تھا۔ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان سب تکالیف، ایذاؤں اور ظلموں کے سامنے صبر و تحمل کا کوہِ گراں بن کر کھڑی رہیں اور مصائب و آلام کی تلخیوں کو ہنسی خوشی پی گئیں۔ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے شعب ابی طالب کے سخت ترین مقاطعہ کو بھی برداشت کیا جو کفارِ مکہ نے بنو ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ کیا تھا۔ اس مقاطعہ میں اہل ایمان نے تکلیف و ایذاء کی بے پناہ شدتوں کو برداشت کیا، مسلسل فاقے کاٹے، بھوک پیاس کی شدتیں جھیلیں۔ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا دوسرے اہل ایمان کی طرح مجسم صبر اور سراپا شکر بن کر یہ وقت کاٹتی رہیں سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا دیکھ رہی تھیں کہ مصائب و شدائد کی شدتوں نے والدہ ماجدہ کی کمر توڑ کے رکھ دی ہیں اور بالآخر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں۔ یہ عظیم مجاہدہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں اور ان دو عظیم مجاہدہ سیّدہ ام کلثوم اور سیّدہ فاطمۃ الزہراء نے اس عظیم حادثہ کو بے پناہ صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کیا، اور فراق کے اس الم کو قلب و جگر پر ثواب کی امید پر جھیلا اور اپنے بے حد مغموم، افسردہ باپ سید البشر جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری غم گساری کی۔ شعب ابی طالب کی سختیوں، والدہ ماجدہ کی وفات اور پھر ابو طالب کی انتقال کے بعد کفار اشرار کی جرأتوں میں اور اضافہ ہو گیا اور اب وہ بے مہار ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے لگے۔ مسلمانوں کی شدت اور تکلیف کو دیکھتے ہوئے انہیں مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کی اجازت مل گئی۔ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دونوں بیٹیوں ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اپنی دوسری بیوی سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے پاس مکہ چھوڑ کر پہلے خود مدینہ ہجرت کر گئے۔[1]

پھر زید بن حارثہ کو بھیج کر دونوں بیٹیوں اور آلِ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی مدینہ منورہ بلوا لیا۔ دونوں بیٹیوں نے از حد شوق کے ساتھ راہِ خدا میں ہجرت کی اور مکہ جیسا وطن چھوڑ کر دارالہجرت مدینہ منورہ چلی آئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر زبردست استقبال کیا اور اپنے گھر میں اتارا۔ یہ وہ حجرے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر کے ساتھ اپنے اہل کے لیے بنوائے تھے۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاوّل ۳ھ میں سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ جس کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ "ذوالنورین" کہلانے لگے۔ یہ وہ عزت تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا۔ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے نیک ترین خاوند کے ساتھ سعادت بھری زندگی گزارنے لگیں اور اپنی آنکھوں سے اسلام کی ترقی کا نظارہ کرنے لگیں۔ اور آپ اپنے خاوند کی اسلام کے لیے بے مثال اور بے پناہ خدمات بھی دیکھ رہی تھیں۔ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے چھ سال جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گزارے۔ اس دوران آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔[1]

پھر سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بیمار پڑ گئیں اور بیماری نے صاحب فراش کر دیا۔ کچھ عرصہ بیمار رہ کر شعبان ۹ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔[2] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے انتقال کا بے پناہ دکھ ہوا۔ ام عطیہ کو غسل دینے کا اور طاق تعداد میں غسل دینے کا حکم دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن کے لیے اپنی تہبند مرحمت فرمائی۔ تدفین کے بعد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغموم اور پرنم نگاہوں کے ساتھ اپنی اس عزیز ترین اور بے نفسی و قیمتی بیٹی کی قبر پر کھڑے رہے۔ بخاری کی روایت میں سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (یعنی ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ نگاہوں سے آنسو جاری ہیں۔"

سبحان اللہ! یہ ایک شفیق باپ کی اپنی بیٹی پر بے پناہ شفقت اور رحمت تھی۔ پھر فرمایا:

((هَلْ مِنْكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ))

"کیا تم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جس نے گزشتہ شب صغیرہ کبیرہ کوئی گناہ نہ کیا ہو۔"

بعض نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بیان کیا کہ: "جس نے گزشتہ شب اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہ کیا ہو۔"

اس پر ابو طلحہ نے عرض کیا: جی میں "تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اترو" یعنی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر میں اترو۔ چنانچہ وہ اترے۔[1]

یعنی انہوں نے قبر میں اتارا۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹیوں سے کس قدر پیار تھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فراق میں رو پڑے البتہ اس رونے میں نوحہ اور واویلانہ تھا۔ بلکہ اس میں رب کی قضاء و قدر پر صبر اور اولاد پر رحمت کا اظہار تھا۔ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو دفنانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے جو بے حد مغموم اور رنجیدہ بیٹھے تھے کیونکہ انہیں جہاں اپنی محبوب بیوی کی جدائی کا رنج تھا وہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتۂ مصاہرت کے ختم ہو جانے کا غم بھی تھا۔ انہیں اس حال میں دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ كُنَّ عَشْرًا لَزَوَّجْتُهُنَّ عُثْمَانَ)) [2]

"اگر دس بھی ہوتیں (یعنی اگر میری دس لڑکیاں بھی ہوتیں) تو میں ان سب کو (یکے بعد دیگرے) عثمان کی زوجیت میں دیتا رہتا۔"

اللہ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا پر رحم فرمائے، بڑی نیک بیوی، بیٹی اور مجاہدہ تھیں۔

اور اللہ ہمیں ان کے ساتھ جنت میں اکٹھا کرے۔ اور ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کی محبت نصیب فرمائے۔ رضی اللّٰہ عنہم اجمعین

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور پھوپھی

## سیّدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

آج ہم اسلام کے عظیم بہادر اور اس امت کے زبردست مجاہد کا تذکرہ کریں گے جو "اللہ اور اس کے رسول کے شیر" (اسد اللہ ورسولہ) کے پر ہیبت لقب کے ساتھ نوازے گئے۔ اور جب بھی صرف "اسد اللہ" کہا جاتا ہے ذہن کو کسی اور طرف جانے کی جرأت نہیں ہوتی اور سننے والے کا خیال صرف عظیم بہادر مجاہد کبیر حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب ہی کی طرف جاتا ہے۔ جی ہاں! یہ امام بطل، ہیبت ناک شیر ابو عمارہ، ابو یعلی، قرشی ہاشمی مکرّم مدنی بدری شہید ہیں۔ سیّدنا حمزہ بن عبد المطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی۔ نبوت کے دوسرے سال ایمان لے آئے۔ آپ کا قبولِ اسلام دین و ایمان کی نصرت و حمایت کے ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ رب تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے آپ کو عزت دی اور آپ کے ذریعے اسلام کو سر بلند کیا۔ آپ کے اسلام لاتے ہی کمزوروں اور بے بسوں کی تنگی اور شدت کا دور ختم ہو گیا۔ اور مسلمان مکہ کی گلی کوچے میں اس ناز کے ساتھ پھرنے لگے کہ ہاں اب اس وادی میں کوئی ہمارا بھی حمایتی اور طرف دار ہے جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی کسی کو ہمت نہیں۔ اور اب لوگ اسلام میں بے خوف و خطر داخل ہونے لگے اور رب تعالیٰ کے اس شیر نے اپنی بطولت وبسالت کے ثمرات اپنی آنکھوں سے دیکھنے شروع کر دیے سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام نے دعوت کے رستے کو کھول دیا۔ مناسب ہے کہ اس موقعہ پر سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لے آنے کے ایمان افروز واقعہ کو بھی ذکر کر دیا جائے۔ ایک مرتبہ اس امت کا فرعون صفا کے مقام پر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے پاس سے گزرا اور حسب عادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستا گیا اور منہ پر بے حد برا بھلا کہہ گیا اور نجانے جہنم کے کتنے عذاب اپنے دامن میں سمیٹ لے گیا۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس بدبخت نے پتھر مار کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بھی زخمی کر دیا۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کی یہ ساری بدتمیزی بے حد صبر سے برداشت کی اور خاموش رہے اور اسے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی گستاخی اور شوخی سے بے حد رنجیدگی ہوئی۔ سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شکار کے شوقین تھے۔ اس دن شکار کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر آپ کی باندی نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ عبد اللہ بن جدعان کی باندی نے یہ سارا منظر صفا پہاڑی کے اوپر سے دیکھا تھا جہاں وہ رہتی تھی۔ شکار سے واپسی پر جب جناب حمزہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں کمان تھامے آ رہے تھے تو اس باندی نے آپ کو یہ سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے پناہ محبت تھی۔ یہ سنتے ہی طیش میں آ گئے۔ سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کے بہت بہادر فرزند اور بڑے خود دار تھے ابو جہل کے پاس پہنچے۔ ابو جہل مسجد حرام میں محفل لگائے بیٹھا اپنی کمینگی کا قصہ سنا رہا تھا اور حاضرین سے داد وصول کر رہا تھا۔ آپ کسی کے پاس بھی نہ رکے اور سیدھے ابو جہل کے سر پر جا پہنچے۔ اور ہاتھ میں پکڑی کمان زور سے اس کے سر میں دے ماری اور گرج دار آواز میں یہ کہا: "کیا تو میرے بھتیجے سے بد زبانی کرتا ہے حالانکہ میں اس کے دین پر ہوں؟ اس پر ابو جہل کے قبیلہ کے بھائی بند بنو مخزوم اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر بنو ہاشم جنابِ حمزہ رضی اللہ عنہ کے شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے۔ معاملہ سنگین اور صورتِ حال گھمبیر ہو گئی۔ ابو جہل کو معاملہ سنبھالنے میں ہی عافیت نظر آئی اور فوراً رفع دفع کرتے ہوئے کہنے لگا: ابو عمارہ کو کچھ نہ کہو (غلطی میری ہے) کیونکہ میں نے واقعی ان کے بھتیجے کو بے حد برا بھلا کہا ہے۔"

اگرچہ اس وقت سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ غیرت کی بنا پر اسلام کا اظہار کر بیٹھے تھے لیکن بعد میں مرتے دم تک اسلام کو خوب نبھایا۔ رب تعالیٰ نے آپ کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ آپ نے اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھاما اور مسلمانوں کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔[1]

اسلام لانے کے بعد سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خاطر وہ وہ قربانیاں دیں جن کو سونے کے پانی سے اور نور کے الفاظ کے ساتھ لکھا جانا چاہیے، تاریخ نے اپنے سینے میں ان عبرت آموز واقعات کو قیامت تک کی نسلوں کے لیے محفوظ کر لیا ہوا ہے تاکہ وہ اپنے اسلاف کی زندگیوں کو نمونہ بنا کر کامیابیوں اور ترقیوں کی انہیں منزلوں تک پہنچ سکیں جہاں تک ان کے اسلاف پہنچے ہیں۔ ہم اگر رکن اور مقام کے درمیان کھڑے ہو کر بھی اس بات کی قسم اٹھائیں تو جھوٹے نہ ہوں گے کہ: "انسانیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے عظیم، عادل، بہادر طاقتور، قربانی دینے والے اور صدق وایمان والے لوگ نہیں دیکھے۔" رضی اللّٰہ عنھم ارضاہم اجمعین

سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لے آنے کے ایمانی ثمرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلاف میں دشمنوں کے مقابلہ میں نکلنے والے سب سے پہلے سریہ کی قیادت جنابِ حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہی ہاتھوں میں تھی۔ اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے لیے سب سے پہلا پرچم جس بطل جلیل کے لیے باندھا وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر سیّدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ تھے۔ غزوہ بدر میں جو اسلام کا سب سے پہلا اور ممتاز ترین غزوہ ہے آپ نے جرأت وشجاعت کی نئی داستان رقم کی۔ اور بہادری وجانبازی کے وہ جوہر دکھلائے جن کی مثل اور نظیر لانا ممکن نہیں۔

تِلْکَ الْمَکَارِمُ لَا قَعْبَانَ مِنْ لَبَنٍ ہٰذَا

وَ ہٰکَذَا السَّیْفُ لَا سَیْفَ ابْنِ ذِیْ

وَ ہٰکَذَا یَفْعَلُ الْاَبْطَالُ اِنْ غَضِبُوْا

وَ ہٰکَذَا یَعْصِفُ التَّوْحِیْدَ بِالْوَثَنِ

غزوۂ احد میں آپ نے جس بہادری کے ساتھ کفار اشرار کی صفوں کو درہم برہم کیا اس کی داستان بیان کرتے ہوئے سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "احد کے دن سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں ہاتھوں میں تلواریں لیے ہوئے ہمت و استقامت کا کوہِ گراں بن کر کھڑے تھے اور یہ فرماتے جارہے تھے: "میں اللہ کا شیر ہوں۔"

سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ مجاہد فی سبیل اللہ بن کر لا الہ الا اللہ کی سربلندی کے لیے کبھی میمنہ تو کبھی میسرہ کے محاذ پر لڑتے آپ کفار کے سروں کو ان کے تنوں سے جدا کر رہے تھے، ان کی صفیں الٹ رہے تھے، اور اکیلے ہی انہیں دھکیل دھکیل کر پرے کر رہے تھے۔ رب کا یہ شیر دھاڑنے اور ڈرانے میں لگا تھا کہ اسی دوران ایک شخص ایک چٹان کی اوٹ میں آپ کی گھات میں چھپا بیٹھا تھا۔ وہ نہایت معمولی انعام کے لالچ میں آپ کو قتل کرنے کا عزم لے کر میدانِ احد میں کفارِ مکہ کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ یہ جبیر بن مطعم کا غلام وحشی بن حرب تھا۔ اس نے وحشی کو آزادی کا لالچ دے کر یہ مشن سونپا تھا کیونکہ جنگ بدر میں جبیر کا چچا طعیمہ بن عدی جنابِ حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا تھا۔ اس وقت سے جبیر کے دل میں نفرت و انتقام کی آگ جل رہی تھی۔ وحشی یہ ارادہ لے کر میدان میں تو چلے آئے لیکن آمنے سامنے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر تلواریں ٹکرا کر لڑنے کی ہمت نہ تھی۔ جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کی جرأت، طیش، غضب اور تلوار کی تیزی دیکھ کر کسی کو بھی سامنے کھڑے ہونا کا یارانہ تھا۔ اس لیے وحشی چھپ کر موقعہ تلاش کر رہا تھا۔ سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کس طرح کفار اشرار پر برقِ یزداں بن کر گرج اور برس رہے تھے اس کو خود وحشی کی زبانی سنتے ہیں: "

وحشی کہتے ہیں کہ احد کے دن میں نے ایک صاحب دیکھے، وہ جدھر بھی حملہ آور ہوتے سب کو پچھاڑ کر ہی ہٹتے، ان کے سامنے کھڑے ہونے کی کسی میں مجال نہ تھی۔ میں نے ان کی حیرت انگیز بہادری دیکھ کر آس پاس والوں سے پوچھا: "یہ کون ہیں! لوگوں نے بتلایا کہ یہ "حمزہ" ہیں۔ تو میں بے اختیار کہہ اٹھا: "میں انہیں کی تلاش میں تو آیا تھا۔" وحشی اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے۔ وہ اسلام لانے کے بعد اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: میرے آقا جبیر نے مجھ سے کہا کہ اگر تم میرے چچا کے قاتل حمزہ کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو، میں چھوٹا نیزہ تاک کر مارنے میں بے حد ماہر تھا۔ میں جنگ احد میں ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور موقع تلاش کرنے لگا۔ آپ نے سباع بن عبد العزی جیسے بہادر کا ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ (جس سے میرے اوسان خطا ہو گئے) غرض آخر کار مجھے موقعہ مل گیا اور میں نے چھپ کر نیزہ پھینکا جو آپ کی ناف کے نیچے لگا اور آر پار ہو گیا۔ آپ شہید ہو کر گر گئے۔ لیکن شہید ہونے سے قبل تیس سے زیادہ کافروں کو تلوار کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد کافروں نے محض اتنی بات پر اکتفانہ کیا بلکہ آپ کی نعش کا مثلہ بنایا آپ کا پیٹ اور سینہ چاک کیا کان اور ناک کاٹ ڈالے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ہم عمر،

دوست، رفیق، دست وبازو اور محبوب ترین چچا کی شہادت اور مثلہ بنائے جانے کی خبر بجلی بن کر گری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھالی کہ حمزہ کے بدلے اگر اللہ نے قدرت دی تو قریش کے ستر شکست خوردہ کا مثلہ بنا کر انتقام لوں گا۔ اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۲۸)

"(اے پیغمبر!) اس کام میں تمہارا کچھ اختیار نہیں (اب دو صورتیں ہیں) یا اللہ ان کے حال پہ رحم کرے یا انہیں عذاب دے کہ یہ ظالم لوگ ہی۔" جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غم سے ٹوٹے دل کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی خواتین کو احد کے شہیدوں پر روتے دیکھا۔ میرے ماں باپ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! فرطِ غم سے نگاہیں پر نم اور پلکیں آنسوؤں سے بوجھل ہو گئیں اور فرمایا: "لیکن حمزہ پر رونے والیاں نہیں، لیکن حمزہ پر رونے والیاں نہیں!" [1] یہ سنتے ہی انصار کی عورتوں میں کہرام مچ گیا اور بول اٹھیں: "اے اللہ کے رسول! حمزہ پر ہم روئیں گیں۔" لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رونے اور نوحہ کرنے سے منع کر دیا۔

قارئین کرام! بہادروں کی زندگی کا اختتام ایسے ہی پر شکوہ حالات کے ساتھ ہوتا ہے کہ:

فَإِمَّا حَيَاةٌ تَسُرُّ الصَّدِيقَ

وَإِمَّا مَمَاتٌ يَغِيظُ الْعِدَاءَ

"یا تو وہ ایسی زندگی جیتے ہیں جو دوستوں کے لیے فرحت و سرور کا باعث ہوتی ہے یا پھر وہ ایسی عزت کی موت مرتے ہیں جو دشمنوں کو اور بھی طیش دلاتی ہے۔" غزوہ احد میں ستر کے قریب صحابہ کرام مسند شہادت پر رونق افروز ہوئے، مدینہ کی فضا بے حد سوگوار تھی۔ عربوں کی فطری حساسیت کو گہری ٹھیس پہنچی اور شعراء نے بڑے پر درد مرثیے کہے۔ سیّدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

بَكَتْ عَيْنِي وَحَقَّ لَهَا بُكَاهَا

وَمَا يُغْنِي الْبُكَاءُ وَلَا الْعَوِيلُ

عَلَى أَسَدِ الْإِلَهِ غَدَاةَ قَالُوا

أَحَمْزَةُ ذَاكُمُ الرَّجُلُ الْقَتِيلُ

أُصِيبَ الْمُسْلِمُونَ بِهِ جَمِيعًا

ہُنَاکَ وَقَدْ اُصِیْبَۃً بِہِ الرَّسُوْلُ

"میری آنکھ اللہ کے شیر کی شہادت پر رو رہی ہے اور اسے رونے دیجیے کہ رونا اس کا حق ہے اور اسے زیبا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ یہ رونا دھونا اور گریہ وبکا اس صبح کو کسی کام نہ آیا۔ جب لوگوں نے کہا کہ حمزہ شہید ہوگئے سیّدنا حمزہ کی شہادت کا صدمہ سب مسلمانوں کو پہنچا اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص صدمہ پہنچا۔" اس کے بعد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر لوگوں میں بلکہ پوری دنیا میں اس بات کا اعلان کیا۔ "حمزہ بن عبد المطلب سید الشہداء ہیں۔" [1]

اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ کو مبارک ہو، بے حد مبارک ہو!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ سے کتنی زیادہ محبت تھی اس کا اندازہ سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد وفد طائف کے ساتھ وحشی رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں مشرف باسلام ہونے کی غرض سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا تم ہی وحشی ہو؟ عرض کیا: "جی ہاں!" فرمایا: "کیا تم نے ہی حمزہ کو قتل کیا تھا۔" وحشی نے عرض کیا: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو بات پہنچی ہے، ویسی ہی ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی سے سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ دریافت کیا، وحشی نے نہایت فجالت وندامت کے ساتھ محض تعمیل ارشاد کی غرض سے سارا واقعہ عرض کر دیا۔ واقعہ سننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم پھر تازہ ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی کے اسلام کو یہ کہہ کر قبول فرمایا:

((دُعُوْہُ فَلَاِسْلَامُ رَجُلٍ وَاحِدٍ اَحَبُّ لِیَّ مِنْ قَتْلِ اَلْفِ کَافِرٍ))

"انہیں چھوڑ دو کہ ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار کافروں کو قتل کر دینے سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَھَلْ تَسْتَطِیْعُ اَنْ تُغَیِّبَ وَجْھَکَ عَنِّیْ))

"کیا تم سے یہ ہو سکتا ہے کہ تم (جب میرے سامنے آؤ تو) اپنا چہرہ مجھ سے چھپا لیا کرو۔ (کہ تمہیں دیکھ کر چچا کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے)۔"

سبحان اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی کو معاف کر دیا، ان کا اسلام قبول فرمالیا البتہ اپنے چچا حمزہ کے قاتل کے چہرے کی طرف نہ دیکھ سکے۔ [1]

وحشی کو چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا مقصود نہ تھا اس لیے جب خدمت نبوی میں حاضر ہوتے تھے تو پیٹھ پیچھے بیٹھا کرتے تھے۔

ذرا تصور کیجیے کہ اگر کوئی آپ کے قریبی ترین، محبوب ترین اور عزیز ترین شخص کو قتل کر ڈالے پھر وہ آپ کی دعوت قبول کرتے ہوئے آپ کے پاس آ پہنچے تو کیا آپ کے لیے یہ ممکن ہے کہ آپ ان آنسوؤں کو بھلا دو جو آپ نے اس قریبی پر بہائے ہوں؟ اور کیا آپ ان آہوں کو بھول سکتے ہو جو آپ کے دل سے نکلی ہوں؟ پھر اس سب کے باوجود آپ اس کو معاف بھی کر دو۔ یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے اپنے عزیز ترین چچا کے قاتل کو معاف بھی کر دیا اور اس کے اسلام کو بھی قبول فرمایا لیکن بشری تقاضے کے تحت فرمایا تو فقط اتنا کہ "اگر تم سے ہو سکے تو مجھے نظر نہ آیا کرو۔" اسی لیے وحشی جب بھی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ کی پیٹھ پیچھے بیٹھا کرتے تھے۔ شہدائے احد کی کرامات و اعزازات کا کیا کہنا: قرآنِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تفصیلی احوال ذکر کیے، فضائل و مناقب بیان کیا، احادیث میں کثرت کے ساتھ ان کے بارے میں بشارتیں مذکور ہوئیں! رب تعالیٰ ان سب سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے۔

## سیّدہ صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا

ہمارا یہ موضوع اہل بیت نبوی کی عظیم ہاشمی خاتون جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی سیّدہ صفیہ بنت عبد المطلب کے بارے میں ہے۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا عزم کی پکی، بہادر، نڈر، دلیر، شجاع اور بے حد عقل مند تھیں۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون تھیں جنہوں نے مشرکوں کے ساتھ قتال کیا۔ یہ اعزاز بھی آپ ہی کو حاصل ہے کہ اہل اسلام کی طرف سے پہلا سوار جس نے دشمنوں کے سامنے تلوار سونتی، وہ بھی آپ نے ہی روانہ کیا تھا اور وہ آپ کے لختِ جگر نورِ نظر سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔

جی ہاں! آج گفتگو ہے سیّدہ صفیہ بنت عبد المطلب ہاشمیہ قرشیہ، رسولِ خدا کی پھوپھی حمزہ بن عبد المطلب کی بہن کے بارے میں۔ آپ نے ہجرت سے قبل اسلام قبول کیا اور ہجرت کی۔

شرافت و بزرگی چاروں طرف سے آپ پر نچھاور تھی، عزتیں اور رفعتیں فرشِ راہ تھیں۔ کہ آپ کے والد جناب عبد المطلب بن ہاشم، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اور قریش کے سردار اور نہایت معزز شخصیت تھے۔ والدہ ماجدہ ہالہ بنت وہیب جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی چچیری بہن تھیں۔ پہلے خاوند حارث بن حرب تھے جو حضرت ابو سفیان بن حرب کے سگے بھائی تھے۔ حارث وفات پا گئے تھے۔ آپ کے دوسرے خاوند عوام بن خویلد تھے جو ام المومنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی تھے۔ جب کہ آپ کے فرزند ارجمند سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حوادیٔ رسول اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے[1] اور دوسرے بیٹے سائب بن عوام رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے، بعد کی جنگوں میں بھی شرکت کی سعادت سے سرفراز ہوئے اور جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش کیا۔[2]

رب تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت خالدہ اور دین حق دینے کے بعد اس بات کا حکم دیا کہ اس دین کی دعوت سب سے پہلے اپنے قریبی عزیز رشتہ داروں کو دیجیے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ (الشعراء: ۲۱۴)

"اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنادو۔"

یہ وحی نازل ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اپنے رشتہ داروں میں بآواز بلند ان الفاظ کے ساتھ خطبہ دیا۔

((یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اشْتَرُوا أَنْفُسَکُمْ لاَ أُغْنِی عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا یَا بَنِی عَبْدِ مَنَافٍ لاَ أُغْنِی عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا یَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لاَ أُغْنِی عَنْکَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَیَا صَفِیَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰہِ لاَ أُغْنِی عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَیَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِینِی مَا شِئْتِ مِنْ مَالِی لاَ أُغْنِی عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا)) [1]

"اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو (ایمان لا کر جہنم سے آزادی دلانے کے لیے جنت کے بدلے) خرید لو میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام آنے والا نہیں، اے بنی عبد مناف! میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام آنے والا نہیں۔ اے عبد المطلب کے بیٹے عباس! میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام آنے والا نہیں۔ اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے مقابلے میں تیرے کچھ بھی کام آنے والا نہیں۔ اے محمد کی بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے (پر روزِ آخرت) اللہ کے حضور میں تیرے کچھ بھی کام آنے والا نہیں۔"

ذرا دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خطبہ دیتے ہوئے پکار کر دعوت دی تو کیسے اپنی پھوپھی سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو خاص طور پر آواز دے کر نام لے کر پکارا۔ بلاشبہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں آپ کی بے پناہ عزت اور وقعت اور آپ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے از حد قرب کی بنا پر تھا۔ پھر سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی دعوت حق قبول کرنے میں ذرا تردد اور انکار نہ کیا اور صدائے حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور نورِ ہدایت کی طرف قلب وروح کے ساتھ متوجہ ہوئیں۔ پس سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہو گئیں۔ سیرت نگاروں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں میں سے سوائے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے اور کوئی مشرف باسلام نہ ہوئیں۔[1] یوں سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے خاندانی عزت وشرافت کے ساتھ ساتھ اسلام کی بزرگی کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے دوسری خواتین کے ساتھ اسلام کی بیعت کی۔ جس کے اثرات آپ کی مبارک زندگی میں واضح طور پر نظر آتے تھے۔ پھر چشم فلک نے دیکھ لیا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والی آلِ بیت رسول کی اس عظیم خاتون نے اپنے خاوند کے ساتھ نیکی کرنے میں اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرنے میں اور قول وعمل میں اخلاص برتنے میں کیسی عظمت اور نیکی کا ثبوت دیا۔ سبحان اللہ! جب بھی ہم سیّدہ صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہما کو یاد کرتے ہیں تو قلب ودماغ میں عزم وہمت، جرأت وشجاعت، قوتِ نفس اور شخصیت وکردار کے خیالات کا ایک تانتا بندھ جاتا ہے۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی سیرت وتربیت کا شاہکار آپ کا نور نظر اور لخت جگر سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کی بہادری، شدت، حوصلہ، عزم وثبات کی نظیر لانا مشکل ہے، سیّدہ صفیہ نے جنابِ زبیر کو تیر اندازی سکھلائی گھڑ سواری کی تربیت دی، فنونِ حربیہ اور سپاہ گری میں طاق کیا، انہیں خطرات میں کودنے، مشکلات میں ڈٹنے اور دشمنوں کے مقابلے پیش قدمی کرنے کا عادی بنایا۔ دوران تربیت اگر جنابِ زبیر ذرا تردد کرتے یا ہچکچاتے تو ان کی سخت تادیب کرتیں۔ حتی کہ جنابِ زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک چچا بول پڑے اور سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے

یوں کہا: "کیا بچوں کو یوں مارتے اور ان کی پٹائی کرتے ہیں تم تو کسی دشمن کی طرح مارتی ہو نا کہ ماں کی طرح۔" سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہانے دیور کی بات سن کر فی البدیہہ یہ رجزیہ اشعار پڑھے:

مَنْ قَالَ قَدْ اَبْغَضْتُهُ فَقَدْ كَذِبَ

وَاِنَّمَا اَضْرِبُهُ لِكَيْ يَلَبْ

وَيَهْزَمُ الْجَيْشَ وَيَأْتِيْ بِالسَّلَبْ [1]

"جو یہ کہتا ہے کہ مجھے اپنے بیٹے سے نفرت ہے اور میں اس کی دشمن ہوں تو وہ جھوٹا ہے، میں تو اسے اس لیے مارتی ہوں تا کہ یہ جنگ کے وقت مستعد اور تیار ہو اور دشمنوں کو جا کر شکست کا مزا چکھائے اور ان کا مال لوٹ کر لائے۔"

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہانے کس کس موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کی۔ کہاں کہاں دین حق کے پائے استقامت کو اور مستحکم کیا، اگر تاریخ کے اوراق سے ہم ان روشن، منور، ایمان افروز قابل صد ستائش اور باعث افتخار واقعات کو چن چن کر جمع کرنے بیٹھ جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ لیکن اس باب سے بالکل صرف نظر کرکے گزر جانا بھی ناممکن اور سوئے ادب ہے۔ ہم قارئین کے سامنے فقط غزوہ احد کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جو سیّدہ صفیہ کی بے پناہ دلیری کا غماز اور آئینہ دار ہے۔ جنگ احد میں دیگر خواتین کی طرح سیّدہ صفیہ بھی نکلیں۔ آپ پانی بھر لاتی تھیں، زخمیوں کو پلاتیں، ان کا دوا دارو کرتیں، مجاہدین کو تیر تھماتیں اور جنگ کے پورے منظر کو بھرپور جوش و جذبہ کے ساتھ دیکھتی تھیں۔ پھر اچانک جنگ کا پانسہ پلٹا ہے، مسلمانوں کے قدم اکھڑتے ہیں، پیٹھ پیچھے کے وار سے بھگدڑ مچتی ہے، مسلمان جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تتر بتر ہوتے ہیں اور قریب ہے کہ کفار اشرار کے منحوس ہاتھ جنابِ رسول اللہ کے مبارک بدن تک پہنچیں، یہ منظر دیکھ کر سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا زبردست غیض وغضب میں آتی ہیں اور مشکیزہ پھینک کر اس شیرنی کی طرح غراتی اور دھاڑتی دشمنوں پر جھپٹتی ہیں جس کے بچوں پر کسی نے حملہ کر دیا ہو۔ آپ نے ایک بھاگنے والے کے ہاتھ سے نیزا چھینا اور دشمنوں کی صفوں پر کسی جری شہسوار کی طرح پل پڑیں اور ایک کے بعد دوسرے کو نیزے میں پرونے لگیں۔ آپ صفیں اور چہرے الٹتی رہیں اور وہ بھاگتے مسلمانوں کو نہایت گرج دار آواز کے ساتھ یہ کہنے لگیں: "تمہارا ناس ہو! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا چھوڑ کر بھاگتے ہو؟"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر پہچان لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو نہ دیکھ لیں جس سے ان کے دل کو شدید دکھ پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ مشرک سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ بنا چکے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرما کر اشارہ کیا: اے زبیر! ایک عورت، اے زبیر ایک عورت (یعنی تمہاری والدہ چلی آرہی ہیں انہیں آگے بڑھنے سے روکو)۔ سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے پلٹ کر والدہ سے کہا: "اماں جان! یہاں سے دور رہیے!" اس پر والدہ نے ڈانٹتے ہوئے کہا: "پرے ہٹ! تیری ماں نہ رہے!" یہ جواب سن کر سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اماں جان!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو لوٹ جانے کا حکم دیتے ہیں۔" سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہانے کہا: "وہ کیوں! مجھے خبر مل چکی ہے کہ میرے بھائی کا مشرکوں نے مثلہ بنا دیا ہے لیکن اللہ کے رستے میں یہ بے حد معمولی بات ہے۔" یہ جواب سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے زبیر! انہیں جانے دو۔" چنانچہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا رستہ چھوڑ دیا گیا۔ جب جنگ کے شعلے سرد پڑ گئے، ہتھیار ڈال دیے گئے تو سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہانے دیکھا کہ آپ کے بھائی کا شکم اور سینہ چاک کر دیا گیا ہے، ناک، کان کاٹ کر چہرہ بگاڑ دیا گیا تھا۔ یہ جگر خراش اور دل آزار منظر کو دیکھ کر سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا دل بھر آیا۔ آپ نے سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے استغفار کی اور یہ کہا: "یہ سب راہِ خدا میں ہوا۔ میں اللہ کی تقدیر پر راضی ہوں اور اللہ کی قسم! میں صبر کروں گی اور رب کی مصیبت سے اجر کی امید رکھوں گی۔" پھر آپ نے سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان اشعار کے ساتھ خراج عقیدت پیش کی۔

دَعَاهُ اِلٰهُ الْحَقِّ ذُو الْعَرْشِ دَعْوَةً

لِیْ جَنَّةٍ یَحْیَا بِهَا وَسُرُوْرٍ لِحَمْزَةَ

فَذٰلِكَ مَا كُنَّا نُرَجِّیْ وَنُرْتَجِیْ

یَوْمَ الْحَشْرِ خَیْرُ مَصِیْرٍ [1]

"عرش والے سچے معبود نے حمزہ کو جنت کی طرف بلایا تھا کہ حمزہ جنت کی بدولت سرمدی حیات جیئیں اور ابدی سرور حاصل کریں، اسی بات کی ہمیں امید تھی اور روزِ قیامت ہمیں نیک ٹھکانے اور انجام کی امید ہے۔" یوں اس نیک اور ہاشمی خاتون نے مصیبت کے وقت صبر کرنے کا بے مثال سبق دیا جس میں دور دور تک گریہ و نوحہ اور ہائے وائے کا نام و نشان نہیں ملتا۔ بلکہ یہاں تو صرف تسلیم و رضا اور صبر و شکر ہے، اور حکم خدا کے آگے اطاعت و فرمانبرداری کے نظارے ہیں۔ بے شک سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا امت مسلمہ کی عورتوں کے لیے سچے ایمان، نیک صبر، ایک بے مثال نمونہ ہیں، مصائب و شدائد آپ کو بے صبر نہ کر سکے۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہانے ۲۰ھ میں خالفت فاروقی میں انتقال فرمایا۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہانے ۷۳ سال عمر پائی۔ امیر المومنین خلیفہ راشد سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔[2]

رضی اللّٰہ عنھا وارضاھا

## سیّدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

ایک مرتبہ خلافت فاروقی میں سخت قحط پڑا، زمینیں بنجر اور فصلیں برباد ہو گئیں اور کھیتوں میں غبار اڑنے لگا۔ لوگ دانے دانے کو ترس گئے۔ امیر المومنین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ کھلی فضا میں نماز استسقاء ادا کرنے نکلے تا کہ رب کے حضور بارش کے لیے رو دھو کر دعا کریں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جناب عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا داہنا ہاتھ تھاما اور اس کو فضا میں بلند کر کے یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! ہم تیرے پیغمبر کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے تو آپ ہم پر بارش برساتے تھے آج (جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان نہیں رہے تو) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ ہم ان کے وسیلے سے آپ سے دعا مانگتے ہیں۔ آپ ہم پر بارش برسائیے۔" [1]

علمائے کرام کے ہاں جنابِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو "نیک آدمی کے توسل سے دعا مانگنا" کہتے ہیں یعنی کسی نیک آدمی سے اس بات کی التجاء کی جائے کہ وہ دعا مانگے۔ پھر ویسا ہی ہوا۔ ابھی مسلمان دعا مانگ کر گھروں کو نہ پہنچے تھے کہ بارانِ رحمت برسنے لگا اور ہر طرف جل تھا ہو گیا۔ لوگوں کے چہرے کھل اٹھے، اداسی شادمانی میں بدل گئی۔ سوکھی زمین جی اٹھیں، سبزہ نے سر اٹھایا اور ہر طرف ہریالی اور سبزہ لہرانے لگا۔ جنابِ عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے مانگی جانے والی دعا کو پل بھر میں شرفِ قبولیت ملنے پر سب مسلمانوں نے آپ کو گلے لگایا اور ان الفاظ کے ساتھ مبارک دی: "اے حرمین کے ساقی! تجھے مبارک ہو۔"[2]

میرے محترم قارئین! یہ ساقی حرمین کون ہیں؟ یہ ابو الفضل عباس بن عبد المطلب رسولِ خدا حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور اسلام اور جاہلیت دونوں ادوار میں اکابرین قریش میں سے ہیں، سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ دراز قد، وجیہ، پر وقار، حلیم و بردبار، بے حد حسین و جمیل اور بلند آواز تھے۔ سیّدنا عباس بن عبد المطلب آلِ بیت رسول کے عظیم ترین فرد تھے۔ عمر میں جنابِ رسول اللہ سے چند سال ہی بڑے تھے "عام الفیل" سے تین سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور پاس ادب کا اندازہ آپ کے اس جواب سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو کہنے لگے: "بڑے تو مجھ سے وہ ہیں پر میں ان سے پہلے پیدا ہوا ہوں۔" [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرابت داری، صلہ رحمی اور آپ کے صفات، محمودہ کی بنا پر آپ سے بے پناہ محبت تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ساتھ اور آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حق ادا کر دیا۔ ایک دوسرے پر جان و مال خرچ کرنے میں کہیں بخل کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ غضب کے ذہین، معاملہ شناس، نکتہ دان، باریک بین، زود فہم، دور رس اور عمیق النظر تھے، قریش کے ہاں جو قدر و منزلت آپ کو حاصل تھی اس میں کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے جس قدر محبت تھی اسی قدر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عزت و تکریم اور اکرام و تعظیم فرماتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابِ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: "یہ عباس بن عبد المطلب ہیں جو قریش کے سب سے زیادہ سخی ہاتھ والے اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔" [2]

سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ غلاموں کو بہت زیادہ آزاد کرتے تھے۔ آپ کی رائے بے حد درست ہوتی تھی، اپنی قوم کے ساتھ بے حد رحم دل اور شفیق تھے۔ حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی آبادکاری کا ذمہ آپ نے اٹھایا ہوا تھا۔ اور آبادکاری سے مراد یہ تھی کہ آپ مسجد حرام میں کسی کو زبان درازی اور سب و شتم کرنے اور بے ہودہ گوئی کرنے نہ دیتے تھے۔[1] ہجرت سے قبل موسم حج میں دوسری بیعت عقبہ کے موقع پر آپ نے عظیم کردار کا مظاہرہ فرمایا۔ چنانچہ جب دو سرداروں کی زیر قیادت انصار کے تہتر افراد کا وفد مکہ پہنچا تا کہ اللہ اور اس کے رسول کی بیعت اطاعت کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانے پر بھی آمادہ کریں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کی عرض داشت کو سب سے پہلے

جناب عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے ذکر کیا۔ یہ امر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محترم چچا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کی ذات پر کس قدر بھروسہ تھا حالانکہ اس وقت وہ اپنی قوم کے مذہب پر تھے۔ انصار گھاٹی میں چھپ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائے۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ سارے معاملے اور گفتگو کا خود جائزہ لینا چاہتے تھے اور آپ اس بات کا اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے کہ یہ لوگ میرے بھتیجے کے ساتھ درست معاملہ کرنے جارہے ہیں یا نہیں۔ پھر گفتگو کا آغاز بھی آپ نے خود کیا اور ان کے سامنے اس مسئلہ کی نزاکت اور اہمیت کو پوری طرح کھول کر رکھ دیا اور انہیں اس بات کا بھرپور احساس دلایا کہ وہ کس قدر اہم ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر اٹھانے چلے ہیں۔ اس لیے اگر ہمت ہے تو آگے بڑھو اور رسولِ خدا کو ساتھ لے جاؤ اور اگر اس اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کا یارا نہیں تو یہیں سے لوٹ جاؤ۔ آپ نے ان پر واضح کر دیا کہ اس تحالف کے کیا نتائج سامنے آئیں گے۔ اس لیے خوب سوچ سمجھ کر قدم آگے بڑھاؤ۔ اس موقعہ پر سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب جو زبردست، مدبرانہ اور عاقبت اندیشانہ تقریر کی وہ یہ تھی: "اے گروہِ خزرج! یہ محمد ہیں! ان کا جو مقام و مرتبہ ہم میں ہے وہ تم لوگ جانتے ہو (کہ لوگ اگرچہ آپ کے دین کے مخالف تھے لیکن جس عزت اور وقعت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے وہ کسی کو نصیب نہ تھی) اور ہم ان کے حامی و مددگار ہیں۔ وہ تمہارے یہاں آنا چاہتے ہیں اگر تم ان کی حفاظت و حمایت کر سکو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہ سکو تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔" یہ کس قدر مختصر اور چھوٹے کلمات ہیں لیکن ان میں انصار کے لیے ایک واضح پیغام تھا کہ وہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اپنانے نہیں لے جارہے ہیں بلکہ عرب و عجم سے جنگ کرنے اور مصائب و شدائد کے پہاڑ اٹھانے چلے تھے۔ اس لیے خوب سوچ سمجھ لیں۔ اس پر کعب نے کھڑے ہو کر کہا: "ہم نے آپ کی بات سن لی۔ (پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التفاف کرتے ہوئے عرض کیا) اے اللہ کے رسول! آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں ہم اس کے لیے حاضر ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے اور اللہ کے لیے ہم سے جو چاہیں عہد لے لیں۔" انصار کے اس جواب نے بتلا دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں لے جانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان مال، اولاد عزت اور آبرو وغیرہ سب کچھ قربان کرنے کے لیے کس قدر سچے، مخلص اور مومن ہیں۔ وہ پہاڑوں جیسے جگرے اور لوہے جیسے دل اور طوفانی ہواؤں اوبھر۔ ی لہروں جیسے زبردست ارادے اور جرأت و شجاعت کے ساتھ اس اہم ترین ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لیے تیار ہیں۔ اس راہ میں جو بھی ہو، جو نتیجہ بھی نکلے، جو انجام بھی سامنے آئے سب کو بھگتنے اور برداشت کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔

انصار کے اس مومنانہ، اور جرأت مندانہ بیان کو سن کر سیّدنا عباس مطمئن ہو گئے کہ اب میرے عزیز ترین بھتیجے پر آنچ بھی نہیں آنے والی۔ پھر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور بیعت کی تکمیل کی۔[1]

آپ نے اپنے اسلام لے آنے کا اعلان فتح مکہ کے بعد کیا تھا۔ آپ نے غزوہ بدر میں شرکت کی مگر مشرکین کے ساتھ۔ اس غزوہ میں آپ گرفتار ہوئے۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امیر بنا کر پیش کیے گئے تو آپ نے اپنا یہ عذر بیان کیا کہ: "میں اس سے قبل مسلمان ہو چکا ہوں یہ مشرکین مجھے اپنے ساتھ زبردستی لے آئے ہیں۔" اور انہوں نے جنگ میں شریک ہونے پر مجھے مجبور کیا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپ کا معاملہ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے اگر تو آپ اپنے دعویٰ اسلام میں سچے ہیں تو اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ رہا ہمارا معاملہ تو ہم تو ظاہر حال کے مطابق ہی عمل کریں گے لہٰذا آپ ابھی دوسرے قیدیوں کی طرح رہائی کے لیے فدیہ دیجیے"[1] سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رات سب قیدی رسیوں میں بندھے رہے۔ اس رات پہلے پہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہ آئی جب نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بابت دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے مشکوں میں بندھے اپنے چچا کے کراہنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں" (ان کراہوں سے بے قرار ہو کر میں سو نہ سکا۔) سبحان اللہ! جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر عظیم ہیں کہ مشکوں میں بندھے چچا کے کراہنے کی آواز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے نیند اڑالی۔ اور رات بھر جاگتے رہے۔ اور نیند کی راحت نہ اٹھائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس بات کا بے حد اثر ہوا۔ اور لپک کر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام میں سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کی مشکیں کھول دیں۔[2] سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کا اکرام واعزاز کرتے دیکھا ہے اتنا کسی اور کا کرتے نہیں دیکھا۔[3] اسی لیے سب صحابہ کرام سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کا بے حد اکرام واحترام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر آپ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ یا سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرتے اور وہ سواری پر سوار ہوتے تو آپ کے احترام میں نیچے اتر آتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ گزر جاتے۔"

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے اور اُن کے دور میں فتوحات اور اس کے نتیجہ میں اموالِ غنیمت کی کثرت ہوئی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کو فضیلت دی۔ چنانچہ بدریوں کے لیے پانچ ہزار اور جو بدر میں شریک سابقین فی الاسلام کے لیے چار ہزار جب کہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے لیے بارہ ہزار مقرر کیے۔ حتیٰ کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کا بے حد اکرام واعزاز فرماتے تھے۔ اور آپ کے ہاتھوں اور قدموں کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ اور فرماتے: "اے میرے چچا! مجھ سے راضی رہنا۔" [1] سعید بن مسیب کا قول ہے کہ: "عباس اس امت کے سب سے بہتر انسان ہیں۔" [2]

سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے گھر پر ایک پرنالہ لگا تھا جس کا پانی برسات میں گلی میں گرتا تھا، راہ گیروں کے لیے وہ پرنالہ کبھی کبھی پریشانی کا باعث بن جاتا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک دفعہ اس کو اکھاڑ دیا۔ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "کیا یہ پرنالہ تم نے اکھاڑا ہے؟ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں! اسے میں نے اکھاڑا تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔" اس پر سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ پرنالہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ رکھا تھا۔" سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے پھر کہنے لگے: "اللہ کی قسم! آپ میری پیٹ پر چڑھ کر یہ پرنالہ دوبارہ اپنی جگہ پر رکھیں گے۔" [3]

اے میرے بھائیو اور بہنو! دیکھا آپ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ادب کیسا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار واقوال کی کیسی تابعداری ہوتی تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کس قدر ادب والا معاملہ کیا۔ کیا ہم بھی آج اپنے آباء واجداد اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ ادب کا ایسا سلوک کرتے ہیں؟ بلکہ کیا اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کے ساتھ ہمارا ادب کا یہ معاملہ ہے؟ لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ! سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ۳۲ھ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ آپ نے وفات کے وقت ستر غلاموں کو آزاد کیا۔ یاد رہے کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مال میراث میں تقسیم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہا کے بعد صرف سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی سارے مال کے وارث ہوتے۔

سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی وفات کے وقت اسّی سال سے زیادہ کی عمر تھی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے غسل دیا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

رضی اللّٰہ عنہ وارضاہ۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد اولاد

## سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

دنیا میں ایسی بہت ساری یادگاریں ہیں جن کے ذکر سے انسان تنگ دل نہیں ہوتا اور اس کو دہرا دہرا کر انسان کی زبان نہیں تھکتی ہے بلکہ ان یادگاروں کو جتنا دہرایا جاتا ہے ان کی لذت وحلاوت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ انہیں عظیم ترین یادگاروں میں سے ایک جناب رسول اللہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت کا تذکرہ ہے جو اولاد آدم کے سردار ہیں اور یہ تذکرہ بے حد قیمتی اور نفیس ہے، یہ تذکرہ قیامت تک بے حد روشن ہے اور شاید سیرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے روشن اور تابناک قصہ ہجرت کا قصہ ہے۔ جو بجاطور پر امیدوں کا دیباچہ، نصرتوں کی پہلی اینٹ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مظفر ومنصور دوبارہ مکہ لوٹ آنے کا صاف اور واضح رستہ تھا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ (القصص:۸۵)

"(اے پیغمبر!) جس اللہ نے تم پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ تمہیں بازگشت کی جگہ لوٹا دے گا۔ (یعنی مکہ لوٹا دے گا)۔"

جب مشرکوں نے دیکھا کہ مسلمان تو اپنے بیوی بچوں سمیت مدینہ ہجرت کرتے جا رہے ہیں تو اس بات کا اندیشہ ہوا کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہ چلے جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین وہاں جا کر اور مضبوط نہ ہو جائے۔ اب مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور چند مسلمان ہی باقی رہ گئے جن کو مشرکوں نے زبردستی روک رکھا تھا۔ پھر جب وہ رات آگئی جس میں مشرکوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کر رکھی تھی سیّدنا جبرئیل علیہ السلام آسمان سے وحی لے کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش سے آگاہ کر دیا اور یہ حکم دیا کہ آج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر نہ سوئیے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوپہر کے وقت چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت آنے کا دستور نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔

جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا اس ناچیز کو بھی ہم رکاب ہونے کا شرف حاصل ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں!" سیّدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ یہ سن کر میرے والد فرطِ مسرت سے رو پڑے۔

اس سے پیشتر مجھ کو یہ گمان نہ تھا کہ کوئی مارے خوشی کے بھی رونے لگتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم میرے بستر پر میری سبز چادر اوڑھ کر سوجاؤ اور ڈرومت کہ تمھیں کسی قسم کا گزند نہ پہنچے گا۔" قارئین! آلِ بیت رسول کے اس بہادر نوجوان نے بلا تردد لبیک کہا۔ سبحان اللہ! یہ کیسے جذبات تھے۔ ابو بکرؓ فرطِ مسرت سے رونے لگتے ہیں۔ علی جان ہتھیلی پر رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سونے کے لیے تیار ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ کیسی محبت تھی! بے شک یہ نصرتِ دین کا بے پناہ جذبہ تھا! صدیق اکبر اس رسول کے سفر میں رفاقت کا سوال کرتے ہیں جن کو قوم وطن سے نکلنے پر مجبور کر رہی ہے۔ اور جناب علی رضی اللہ عنہ اس بستر پر سونے کو تیار ہیں جس پر موت کے سائے منڈلا رہے ہیں۔ پھر یہ خدمت گزاری اور والہیت کا جذبہ کسی ایسے شخص کے لیے نہیں جو بے پناہ دولت اور لمبی چوڑی جائیدادوں کا مالک تھا کہ جس کی محبت کا دم بھرنے سے کچھ نہ کچھ انعام ملنے کی توقع ضرور ہوتی ہے۔ بلکہ یہ ایک شخص کی نصرت اور رفاقت کے لیے تیار ہونا ہے جس سے اس کا سب کچھ چھینا جارہا ہے حتیٰ کہ گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن کیا جارہا ہے۔ پھر کس جذبے نے اس عظیم خدمت پر آمادہ کیا؟ وہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اور اس کے دین کی نصرت کا جذبہ تھا۔ جو عظیم لوگوں کا امتیازی وصف ہے۔ یہ ایمان ہی تو ہے جو انسان کو اللہ کے لیے جان مال، وطن، عزت وآبرو، خویش احباب، عزیز رشتہ دار اور بیوی بچوں سب سے دست بردار ہو کر ہجرت کر جانے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لیے میں یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا جاتا کہ آپ کی زندگی کی سب سے اہم اور عظیم رات کون سی ہے؟ تو یقیناوہ یہ جواب دیتے کہ ہجرت کی رات، اور کیوں؟ کیوں کہ وہ رات جان قربان کر دینے، حراتِ ایمان کا امتحان لینے صدقِ یقین کو پرکھنے اور حبیب خدا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی رات تھی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دو باتوں کے لیے طلب فرمایا:

۱۔ لوگوں کو امانتیں انہیں لوٹا دینا اور ان کے قرض ادا کر دینا۔

۲۔ اور دوسرے میرے بستر پر آکر سو جانا۔

پھر کفار مکہ نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کر لیا، وہ لوگ دروازے کی تاک میں بیٹھے رہے پر اندر نہ گھسے کیونکہ اہل عرب کسی کے زنانہ مکان میں گھسنے کو معیوب سمجھتے تھے۔ اب وہ لوگ اس مذاکراہ پر بات کر رہے تھے کہ کون آگے بڑھ کر اپنے سب سے زیادہ بدبخت ہونے کا ثبوت دے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں سے ایک مشت خاک لیے باہر نکلے اور اس خاک کو ان سب کے سروں پر ڈال دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے سے گزر گئے اور انہیں نظر بھی نہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے گزر گئے۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنۢ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾ (یٰسٓ : ۹)

"اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنادی اور پیچھے بھی، پھر ان پر پردہ ڈال دیا تو یہ دیکھ نہیں سکتے۔"

جناب علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سبز چادر اوڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سو گئے۔ اس دوران کفار اشرار حسب عادت یہ سمجھ کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر کنکریاں پھینکتے رہے کہ یہ تو رسولِ خدا ہیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ساری تکلیف سہہ لی پر چادر سے منہ باہر نہ نکالا۔ کفار ڈراتے رہے، مگر آپ بے حد مضبوط دل کے ساتھ لیٹے رہے۔ اور ذرا خوف زدہ نہ ہوئے۔ کیونکہ آپ بے حد نڈر بہادر اور عظیم تھے، صبح کو جب آپ نے چادر سے منہ باہر نکالا تو کفار ہاتھ ملتے رہ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو نکل گئے۔ یہ تو علی ہیں۔ یوں رب تعالیٰ نے ان کا مکر انہیں پر پھیر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاتے ہوئے یہ حکم بھی دے گئے تھے کہ میرے بعد مدینہ ہجرت کر آنا۔ چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ دن کو چھپ جاتے اور رات کو مسافت قطع کرتے۔ حتیٰ کہ مدینہ پہنچ گئے۔ صحابہ نے دوڑ کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پہنچنے کی خبر دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علی کو میرے پاس لے آؤ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ چلنے سے قاصر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود چل کر ان کے پاس گئے۔ گلے لگایا اور فرطِ مسرت سے رو پڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوجے ہوئے پیر دیکھے جن سے چل چل کر خون بہہ رہا تھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بے حد ترس آیا۔ اور یہی وہ مواقع ہوتے ہیں جب زبان خاموش اور آنسو باتیں کرتے ہیں!

اِذَا اشْتَبَکَتْ دُمُوْعٌ خُدُوْدِ

تَبَیَّنَ مَنْ بَکٰی مِمَّنْ تَبَاکٰی

"جب آنسو اور رخسار کی مڈ بھیڑ ہوتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ دل سے کون رویا اور کس نے جھوٹ موٹ رونے کی شکل بنائی۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلیوں پر لعاب مبارک لگا کر اس کو جناب علی رضی اللہ عنہ کے پیروں پر ملا اور آپ کے لیے عافیت کی دعا کی۔ پھر شہید ہونے تک سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ شکایت دوبارہ کبھی نہ ہوئی۔[1]

یہاں پر اس اہم ترین امر کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ ہجرت کے باب میں سب سے نازک اور خطرناک دور جنابِ علی رضی اللہ عنہ نے ادا کیا۔ آپ اسلام میں سب سے پہلے شخص تھے جس نے خود کو موت پر پیش کیا تھا۔ بلاشبہ یہ اپنے طرز کا ایک فدائی تھا جو سونتی ہوئی تلواروں کی چھاؤں میں پو پھٹنے کا انتظار کر رہا تھا۔ قیامت تک جب بھی ہجرت کا ذکر ہو گا جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فدائی کا ذکر بھی ضرور ہو گا۔ جو جرأت و شجاعت اور بطولت و بسالت کی سب حدیں پار کر گیا اور جان کو رب کے حضور قربان ہونے کے لیے پیش کر دیا۔ لیکن کیوں؟

تاکہ رسالت مآب خاتمی مرتبت سید الانبیاء والمرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین آفاق عالم میں پھیلے اور کائنات پر آفتاب بن کر طلوع ہو جس کی کرنوں سے روئے زمین کا ذرہ ذرہ چمک اٹھے۔

میرے بھائیو! ابو السبطین کی زندگی عظمت وجلال کا سرچشمہ، اور قربانی کا منبع تھی۔ آپ کی عالی ہمتی کی وسعتیں ناپنے میں نہ آتی تھیں۔ پیشانی پر جرأتوں اور بزرگیوں کے آثار چمکتے تھے۔ اگر تاریخ میں مرقوم ومذکور واقعات سچے نہ ہوتے تو جنابِ علی رضی اللہ عنہ کے کارنامے کہ طلسماتی دنیا کے افسانے لگتے۔

یہ ابو تراب، ابو الحسن، جنت کے نوجوانوں کے سرداروں کے باپ تھے جو خلیفۂ راشد، خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد، دامادِ رسول، اللہ اور اس کے رسول کے محبوب، حامل پرچم رسول، مومن مرد و عورت کے دوست اصحابِ رسول کے حبیب، قرآن و سنت کے حلیف، امیر المومنین ابو الحسن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب ہیں۔ رضی اللّٰہ عنہ وارضاہ

تبوک کے سوا سب غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست وبازو بن کر شریک ہوئے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ تبوک کے محاذ سے پیچھے کیوں رہے؟ کیوں کہ اس بات کا حکم خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ کہ آپ کو اہل وعیال کی حفاظت اور خبر گیری کے لیے مدینہ میں چھوڑا۔ پیچھے بعض نوجوانوں نے طعنہ دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑ گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔" اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"[1]

آپ کو اسلام کے مجرم عبد الرحمن بن ملجم نے مسجد میں نماز پڑھنے کی حالت میں سر پر تلوار کا وار کر کے شدید زخمی کر دیا۔ یہ ۴۰ھ بروز جمعہ کا واقعہ ہے۔ آپ زخموں سے جانبر نہ ہوسکے۔

اتوار کی رات وفات پاگئے۔ ابن ملجم نے آپ پر ۱۷ رمضان کو حملہ کیا تھا اور آپ نے ۱۹ رمضان کو داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ بے شک ایک عادل خلیفہ کو موت آگئی لیکن آپ کی سیرت آج بھی زندہ ہے۔ امیر المومنین اس دنیا سے پردہ فرماگئے لیکن آپ کا عدل وانصاف، زہد وورع، اور قربانی پر اس شخص کے لیے قیامت تک معیار ہے جو بہادروں کی طرح جینا چاہتا ہے اور مجاہدوں کی طرح مرنا چاہتا ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جیسی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ بے شک ایسے عظیم بہادروں کے قصوں میں عبرت ہے اور یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں۔ بلکہ سچی سیرت اور اخلاص کی تصویر ہے۔ بے شک سیّدنا علی المرتضیٰ کی بے مثال بہادری کے قصے انسان کو حیرت زدہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ان عظیم لوگوں نے اپنی زندگی میں عالی ہمت لوگوں کے لیے درسِ عبرت اور پیغام چھوڑا ہے۔

## سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

آج کی اس مجلس میں ہم بحث ومباحثہ اور گفتگو کے سلیقے پر بات کریں گے جو ہمارے معاشرے صرف عوامی سطح پر ہی نہیں بلکہ آفاقی سطح پر نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (النحل: ۱۲۵)

"(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت کے ساتھ اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔" رب تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اچھے طریق سے مناظرہ کرو، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ بہت ہی اچھے طریق سے مناظرہ کرو جس میں الفاظ وعبارات اور اسالیب ودلائل زیادہ سے زیادہ عمدہ اور بہتر ہوں۔

آج ہم یہ بات کریں گے کہ سب سے اچھی "گفتگو" کیسے کی جائے۔ چاہے وہ بیوی بچوں، گھر کے افراد، شریک کار کے ساتھ ہو اور چاہے وہ اپنے آقا اور ماتحتوں کے ساتھ ہو۔ حتیٰ کہ معاشرے کے سب طبقات کے ساتھ اچھی سے اچھی گفتگو کیسے کی جائے۔ تو اے میرے دوستو! اس بات کا سلیقہ اور ادب سیکھنے کے لیے آؤ اہل بیت کے مدرسہ میں زانوئے تلمذ طے کرتے ہیں تاکہ ہم نہایت بلند پایہ گفتگو، بحث ومناظرہ اور تحقیق وتدقیق سیکھ سکیں۔ ایک دن امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خوارج کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے لِ بیت رسول کے عظیم چشم وچراغ سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

خوارج روافض کا انتہائی شدت پسند فرقہ تھا۔ انہوں نے اہل ایمان کے ساتھ نہایت سخت محاربہ ومقاتلہ کیا۔ ان کے نزدیک لوگوں کی جان مال اور عزت وآبرو سب حلال تھی۔ لوگ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو آکر اس بات کی خبر دیتے تھے کہ روافض نے آپ کے خلاف خروج کیا ہے تو آپ فرماتے تھے: "انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ میرے خلاف نکلیں اور جب تک یہ میرے ساتھ خود قتال نہیں کرتے۔ میں ان کے ساتھ قتال کرنے والا نہیں۔" [1]

اگرچہ خوارج بے حد جھگڑالو اور شدت پسند تھے لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے پھر بھی ان کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا۔ سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس امت کے سب سے بڑے عالم (حبر الامہ)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد اور اس خاتون کے فرزند ہیں جن کو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام لے آنے کا شرف حاصل ہے۔ اور وہ ام الفضل لبابہ بنت حارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے، انوارِ نبوت کے سائے تلے پلے بڑھے اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں نشو ونما پائی۔ ہوش سنبھالتے ہی جنابِ رسول اللہ کے دامن کو لازم پکڑ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث کو روایت کیا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ آخری عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ اور طائف میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں وفات پا کر آسودۂ خاک ہوئے۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں: "میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس سے بڑھ کر کسی مجلس کو نہیں دیکھا جو ہر خبر کو جامع ہو جس میں حلال وحرام، لغت عرب، انساب اور شعر غرض کے ہر قسم کے علوم بکھیرے جاتے تھے۔"

عطا کہتے ہیں: سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس علمی ایسی تھی کہ کوئی شعر اور انساب کے بارے میں پوچھ رہا ہے، کوئی ایام عرب اور ان کے واقعات کا سوال کر رہا ہے، کوئی فقہ اور علم کی بابت پوچھ رہا ہے، اور انہیں سب سوالات کے تسلی بخش جوابات ملتے تھے۔

جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مختلف ایام کو مختلف درسوں کے لیے تقسیم کر رکھا تھا۔ چنانچہ ایک دن فقہ کا، ایک دن تفسیر و تاویل کا، ایک دن معازی کا، ایک دن شعر و ادب کا اور ایک دن ایام عرب کا ہوتا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تھا تو آپ کو ہی بلوا کر اس کے بارے میں دریافت فرماتے اور ساتھ ہی سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ کہتے: "ایسی ہی باتوں کے لیے تو اور تیرے جیسے لوگ ہوتے ہیں۔" پھر سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو لے لیتے اور آپ کے سوا کسی دوسرے کو نہ بلواتے تھے۔ امت نے آپ کو ترجمان القرآن کا لقب دیا اور یہ لقب یوں ہی نہ مل گیا تھا بلکہ آپ کی روشن عقل، نور قلب، وسعت علم و معرفت نے آپ کو اس لقب کا اہل بنایا تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ آفاقی وابدی دعا دی۔

((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ)) [1]

"اے اللہ! اسے دین میں فقاہت اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما۔"

آپ بجا طور پر علماء کا ماہِ تمام، علم کا ابلتا چشمہ، مفسر قرآن، اور تاویل کے بیان کرنے والے تھے، بے حد حساس، خوش لباس، ہم نشینوں کا اکرام کرنے والے اور مہمان نواز تھے۔[2]

انہی خوبیوں کے پیش نظر آپ کے چچازاد جنابِ علی رضی اللہ عنہ نے خوارج جیسے بے حد کج فرقے کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا۔ آپ نے بھی جناب علی رضی اللہ عنہ کے حسن انتخاب کو حق ثابت کر کے دکھایا۔ آپ نے خوارج کے ساتھ بے حد عمدہ بحث کی۔ ان کے سامنے حدیث کی حجت پیش کی۔ دلائل سے ان کے دعویٰ کی جڑ کاٹ دی۔ ایسی برہان قائم کی کہ ان کی عقلیں اڑادیں۔ اور وہ آپ کے ناقابل تردید دلائل کے سامنے دم بخود رہ گئے۔ آپ نے خوارج سے جو گفتگو کی وہ یہ ہے:

ابن عباس:... تمہیں رسولِ خدا کے چچازاد پر کس بات کا غصہ ہے؟

خوارج: ... ہمیں ان پر تین باتوں کا غصہ ہے۔

ابن عباس:... وہ کیا ہیں؟

خوارج: ... پہلی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے دین خدا کے معاملہ میں انسانوں کو فیصل اور حکم بنایا حالانکہ اللہ تو یہ فرماتے ہیں:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الانعام: ۵۷)

"حکم اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔"

ابن عباس: ... اچھا بتلاؤ تو انہوں نے اللہ کے دین کے کس معاملہ میں لوگوں کو حکم بنایا ہے؟

خوارج: ... انہوں نے قتال تو کیا مگر قتال کے بعد شکست خوردہ لوگوں کو نہ تو قیدی بنایا اور نہ ان کے اموال کو اموالِ غنیمت بنایا (خوارج کی مراد جنگ جمل اور جنگ صفین کے واقعات تھے)۔ پس اگر جنابِ علی نے کافروں سے جنگیں کی تھیں تو ان کے اموال حلال تھے اور اگر وہ مومن تھے تو ان کے خون حرام تھے۔

ابن عباس: ... اچھا اور کیا بات ہے؟

خوارج: ... انہوں نے اپنے نام کے ساتھ امیر المومنین کا لفظ مٹا دیا۔ پس اگر وہ امیر المومنین نہیں تو کیا امیر الکافرین ہیں؟ سبحان اللہ! سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خوارج کے ساتھ کیسے زبردست اسلوب کے ساتھ بات کی کہ پہلے انہیں کھل کر بولنے کا موقعہ دیا تاکہ وہ امیر المومنین کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہہ لیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کس دلیل سے بات کر رہے ہیں چنانچہ یہ بات سننے کے بعد سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: کیا اور بھی کچھ کہنا ہے؟ خوارج: ... نہیں۔ بس!

تب سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں رب تعالیٰ کی وہ کتاب محکم پڑھ کر سناؤں اور اس کے پیغمبر کی سنت بیان کروں جس کا تم انکار نہ کر سکو اور وہ تمہاری دلیل کو توڑ کے رکھ دے تو کیا تم لوگ اپنی باتوں سے مڑ جاؤ گے؟ بولے: ہاں! تب جنابِ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نکتۂ ارتکاز اور مرجع دلائل اور جائے رجوع کو بیان کیا۔ اور وہ تھا اختلاف کے وقت کتاب و سنت کی طرف رجوع۔ اس کے بعد سیّدنا ابن عباس نے ان کی ایک ایک دلیل کا جواب دینا شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا: رہی تمہاری یہ بات کہ انہوں نے حکم خدا میں بندوں کو فیصل بنایا ہے تو یہ معاملہ بھی تو الہ ہی کا ہے جس میں خود اللہ نے بندوں کو حکم بنانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ (المائدہ: ۹۵)

"مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے تو (یا تو اس کا) بدلہ (دے، وہ یہ ہے) کہ اسی طرح کا چارپایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کریں۔"

اور خاوند اور بیوی کے درمیان ہو جانے والے جھگڑے کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا﴾ (النسآء: ۳۵)

"اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔"

پھر فرمایا:

میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آیا لوگوں کے خونوں اور مالوں کی حفاظت کے بارے میں اور ان میں صلح کرانے کی غرض سے لوگوں کو حکم بنانا زیادہ سزاوار ہے یا ایک خرگوش میں جس کی قیمت چوتھائی درہم ہوتی ہے اور عورت کی شرمگاہ میں حکم بنانا زیادہ سزاوار ہے۔ تم لوگ یہ بھی جانتے ہو کہ رب چاہتا تو ان دونوں باتوں کا حکم خود بیان کر دیتا اور اسے لوگوں کے حوالے نہ کرتا۔

خوارج: ... بلاشبہ لوگوں کو جانوں اور خونوں کی حفاظت اور ان میں صلح کرانے کے لیے حکم بنانا زیادہ سزاوار ہے!

ابن عباس: ... کیا میں نے تمہاری پہلی بات کا جواب دے دیا؟

خوارج: ... اللّٰھم! بے شک۔

ابن عباس: ... اب تمہاری دوسری بات کی طرف آتا ہوں کہ جناب علی نے قتال تو کیا مگر نہ تو قیدی بنائے اور نہ مالوں کو غنیمت بنایا۔ تو (دوسری طرف تو ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں تو) کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنا کر ان سے وہ چند حلال کرنا چاہتے ہو جو تم دوسری قیدی عورتوں سے حلال کرتے ہو؟ پھر تو تم کافر ہو جاؤ گے، اور اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ وہ ام المومنین ہی نہیں تو بھی تم کافر ہوئے۔[1] اسلام سے خارج ہو گئے کیونکہ رب تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں:

﴿ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ﴾ (الاحزاب: ٦)

"پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

اب تم دو گمراہیوں کے درمیان بھٹکتے پھر رہے ہو دونوں میں جس کو چاہو اختیار کر لو۔

پھر فرمایا: کیا میں تمہاری دوسری بات کا بھی جواب دے دیا۔

خوارج: ... (ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے) جی بالکل!

ابن عباس: ... رہ گئی تمہاری تیسری بات کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے نام کے ساتھ سے امیر المومنین کا لفظ کیوں مٹایا تو سنو! میں تمہیں اس کا وہ جواب دوں گا جس سے تم مطمئن ہو جاؤ گے۔ ذرا صلح حدیبیہ کا موقعہ تو یاد کرو۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو معاہدہ کی شرائط لکھ لینے کے لیے طلب فرمایا۔ اور کفار کی طرف سے معاہدہ کی شرائط لکھنے کے لیے سہیل بن عمرو اور ابوسفیان آئے تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے علی! لکھو! یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد اللہ کے رسول نے صلح کی ہے۔"

یہ سن کر مشرک بولے:

"اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول سمجھتے تو نہ بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے۔" ہاں بجائے "محمد رسول اللہ" کے "محمد بن عبد اللہ" لکھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں چاہے تم میری تکذیب ہی کرو" اے علی لکھو! محمد بن عبد اللہ اب تم لوگ ہی بتلاؤ کہ رسول اللہ افضل ہیں یا علی۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام کے ساتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ مٹایا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے خارج نہ ہوئے تھے۔ کیا میں نے تمہاری تیسری بات کا جواب دے دیا۔

سب خوارج بیک زبان بولے: جی ہاں!

اس نہایت حکیمانہ اور بے حد اچھی گفتگو کا نتیجہ پھر یہ نکلا ایک تہائی خارجی (تقریباً دو ہزار) تائب ہو گئے۔ جب کہ چار ہزار خارجی اپنی بدعت پر اڑے رہے اور امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بر سرِ پیکار رہے اور اسی بدعت و گمراہی پر مارے گئے۔[1]

یہیں سے ہمارے سامنے یہ بات بھی خوب روشن ہو کر آگئی کہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی وحدت اور ان کی شیر ازبندی، کی کس قدر حرص تھی۔ چنانچہ آپ نے خوارج کے ساتھ قتال کرنے میں خود پہل نہ کی تھی جب تک کہ وہ خود لڑنے کے لیے باہر نہ نکلے یا انہوں نے اپنی بدعت کے ذریعے مسلمانوں کو ایذاء نہ دی تھی۔ یہی بات خود جنابِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی تھی کہ آپ نے آخری وقت تک افہام و تفہیم کی بھر پور کوشش کی۔ اور ان کے شبہات دور کر کے انہیں حق پر لے آنے کے لیے پورا زور خرچ کر دیا۔

## سیّدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

میرے محترم دوستو! اہل بیت کی مسلمانوں کے دلوں میں ایک عجیب محبت و عظمت ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ رسلِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار ہیں۔ پھر اہل بیت کے فضائل و کمالات شمار قطارے ماوراء ہیں۔ انہیں عظیم ہستیوں میں سے آج ہم ایک بے مثال، منفرد، یکتا، اور عظیم صحابی رسول کے بارے میں گفتگو کریں گے جنہوں نے صدقِ ایمان اور عالی ہمتی اور راہِ خدا میں ہجرت و قربانی کو ایک دل میں جمع کیا، اور وہ ایسا کیوں نہ کرتے جب کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں:

یَاحَبَذَا الْجَنَّةَ وَ اقْتِرَابَهَا

طَيبة و باردٌ شرابها علی

وَالرُّوْمُ رُوْمٌ قَدْ دَنَا عَذَابُهَا

لَنْ لاقيتهاضِرابها

''جنت اور اس کا قرب کیا ہی اچھا ہے اور جنت کا پانی کس قدر ٹھنڈا اور لذیز ہے، رومیوں تمہارے عذاب کا وقت آن پہنچا، اور مقابلہ کے وقت تمہارا مارنا مجھ پر لازم ہے۔'' [1]

یہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں جن کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ زبردست خطیب بے حد سخی، مہمان نواز، خطیب مہاجرین، علم مجاہدین، دو ہجرتوں والے، دو قبلوں کے نمازی ہیں جن کے مدینہ لوٹنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد مسرور ہوئے تھے جب کہ آپ کی شہادت پر بے حد غم گین بھی ہوئے۔ سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہ صورت و سیرت دونوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد مشابہ تھے بلاد حبشہ کی طرف مسلمانوں کے سفیر آپ ہی تھے۔ آپ کی فضیلت و بزرگی کے لیے یہی بات بس ہے کہ آپ اس مبارک شجر کی شاخ ہیں جس کی شاخوں اور جڑوں میں برکت ڈالنے کا رب تعالیٰ نے فیصلہ کر رکھا ہے۔ بخاری شریف میں سیّدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((اَشْبَهْتَ خَلْقِيْ وَخُلُقِيْ)) [1]

''تم سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہو۔''

آپ اپنے دونوں بھائیوں علی اور عقیل سے بڑے تھے۔ آپ نے اپنے چچا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ پرورش پائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اپنی بیوی اسماء بنت عمیس سمیت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ آپ آغاز اسلام میں نور و ایمان کے اس قافلہ کے راہی بن گئے۔ جب کفار اشرار کے ظلم و ستم حد سے بڑھ گئے تو حبشہ ہجرت کی اجازت مل گئی۔ آپ ان پندرہ مسلمانوں میں شامل تھے جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی۔ ہجرت کے تھوڑے عرصہ بعد ہی یہ افواہ سن کر مکہ لوٹ آئے کہ اب مکہ میں اسلام کے قدم مضبوط ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی ہے۔ مکہ آکر اس افواہ کے غلط ہونے کا علم ہوا۔ اور انہیں مکہ آکر پہلے سے بھی زیادہ سختیوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کچھ عرصہ بعد مسلمان پھر حبشہ ہجرت کر گئے۔ اس قافلہ کی قیادت جناب جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھی۔ آپ قافلہ کے امیر مسلمانانِ مکہ کے سفیر اور اسلام کے متکلم تھے۔ نجاشی نے ان سب کو پناہ دی اور اب یہ لوگ اطمینان سے رہنے لگے۔ شب و روز عبادت میں مشغول ہو گئے۔

جب آپ نجاشی کے دربار میں داخل ہوئے تو صرف سلام کیا۔ اہل دربار نے شور مچایا کہ تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ آپ نے فرمایا: ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: اس لیے کہ رب تعالیٰ نے ہماری طرف رسول بھیجا اور اس نے ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ ہم ایک اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں۔ انہوں نے ہمیں نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ اللہ اکبر! پردیس، بے سرو سامانی، نہ اعوان و انصار نہ خویش تبار، پھر بھی عقیدۂ توحید کا کس جرأت کے ساتھ دفاع کیا۔ اور ذرا نہ جھجھکے اور پورے وثوق و اذعان کے ساتھ دین حق کے مفاہیم کو سمجھایا۔ جی ہاں! سچے اور کھرے مومن یوں ہوا کرتے ہیں! یہ لوگ کفارِ مکہ کی چیرہ دستیوں سے دین حق کو بچا کر یہاں لے آئے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہاں بھی دین حق کی دعوت کو ترک نہ کیا اور ایک وقت آیا کہ نجاشی کے محل تک یہ دعوت پہنچ گئی اور اس کے دربار میں کتاب اللہ کی تلاوت کی گئی۔ دین اسلام کی عظمت بیان کی گئی اور خود نجاشی مسلمان ہو گیا۔ سیّدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی محنتیں رنگ لائیں اور انہوں نے اپنی

محنتوں کا پھل اس دیارِ غیر میں چکھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو خط لکھا کہ جعفر اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ بھیج دیا جائے تو نجاشی نے ان سب کو ایک کشتی میں سوار کر کے روانہ کر دیا۔ مہاجرین حبشہ خیبر کی فتح تمام ہونے کے وقت مدینہ پہنچے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اپنی خوشی پر قابو نہ پاسکے ان کے ماتھے پر بوسہ دیا اور بے اختیار فرمایا: میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفر کے آنے کی زیادہ خوشی ہے۔ یا خیبر کے فتح ہونے کی؟[1] اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گلے لگایا۔

دوستو! سیّدنا جعفر حبشہ سے مدینہ آ گئے۔ مگر پوری طرح آرام نہ کیا، ہجرت کی تھکن نہ اتاری، اور استراحت کی لذت نہ اٹھائی بلکہ مسلسل راہِ جہاد میں تھکتے اور چور ہوتے رہے۔ اور ابھی سال بھی نہ ہوا تھا کہ معرکۂ موتہ پیش آ گیا اور آپ کو اس کے تین امراء میں سے ایک امیر مقرر کر دیا گیا۔ ان مجاہدین نے رومی سرحدوں پر جا کر رومیوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ یہ سن ۸ھ کا قصہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ زَيْدٌ، فَإِنْ أُصِيبَ فَجَعْفَرٌ، فَإِنْ أُصِيبَ جَعْفَرٌ فَابْنُ رَوَاحَةَ)) [1]

''تمہارے امیر زید ہیں اگر زید قتل ہو جائیں تو جعفر (تمہارے امیر ہوں گے) اور اگر جعفر (بھی) شہید ہو جائیں تو (پھر عبد اللہ) ابن رواحہ (تمہارے امیر ہوں گے)۔''

اس معرکہ میں مسلمانوں اور رومیوں کی فوجوں کی تعداد، سامانِ حرب اور آلاتِ جنگ و قتال میں واضح فرق تھا۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار جب رومی دو لاکھ کے قریب تھے۔ موتہ کے مقام پر دونوں فوجیں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئیں اور گھمسان کا دن پڑا۔ جنگ کا جھنڈا سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا۔ زید بڑی بے جگری سے لڑے سینے پر نیزے سہے اور بالآخر شہید ہو گئے۔ سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ جب سواری پر سوار ہوتے ہوئے لڑنے میں دقت محسوس کرنے لگے تو اتر کر اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں تاکہ بھاگنے کا خیال بھی دل میں نہ آئے۔ اسلام میں میدانِ قتال میں اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹنے والے پہلے مسلمان آپ ہیں۔ لڑتے لڑتے دایاں ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈا گود میں لے لیا۔ اور بالآخر شہید ہو گئے۔

ان کے بعد جھنڈا سیّدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لے لیا۔ گھوڑے پر آگے بڑھے۔ نفس کو ذرا تردد ہوا تو خود کو یہ کہا:

أَقْسَمْتُ يَا نَفْسُ لَتَنْزِلِنَّه

طَائِعَةً أَوْ لَتُكْرَهِنَّه مَالِي

فطالما قد كنتِ مطمئنة

اراكِ تكرهين الجنة

"اے نفس! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو ضرور اتر کر کفار اشرار کے ساتھ قتال کرے گا۔ اب خوشی سے اتر یا ناگواری سے تو نے کتنا زمانہ بڑے اطمینان سے گزارا ہے، کیا بات ہے، میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تو جنت کو ناپسند کر رہا ہے۔"

پھر گھوڑے سے اتر کر قتال کیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ ان کے بعد سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لے لیا۔ بخاری کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "الصلوٰۃ جامعۃ" (جامعہ نماز) کی منادی کرادی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اکٹھے ہونے پر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ میدانِ کارزار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے کر دیا گیا۔ اور فرمایا: "زید نے جھنڈا لیا اور شہید ہو گیا۔ ان سے جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ابن رواحہ نے لے لیا، وہ بھی شہید ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سب سنتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (آگے فرمایا) یہاں تک کہ جھنڈے کو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لے لیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے انہیں فتح دی۔" [1]

اسی دن سے سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ کا لقب سیف اللہ پڑ گیا۔

دوستو! اگر سرزمین حبشہ نے سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو صابر و شاکر، عابد و زاہد، داعی و معلم اور خطیب و واعظ دیکھا تھا تو سرزمین موتہ نے آپ کو مجاہد صادق، ثابت قدم شجاع اور عظیم شہید کے روپ میں دیکھا جس کے بدن کے انگ انگ سے خون بہہ رہا تھا۔ بخاری کی روایت کے مطابق آپ کے بدن پر تیر، تلوار اور نیزوں کے نوے سے زیادہ زخم تھے جو سب کے سب سامنے تھے، پیٹھ پر ان میں سے ایک زخم بھی نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی عظیم قربانی پر آپ کو "جعفر طیار" کا وہ لقب عطا فرمایا جس سے دنیا اس سے قبل اور خود آپ اپنی زندگی میں واقف نہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری دنیا کو اس بات کی خبر دی کہ رب تعالیٰ نے انہیں ان کے اللہ کی راہ میں کٹ جانے والے دونوں بازوؤں کے بدلے میں دو پر عطا فرمائے ہیں جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھرتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب بھی سیّدنا عبداللہ بن جعفر کو سلام کرتے تھے تو ان الفاظ کے ساتھ کرتے تھے۔

((اسلام علیک یا ابن ذی الجناحین))

"اے دو پروں والے کے بیٹے! تمہیں سلام۔"

رب تعالیٰ جعفر مجاہد صادق، شہید طیار، سخاوت کے ابر مدرار سے راضی ہو جو سیرت اور صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد مشابہ تھا۔ جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل میں سے محض حصولِ برکت کے لیے یہ چند فضائل کا تذکرہ تھا۔

## سیّدہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا

آج ہم سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا پر گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ سیدہ، ہاشمیہ، قرشیہ فاختہ بنت ابی طالب بن عبدالمطلب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد، علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی ہمشیر ہیں۔ والدہ کا نام فاطمہ بن اسد رضی اللہ عنہ ہے۔ سیّدہ

ام ہانی رضی اللہ عنہا کے نام کے بارے میں تین اقوال ہیں فاختہ، ہند اور فاطمہ۔ ام ہانی کنیت ہے اور اسی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ ہجرت سے پچاس برس قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند برس چھوٹی تھیں۔ بے حد خوش اخلاق، فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل تھیں۔ سیّدہ ام ہانی نے اپنے والد ابو طالب کے گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پرورش پائی جیسا کہ معروف ہے کہ دادا عبد المطلب کی وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چچا ابو طالب نے اپنی پرورش میں لے لیا تھا۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو قریش کے ایک سربر آوردہ شخص ہبیرہ بن وہب مخزومی نے نکاح کا پیغام بھیجا جس کو ابو طالب نے منظور کیا اور سیّدہ فاختہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کی ہبیرہ سے شادی ہوگئی۔ بعثت کے بعد آپ کے خاوند شرک پر مصر رہے اور ایمان نہ لائے۔ خاوند کی رعایت میں ام ہانی نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ البتہ اس کے بعد سیّدہ ام ہانی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور حسن سلوک میں ذرا کمی نہ آنے دیتیں۔ اسی لیے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ سے ملنے آپ کے گھر اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ بالخصوص جناب ابو طالب اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد تو آپ سے ملنے بہت زیادہ تشریف لے جاتے۔ رب تعالیٰ نے سیّدہ ام ہانی کو ایک بہت بڑی عزت سے نوازا۔ جانتے ہیں کہ وہ کون سی عزت ہے؟ جی ہاں! وہ عزت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو اس نورانی اور افلاکی سفر کا آغاز سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے گھر میں عشا کی نماز ادا فرمائی اور عالم ملکوت کی سیر سے واپس آکر آپ ہی کے گھر میں فجر کی نماز بھی ادا فرمائی۔ خود سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: ''جس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی۔ آپ میرے گھر میں تھے۔ آپ نمازِ عشا ادا کرنے کے بعد سو رہے تھے۔'' [1]
(کہ فرشتے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے گھر سے معراج پر لے گئے)

طائف کے سفر میں وہاں کے سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو بے رخی اور اس پر مستزاد ظلم کیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک خون سے بھر گئے کتب سیرت میں یہ قصہ معروف ہے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے بے حد مضموم اور زخموں سے رنجور تشریف لائے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے۔ رات بھی آپ ہی کے گھر میں گزاری۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غمگین دل کو آپ کے پاس آکر ڈھارس دی۔ معراج کا عظیم واقعہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی خاص کرامت ہے جب بھی یہ واقعہ نوکِ زبان آئے گا۔ سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر کا ذکر بھی ضرور آئے گا۔ واپسی پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر قریش کو اس واقعہ کی خبر دینا چاہی تو سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا ایک پلو پکڑ کر بصد ادب عرض کیا: ''یہ واقعہ لوگوں کو مت سنایے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں گے اور ستائیں گے۔'' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمت واستقامت کے کوہِ گراں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر سب لوگوں کو یہ واقعہ سنایا۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما گئے۔ سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا اپنے خاوند اور اولاد کے ساتھ مکہ میں ہی رہیں۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی خبریں متواتر ملتی رہتی تھیں اور آپ سن کر بے حد مسرور ہوتیں۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کا زمانہ آگیا اور ۸ھ میں مکہ فتح ہوگیا۔ اسلام مکہ کی وادی پر غالب آیا۔ بیت اللہ سے کفر وشرک کا ہر نشان مٹا دیا گیا۔ آپ کا خاوند ہبیرہ فتح مکہ کی خبر سن کر فرار ہو کر نجران چلا گیا۔ اور اسلام قبول نہ کیا۔ جب کہ سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا اپنے بچوں سمیت اسلام لے آئیں۔

فتح مکہ کا دن بے حد عظیم تھا۔ اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بے پناہ عظمتوں اور بلندیوں کا اظہار کیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کو یک لخت یہ کہہ کر معاف کر دیا:

((اِذْہَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ))

"جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو۔"

اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بے حد برے اور بڑے دشمنانِ اسلام کے خون کو رائیگاں قرار دیا اور حکم دیا کہ وہ جہاں بھی ملیں ان کو قتل کر دیا جائے۔ چاہے کعبہ کے پردوں میں بھی ملیں۔ کیونکہ ان بعض لوگوں نے دین خدا اور پیغمبر الہ کی دشمنی اور عداوت کی حد کر دی تھی۔

اس دن سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما رہے۔ سیّدہ فاختہ، چچیری بہن کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان الفاظ کے ساتھ خوش آمدید کہا:

((مَرْحَبًا بِاُمِّ ہَانِئٍ))

"ام ہانی کو مرحبا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات نماز ادا فرمائی بعد میں سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ انہوں نے اپنے دو مشرک دیوروں کو پناہ دے دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جن کو اے ام ہانی! تم نے پناہ دی، ہم نے پناہ دی۔" [1] ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "جن کو تم نے امن دیا ان کو ہم نے بھی امن دیا۔"[1]

آپ کے بھائی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو قتل کرنا چاہا تو آپ نے دروازہ بند کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں کے لیے امان طلب کر لی جو دے دی گئی۔ ذرا دیکھیے کہ اسلام نے عورت کو کس قدر حقوق دیے ہیں کہ اس کی دی پناہ کا اس قدر احترام ہے۔ حتیٰ کہ ابن المنذر کہہ اٹھے: "علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کا پناہ دینا جائز ہے صرف ابن ماجشون اس کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔" [2]

ہبیرہ تو نجران بھاگ گئے جب کہ سیّدہ ام ہانی ایمان لے آئیں۔ اس بنا پر دونوں کے درمیان تفریق کر دی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے خود نکاح کر لینا چاہا تو عرض کرنے لگیں کہ: "یا رسول اللہ! میں عمر رسیّدہ اور عیال دار ہوں۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا۔ اور آپ کے بارے میں فرمایا:

((خَیْرُ نِسَاءٍ رَکِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَیْشٍ أَحْنَاہُ عَلَی وَلَدٍ فِی صِغَرِہٖ وَأَرْعَاہُ عَلَی زَوْجٍ فِی ذَاتِ یَدِہٖ)) [3]

"اونٹوں پر سوار ہونے والی سب سے بہتر عورتیں۔ قریش کی سب سے نیک عورتیں جو اپنے ننھے بچوں پر سب سے زیادہ شفیق اور خاوند کے مال کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والی ہے۔"

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کی بنا پر قریش کی عورتوں اور بالخصوص سیّدہ ام ہانی کو سب سے نیک عورت قرار دیا ہے:

ا۔ اولاد پر بے حد شفقت ومہربانی: کہ قریش خواتین اپنی اولادوں پر بے حد شفیق ومہربان ہوتی ہیں حتی کہ ان پر شفقت کی بنا پر دوسری شادی نہیں کرتیں۔

۲۔ یہ خاوند کی جائیداد اور اس کے مال کی بے حد حفاظت کرتی ہیں۔

اے میری بہنو اور ماؤں! کیا تم نہیں چاہتیں کہ تم بھی سب سے بہتر عورتیں بنو۔ کون سی عورت ہے جو ایسا نہیں بننا چاہتی؟ تو پھر آؤ! تم بھی قریش خواتین اور ام ہانی فاختہ رضی اللہ عنہا کی راہ پر چلو جو اولادوں پر بے حد مہربان اور خاوندوں کے حق میں بے حد دیانتدار تھیں۔ یہ ہے ہمارا دین جو یہ چاہتا ہے کہ عورت محبت وشفقت کا سرچشمہ اور قربانی کا پیکر بنے۔ تو پھر آؤ، تم بھی میرے ساتھ یہ ترانہ گنگاؤ۔

وَاِنَّمَا اَوْلَادُنَا بَيْنَنَا اِنْ

اَكْبَادُنَا تَمْشِيْ عَلَى الْاَرْضِ

هَبَّتِ الرِّيْحُ عَلَى بَعْضِهِمْ

الْعَيْنُ مِنَ الْغَمَضِ

"بے شک یہ ہماری اولادیں دراصل زمین پر ہمارے جگر کے ٹکڑے ہیں جو چل پھر رہے ہیں اگر ان میں سے کسی پر ہوا چلتی ہے تو ہماری آنکھ سونا بھول جاتی ہے۔"

یہ ہے ایک مسلمان ماں کا شفقت ورحمت کا سراپا بخلاف مغربی عورت کے جو مادی زندگی میں ڈوب کر رہ گئی ہے اور اسے پیسہ کمانے کی دوڑنے تھکا کے رکھ دیا ہے۔ اور آج اسے ماں کی ممتا تک کا شعور وادراک نہیں رہا۔ ذرا ام ہانی کو دیکھیے کہ اپنی اولاد کی خاطر ام المومنین بننے سے عذر کر دیا تاکہ اولاد کی تربیت کا اہم ترین فریضہ سرانجام دے سکیں اور اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعد میں سیّدہ ام ہانی اپنے رب کی عبادت اور اولاد کی تربیت میں لگ گئیں۔ اور انہیں ایک نیک اولاد بنایا۔ پھر خلافت مرتضوی رضی اللہ عنہ میں آپ کے فرزند جعدۃ بن ہبیرہ خراسان کے والی بنے۔ سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے تقریباً چھیالیس احادیث روایت کی ہیں۔ آپ نے ۴۰ھ میں انتقال کیا۔ رضی اللّٰہ عنھا وارضاھا

## سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد

## سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

آج ہم سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں کھلنے والے پہلے پھول، آلِ بیت رسول کی سر سبز و بار آور شاخ، اور آفاقِ عالم پر روشن ہونے والے آلِ بیت رسول کے چشم و چراغ سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہاشمی قرشی کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ آپ ۳ھ رمضان المبارک میں پیدا ہوئے آپ شہید مدینہ اور پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ نواسۂ رسول، حبیب خدا کے دنیا میں پھول "اہل جنت کے جوانوں کے سردار" اور ان دوخوش نصیب ترین انسانوں میں سے ایک ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت منحصر ہے، اور آپ ان چار افراد میں سے بھی ایک جن کو لے کر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصاریٰ نجران کے ساتھ مباہلہ کرنے نکلے تھے۔

"وفیات الاعیان" میں ایک شامی سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: "میں مدینہ منورہ آیا۔

میں نے خچر پر سوار ایک صاحب دیکھے میں نے ان سے زیادہ خوبرو، وجیہ اور خوش لباس کسی اور کو نہ دیکھا۔ میرا دل ان کی طرف مائل ہو گیا۔ میں نے ان صاحب کے بارے میں پوچھا تو بتلایا گیا کہ یہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں۔" یہ سن کر میرا دل ان کی نفرت سے بھر گیا۔ مجھے علی رضی اللہ عنہ پر اس بات کا حسد ہوا کہ ان کا بیٹا بھی ان جیسا ہو۔ پس میں نے ان کے پاس جا کر انہیں سب وشتم کرنا شروع کر دیا۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: "میرا خیال ہے کہ تم مسافر پردیسی ہو" میں نے کہا: جی ہاں! تو فرمایا: "گزر جاؤ۔ اگر ٹھکانا چاہتے ہو تو ٹھکانا دیتے ہیں، مال چاہیے تو وہ دیتے ہیں، کوئی حاجت ہے تو تیری مدد کرتے ہیں۔" وہ شامی کہتا ہے: میں یہ بات سن کر لوٹ گیا۔ اور اب مجھے روئے زمین پر حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب کوئی نہ تھا۔ میں نے کو ب سوچا کہ میں نے کیا کیا اور انہوں نے کیا کیا۔ پھر میں نے ان کی تو شکر گزاری کی اور خود کو بے حد ملامت کیا۔[1]

سیّدنا حسن بن علی ابو محمد رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا کی رسالت کے زیر سایہ تربیت حاصل کی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نبوی اخلاق وعادات سے آراستہ کیا، عدل وانصاف اور یسر وسماحت کی خوبیوں سے مزین کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ)) [2]

"جس نے حسن اور حسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔"

اسی لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ سے بے حد محبت کرتے تھے ایک مرتبہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ کے رستے میں جناب الحسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی تو عرض کیا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ذرا اپنے بطن کا وہ حصہ تو کھولیے، جہاں نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم بوسہ دیا کرتے تھے تاکہ میں بھی وہاں بوسہ دوں۔" اس پر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بطن کھولا تو سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی ناف پر بوسہ دیا۔[1]

فِی رَوْضِ فَاطِمَةَ نَمَا غُصْنَانِ لَمْ

يَنْجِبْهُمَا فِی النَّيِّرَانِ سِوَاهَا

فَأَمِيرُ قَافِلَةَ الْجِهَادِ وَقُطْبِ دَائِرَةَ

الْوِئَامِ وَلَاتِّحَادِ أَبْنَاهَا

حَسَنُ الَّذِی صَانَ الْجَمَاعَةَ بَعْدَ مَا

أَمْسٰى تَفَرُّقُهَا يَحِلُّ عُرَاهَا

تَرَكَ الْإِمَامَةَ ثُمَّ أَصْبَحَ فِی الدِّيَارِ

امام الفتها وحسن علاها

"سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باغ میں دو شاخیں پھلی پھولیں کہ اس باغ میں ان دو سے زیادہ روشن شاخیں اور نہ اگیں۔ سیّدہ فاطمہ کے یہ دونوں بیٹے قافلہ جہاد کے امیر اور اتفاق و اتحاد کے نکتہ ارتکاز تھے۔ یہ دیکھیے! یہ حسن بن علی ہیں جنہوں نے اس جماعت کو اس کے بعد کہ اس کا شیرازہ بکھر گیا تھا اور افتراق و انتشار نے اس کے صحن میں ڈیرے ڈال دیئے تھے جوڑا اور اس کی شیرازہ بندی کی۔ آپ خلافت و امامت سے دست بردار ہو کر بلاد و امصار میں محبوب خلائق بن گئے اور آپ نے آبادیوں کے حسن میں اور بھی اضافہ کیا۔"

میرے بھائیو! جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی سیرت ہمیں بتلاتی ہے کہ ایک امیر اور قائد کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیے اس کی ماضی حال اور مستقبل کے سب احوال پر گہری نگاہ ہو، وہ صرف اللہ ہی سے مدد کا خواستگار ہو۔ آپ زبردست اصلاحی صفات اور تنفیذی قوت کے مالک تھے، آپ کی دور رس نگاہیں اسباب و شرائط اور مراحل و نتائج سب پر جمی ہوتی تھیں۔

بلکہ آپ ہر کام کی مشکلات اور اس کی رکاوٹوں سے بھی آگاہ ہوتے تھے اور ان سے نبٹنا بھی جانتے تھے۔ سیّدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر ارشاد فرماتے سنا۔ اس وقت حسن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھے تھے، تو کبھی لوگوں کی طرف التفات فرماتے تو کبھی حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے۔" پھر ارشاد فرمایا:

"میرا یہ بیٹا سردار ہے، شاید اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے۔" [1]

اس حدیث میں جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کی بے حد منقبت بیان کی گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی خبر دی کہ حسن سردار ہیں۔ سردار قوم کا بڑا ہوتا ہے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو یہ لقب دربارِ رسالت سے عطا ہوا، لیکن یہ کیسا لقب ہے؟ یہ کس سیادت و ریاست اور سرداری کا مژدہٗ جانفزا ہے...!!! اس کی خبر خود سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت دیتی ہے، آپ نے قیامت تک آنے والی انسانیت کو سکھلایا کہ سیادت و سرداری یہ قہر و جبر اور خونریزی کا نام نہیں، یہ قتل و غارت کا بازار گرم کرنے اور لاشوں کا انبار لگانے کا نام نہیں۔ بلکہ سرداری تو جانوں، مالوں، خونوں اور عزتوں کی حفاظت کا نام ہے۔ حقیقی سیادت بغض و نفرت کی آلائشوں کو دھو کر سینوں کو بے کینہ کر دیتی ہے۔ سچی سرداری نا اتفاقی ختم کر کے اتفاق و اتحاد پیدا کرتی ہے۔ اصلاحِ احوال اس کا پہلا ثمرہ ہوتا ہے، جس سے قوم کا کلمہ ایک ہو جاتا ہے۔

یہی درس ہمیں امام حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت سے ملتا ہے۔

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیرۃ تاریخ انسانیت کا ایک روشن ترین ورق ہے۔ آپ وہ امام تھے جن کی پیروی ذریعہ نجات ہوتی ہے۔ ان کے قول و فعل کو نمونہ بنایا جاتا ہے اور ان کی سیرت ایمان و جذبات کا قوی مصدر و منبع ہوتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کی ہر ہر حرکت سے دین کا فہم سلیم حاصل ہوتا ہے۔ پر کیوں اور کیسے؟

کیونکہ ہمیں امام حسن رضی اللہ عنہ جیسے آئمہ کی سیرت سے ہی اختلاف کی فقہ اور مصالح و مفاسد کا ادراک حاصل ہوتا ہے اور انسانیت کو مقاصد شرعیہ اور خواہشاتِ نفس پر قابو پانے کا شعور ملتا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رب تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمان کی "دو عظیم" جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔[1]

''**عظیم**'' کا لفظ اس بات کی طرف ہے کہ ان دنوں تمام مسلمانوں دو جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک جماعت جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی تو دوسری جماعت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی۔ پھر واقعی ویسا ہی ہوا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ بیشک یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے: جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے والد ماجد امیر المومنین سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد زمامِ خلافت سنبھالی اور اس بھاری ترکہ کو کندھے پر اٹھایا جو جنابِ علی رضی اللہ عنہ چھوڑ گئے تھے تو دیکھا کہ جنابِ علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ خلافت علاقوں میں شدید ابتری اور انارکی پھیل گئی ہے۔ ہر طرف بغاوت کی پکاریں ہیں۔ تلواریں شامیوں کا خون پینے کو بے چین ہیں۔ عراقی آپ کے اور شامی سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ لشکر لے کر روانہ ہوئے اور مدائن جا کر فروکش ہو گئے۔ مدائن بغداد سے چھ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ قتال کی بجائے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے کی طرف مائل تھے۔ لیکن آپ نے زبردست بصیرت و فراست کا اظہار کیا جو آپ کی گہری فقاہت کو بتلاتی تھی۔ وہ یوں کہ آپ نے ابتداء میں عراقیوں کو صلح کی طرف متوجہ نہ کیا کیونکہ آپ عراقیوں کی طبیعت و

فطرت سے خوب واقف تھے۔ کہ یہ لوگ جنگجویانہ مزاج کے ہیں۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خروج کی خبر سن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تیاری کر کے عراق کی طرف چل پڑے۔ پھر پہلے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح کی بات چیت کرنے کے لیے اپنے دو قاصد روانہ کیے۔ قاصدوں نے پہنچ کر صلح کی بات چیت کی۔ آپ نے دونوں کی گفتگو بڑے غور سے سنی۔ پھر فرمایا: بھلا اس بات کا ضامن کون ہے کہ معاویہ وفا کریں گے؟ بولے: ہم ضامن ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ صلح پر آمادہ ہوگئے اور تمام بات چیت طے پاگئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جنابِ حسن میں سیادت و قیادت کی زبردست صلاحیت تھی۔ کہ کیسے قوم میں امن و اطمینان قائم کیا جاتا ہے اور ان میں اتفاق و اتحاد قائم کر کے انہیں کس طرح ترقی کی راہ پر گامزن کیا جاتا ہے۔ آپ چاہتے تو جنگ کر سکتے تھے لیکن آپ نے صلح کرنے کو ترجیح دی۔ لیکن کیوں؟ کسی لذت، قلت، یا علت کی بنا پر نہیں بلکہ امت میں توحید پیدا کرنے کے لیے۔ ان کے خونوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے۔ اس کی دلیل خود سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ: "عربوں کے قبیلے میری مٹھی میں ہیں وہ اس کے ساتھ صلح کریں گے جس کے ساتھ میں صلح کروں اور جس سے میں جنگ کروں گا اس کے ساتھ وہ بھی جنگ کریں گے۔ مگر میں نے اللہ کی رضا کے لیے جنگ ترک کر دی ہے۔" اے حسن رضی اللہ عنہ! سبحان اللہ! تو کتنا عظیم امام ہے بلکہ تو اتفاق و اتحاد کا امام ہے۔ دنیا نے اگر امن و سلامتی اور وحدت و الفت کا درس سیکھنا ہے تو تیرے در پر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ امت نے صلح کے اس سال کا نام ہی "عام الجماعہ" (اتفاق و اتحاد اور وحدت و یگانگی کا سال) رکھ دیا۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بدولت سب مسلمانوں نے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت و زعامت اور سیادت و خلافت پر اتفاق کر لیا اور افتراق و انتشار اور بد نظمی و پراگندگی کی چھائی طویل رات ڈھل گئی اور یوں امت مسلمہ کے افق پر امن و سلامتی اور الفت و محبت کا آفتاب طلوع ہوا۔ اب باہمی ناچاقی ہوا ہوگئی۔

جس سے سب مسلمان اعدائے اسلام کے ساتھ جنگ و قتال کرنے کے لیے فارغ ہوگئے اور فتوحاتِ اسلامیہ کا دائرہ نہایت دور تک پھیلنے لگا۔

کیا اہل اسلام کے لیے یہ ممکن ہے کہ صلح کے اس عظیم واقعہ کا ذکر آنے پر وہ جہاں رب تعالیٰ کے خاص فضل و احسان کو تو یاد کریں پر اس عظیم مدبر قائد و سردار کی اونچی ذات کو بھول جائیں جن کی شکل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عظیم پیشین گوئی پوری ہوئی۔ کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ شاید اللہ میرے اس بیٹے کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔ بظاہر آپ نے صلح کر کے منصب سیادت کو چھوڑ دیا لیکن اس کا کیا کیجیے کہ زبان رسالت صداقت بیان آپ کو "سید" (سردار) کہہ رہی ہے تو معلوم ہوا کہ حقیقی سیادت مصلحت کی رعایت اور امت میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی حرص ہے۔ اس لیے آپ مسند اقتدار چھوڑ کر بھی "سید" ہیں اور یہی عظیم لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے۔

## محمد مہدی رحمہ اللہ

سب سے افضل اور مبارک جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور مبارک تھا۔ جس میں زمین اور آسمان کے درمیان اتصال پیدا ہوا۔ جس میں انسانیت کو وحی کی ہدایت ملی۔ اس زمانہ میں امت بزرگی اور کمال کے بلند ترین درجہ تک پہنچی۔ لیکن انبیاء کی وفات کے بعد جب وحی کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے تو امت کے ہاتھوں سے وقت کے ساتھ ساتھ وہ بزرگی نکلتی چلی جاتی ہے۔ پھر گزشتہ امتوں کی طرح اس امت کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ یہ انحطاط روز افزوں ہے۔ اس سنت کونیہ کی خود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے چنانچہ فرمایا:

((إِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ)) [1]

"نہیں آئے گا تم پر کوئی زمانہ مگر اس کے بعد کا زمانہ پہلے سے زیادہ برا ہو گا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو گے۔"

مگر رب تعالیٰ کی یہ بندوں پر رحمت ہے کہ گاہے بگاہے وہ رشد و ہدایت کی طرف لوٹتے رہتے ہیں اور ان پر ایک زمانہ ایسا آتا ہے جس میں وہ امت کے عہد اوّل کو یاد کریں گے۔ انہی میں سے ایک زمانہ وہ ہو گا جس میں مہدی امت کے لیے ہادی و مصلح بن کر نکلے گا۔ جب کہ اس سے قبل شرک عام ہو گا۔ ہر طرف باطل پھیلا ہو گا اور زمین ظلم و جور سے بھری ہو گی۔ سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میری امت میں مہدی نکلے گا۔ (اس کے زمانہ میں) رب تعالیٰ زمین پر بارش برسائے گا۔ اور زمین اپنے دفینے نکال باہر کرے گی اور وہ تندرست کو مال عطا کرے گا اور چوپایوں کی کثرت ہو جائے گی۔ اور امت (کا معاملہ) عظیم ہو گا اور وہ (اپنے ظہور کے بعد) سات یا آٹھ سال جیے گا۔" [1]

اس حدیث کا تعلق امور غیبیہ سے ہے۔ مہدی اخیر زمانے میں نکلے گا اس زمانہ کے واقعات ایمان میں اور اضافہ کریں گے اور مسلمان کو ان احوال کے لیے تیار ہو جانے کی دعوت دیں گے۔ یاد رہے کہ جب قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے ایک علامت بھی ظاہر ہو گی تو اس کے پیچھے باقی کی علامات اس قدر تیزی اور تسلسل کے ساتھ ظاہر ہوں گی جیسے موتیوں کی لڑی کے ٹوٹنے کے بعد موتی ایک دوسرے کے پیچھے گرتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں علامات میں سے ایک علامت "رجل صالح" کا ظہور ہے جن کے بارے میں احادیث اپنی کثرتِ طرق کی بنا پر معنوی تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ صالح شخص کون ہے؟ آج ہم اس کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ اس کے نام و نسب، اخلاق و صفات، صورت و سیرت اور اس کے زمانہ کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

## نام و نسب:

ان کا نام محمد بن عبد اللہ ہو گا۔ جو "مہدی" کے نام سے معروف ہوں گے۔ یہ آلِ بیت نبوی، اور ذریت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوں گے۔ جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ یہ محمد بن عبد اللہ علوی حسنی ہاشمی ہیں۔ ترمذی میں سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دنیا اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک کہ یہ نہ ہو گا کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک اور فرمانروا ہو گا۔ اس کا نام میرے نام کے مطابق (محمد) ہو گا۔" [2]

سنن ابی داؤد میں سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "اگر دنیا کا صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو رب تعالیٰ اس ایک دن کو بھی اس قدر طویل کر دے گا یہاں تک کہ اس میں مجھ سے یا میرے اہل بیت سے ایک آدمی بھیجے گا جس کا نام میرے نام اور اس کے باپ کا نام میرے نام کے مطابق (محمد بن عبد اللہ) ہو گا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح پہلے وہ ظلم و جور سے بھری تھی۔[1] امام احمد اور ابن ماجہ نے

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ: "مہدی ہم اہل بیت میں سے ہے رب تعالیٰ ایک ہی رات میں اس کی اصلاح فرما (کر اسے عامل بنا) دے گا۔" [2]

## حلیہ مبارک:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کا حلیہ اس قدر اہتمام سے بیان فرمایا تاکہ ان کا معاملہ سب پر خوب واضح ہو جائے اور جب ان کا ظہور ہو تو اہل ایمان ان کی نصرت و تائید کریں نا کہ انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں۔ بالخصوص جب کہ ان کا ظہور سخت فتنوں اور آزمائشوں میں ہو گا۔ چنانچہ فرمایا کہ: "مہدی میری اولاد میں سے ہو گا، اس کی پیشانی روشن اور کشادہ ہو گی جب کہ ناک اونچی ہو گی۔" [3] جس کا بانسہ باریک ہو گا۔

## مہدی کا زمانۂ خروج:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ مہدی کا ظہور اس زمانہ میں ہو گا جب ہر طرف ظلم وجور کا راج ہو گا۔ منکرات کی کثرت اور عدل کی قلت ہو گی۔ رب تعالیٰ اس مومن مرد کے ہاتھوں ظلم کو دور فرما کر امت کے احوال کی اصلاح فرمائیں گے۔ دین کو سربلند کریں گے۔

### مدتِ بقاء:

ظہور کے بعد وہ کتنے عرصہ تک زمین پر باقی رہیں گے اس کو گزشتہ حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ سات یا آٹھ سال کا زمانہ ہو گا۔ ان کی وفات کے بعد ایک بار پھر زبردست فتنے پھیل جائیں گے۔ بے شک اخیر زمانہ میں مہدی کا ظہور اس امت پر رب تعالیٰ کی رحمت ہے۔ دعا ہے کہ رب تعالیٰ ہم سب کی فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

## مکانِ ظہور:

احادیث بتلاتی ہیں کہ: "مہدی مشرق کی جانب ظہور فرمائیں گے۔ رب تعالیٰ اہل مشرق کے ساتھ لوگوں کی مدد فرمائیں گے اور وہ مہدی کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔ یہ کعبہ کے پاس ان کے ہاتھ پر بیعت کے بعد ہو گا۔ ان کے جھنڈے سیاہ ہوں گے۔ جو وقار کی علامت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بھی سیاہ تھا جس کو عقاب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔" [1]

بیعت کے بعد مہدی جہاد میں مشغول ہو جائیں گے جن میں مہدی فتح سے ہم کنار ہوں گے اور ملک عرب پر ان کی فرمانروائی قائم ہو جائے گی۔ مہدی اسلام کو مستحکم کریں گے، ان کے زمانہ میں عدل خوب پھیلے گا۔ اس دور میں وہ خوش الحالی اور آسودگی ہو گی جس کی مثال اس سے قبل دیکھنے میں نہ آئی ہو گی۔ حتی کہ مال لینے والا مستحق ونادار ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گا۔ زمین اپنی برکتیں باہر نکال کے رکھ دے گی اور آسمان خوب رحمت برسائے گا۔

بغیر گنے مال دیا جائے گا۔ بقول ابن کثیر رحمہ اللہ: "ان کے زمانہ میں پھلوں کھیتیوں کی کثرت اور مال کی بہتات ہو گی۔ دین قائم اور سلطان کا غلبہ ہو گا۔ جب کہ دشمن ذلیل ہو گا ان کے زمانہ میں خیر ہمیشہ ہو گی۔" [2]

یہ ہیں وہ مہدی جو فتنوں کی کثرت کے زمانے میں نکلیں گے جیسا کہ ہم نے احادیث کے حوالے سے بیان کیا۔ اگرچہ خروجِ مہدی احادیث متواترہ سے ثابت ہے لیکن اس مقام پر یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ ان احادیث میں انہیں ترکِ عمل کا کوئی درس نہیں ملتا کہ ہم ان کے نکلنے کی امید پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہیں بلکہ یہ احادیث تو ہمارے دلوں میں مصائب کی شدت اور کفر وضلالت کے غلبہ کے وقت امید کو بھرتی اور قوتِ عمل کو بیدار کرتی ہیں تاکہ ہم ناامیدی کا شکار نہ ہوں۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں: "مہدی کا معاملہ معلوم ہے۔ ان کے بارے میں احادیث متواتر ہیں جو ایک دوسرے کو قوی کرتی ہیں ان کا تواتر معنوی ہے جن کا طریق کثرت پر مشتمل ہے۔ جو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ان سب روایات کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ ایسے موعود شخص کا وجود ثابت ہے، اس کا خروج حق ہے یہ محمد بن عبد اللہ علوی حسنی ذریت حسن بن علی بن ابی طالب سے ہے۔ مہدی اخیر زمانہ میں امت پر رب کی رحمت ہو گا۔ مہدی نکل کر حق وعدل کو قائم کریں گے، ظلم وجور کی بیخ کنی کریں گے۔ رب تعالیٰ ان کے ذریعے امت پر خیر کے پرچم کو پھیلائے گا۔ لوگوں کو عدل وہدایت اور توفیق وارشاد سے نوازے گا۔" علامہ ناصر الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اپنے اہل بیت کے ایک شخص کی بشارت دی ہے اور واضح صفات وعلامات کو بیان کیا ہے۔ جن میں سے سب سے اہم علامت یہ ہے کہ وہ اسلام کو قائم کریں گے، لوگوں میں عدل پھیلائیں گے۔ وہ حقیقی مجدد ہوں گے جن کو رب تعالیٰ ایک صدی کے خاتمہ پر مبعوث فرمائیں گے۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے البتہ ان احادیث میں ہمیں ترک عمل کی دعوت نہیں ملتی کہ ہم تجدید دین کی سعی ترک کر کے بیٹھ رہیں۔ اس طرح ان احادیث سے ہمیں زمین میں رب کی خلافت قائم کرنے کی کوشش ترک کرنے کا درس بھی نہیں ملتا۔ بلکہ درست اس کے بالعکس ہے۔ مہدی زمین میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محنت نہ کر پائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ۲۳ سال تک لگاتار جدوجہد فرمائی۔ اگر مہدی آج نکل آئے تو مسلمانوں کو متفرق جماعتوں میں بٹا ہوا دیکھ کر کیا کریں گے؟ دولت اسلام کا قیام امت کے اتحاد واتفاق کے بغیر ممکن نہیں۔ ایسا کب ہو گا۔ اللہ ہی جانتا ہے۔ عقل وشرع دونوں کا تقاضا ہے کہ مخلص مسلمان اس واجب کو قائم کریں۔ چنانچہ جب مہدی ظاہر ہوں تو انہیں صرف مسلمانوں کو فتح ونصرت کا کی طرف لے جانا ہی ہو۔" [1]

# سیّدنا حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد واحفاد

## سیّدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا:

یہ سیّدہ فاطمہ بن حسین رضی اللہ عنہا ہیں جن پر لکھنے والوں نے بہت کم لکھا ہے لہٰذا میں اس پاکیزہ خاتون کے ذکر کی خوشبوؤں سے اہل ایمان کے دل و دماغ کو معطر کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ سیّدہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن ابی طالب، جلیل القدر تابعیہ، عالمہ محدثہ، مربیہ فاضلہ اور صابرہ وشاکرہ ہیں۔ یہ مجاہد شہید کی بیٹی ہیں جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں۔ اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرتا ہے اور حسین میرا ایک نواسہ ہے۔" [1]

اپنی دادی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بعد ام عبد اللہ فاطمہ بنت حسین نہایت ذی وقار تھیں بے شک سیّدہ فاطمہ جو دو خیر کے شجرۂ طیبہ کا ایک پاکیزہ پھل تھیں۔ سیّدہ فاطمہ بجا طور پر اپنی نانیوں اور دادیوں کے علم و ادب اور حسن اخلاق کی وارثہ تھیں۔ جن کا نسب کریم تھا۔ سیّدہ فاطمہ ماں باپ، چچے، ماموں، خاوند، اولاد، دیور غرض ہر رشتہ کے اعتبار سے اہل بیت نبوت سے تھیں۔ سیّدہ فاطمہ کی ذاتِ گرامی میں علو نسب اور شرف علم جمع تھے۔ والدہ کی طرف بنی تیم سے تعلق تھا۔ آپ کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تیمی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ امام زین العابدین علی بن حسین، اور شہید کربلاء علی اکبر اور علی اصغر وغیرہ جیسی بلند پایہ شخصیات آپ کے بھائی ہیں۔

چچا حسن بن علی ہیں جو جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ جب کہ بنی ہاشم کی عقیلہ سیّدہ زینب اور سیّدہ ام کلثوم آپ کی پھوپھیاں ہیں۔ حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ کے خاوند ہیں۔ اولاد میں عبد اللہ المحض، ابراہیم الغمر، حسن المثلث، زینب اور ام کلثوم جیسے عظمائے اہل بیت کے نام آتے ہیں۔ خاوند حسن المثنیٰ کی وفات کے بعد آپ عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ جب ان کا بھی انتقال ہو گیا تو پھر مرتے دم تک شادی نہ کی۔

گزشتہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حسن مثنیٰ کے نکاح کے پیغام کے وقت سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ فاطمہ میری ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ ہے۔

سبحان اللہ! آپ کے والد ماجد نے آپ کی جو یہ صفت بیان کی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ والد ماجد کی نگاہوں میں آپ کا مرتبہ بے حد بلند تھا۔ طبعی بات ہے کہ یہاں مشابہت سے صرف شکل و صورت کی مشابہت ہی مراد نہیں بلکہ سیرت کی مشابہت بھی مراد ہے۔ سیّدہ فاطمہ اس قدر حسین و جمیل تھیں کہ حور عین کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھیں جب کہ اخلاق اور شمائل و خصائل کا یہ عالم تھا کہ بنی ہاشم کی "درۃ الفواطم" کے لقب سے نوازی گئیں۔ آپ کی شادی اسی سال ہوئی جس سال والد ماجد جناب حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلاء میں شہادت سے نوازے گئے۔

یہ ۶۱ھ کا واقعہ ہے۔ میدانِ کربلا میں آپ والد ماجد کے ساتھ تھیں۔ شہادتوں کے وہ جملہ دلدوز مناظر آپ نے بھی دیکھے تھے۔ جنھوں نے دنیا کو دہلا کر رکھ دیا۔ اس دن سورج غروب نہ ہوا تھا کہ سیّدہ فاطمہ میدانِ کربلا میں اپنے والد ماجد، بھائیوں، چچوں، چچیرے بھائیوں اور وفادار ساتھیوں کے لاشوں کو خاک آلود دیکھ رہی تھی۔ مگر آپ نے کمال صبر کیا۔ گیارہ محرم کی صبح ابن زیاد کے ساتھی سواری کے لیے اونٹ لے آئے۔ آپ کو دیگر اہل بیت کے ساتھ یزید کی طرف لے چلے۔ ساربان آپ کو میدانِ معرکہ کے پاس سے لے چلے جہاں لاشیں بکھری پڑی تھیں وہ منظر بڑا دلدوز تھا، سیّدہ فاطمہ نے ناقہ کی پیٹھ پر پرنم نگاہوں کے والد ماجد کی شہید لاش کو الوداع کہا اور حزن و ملال کا یہ قافلہ کوفہ روانہ ہو گیا جہاں لوگوں نے شرمندہ چہروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انہوں نے آلِ بیت رسول کے ساتھ وہ سلوک کیا ہے جس پر انسانیت انہیں کبھی معاف نہ کرے گی۔ اس موقعہ پر سیّدہ فاطمہ نے اہل کوفہ کو گرجدار الفاظ کہے جنھوں نے اہل کوفہ کے وجودوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا: "اے اہل کوفہ! اے مکر و فریب اور غدر و خیانت کے متکبر پیکرو! ہم اہل بیت ہیں رب تعالیٰ نے ہمیں تم سے اور تمہیں ہم سے آزمائش میں مبتلا کیا اور ہماری آزمائش کو اچھا بنایا... ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو، تمہارا ناس ہو کیا تم جانتے ہو کہ تم میں سے کس ہاتھ نے ہمیں چوکے دیے۔ کس جان نے ہم سے قتال کیا اور تم

سے کون سا قدم چل کر ہمارے ساتھ محاربہ کرنے آیا۔ اللہ کی قسم! تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں، تمہارے کلیجے پتھر ہو گئے ہیں، تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور تمہارے کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ شیطان نے تمہیں تمہارے اعمال مزین کر کے دکھائے ہیں اور تمہیں جھوٹی امیدیں دلائی ہیں اور تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اب تم بے راہ ہو۔ اے اہل کوفہ! تمہاری ہلاکت ہو۔" [1]

اس کے بعد آپ کو شام اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ بھیج دیا گیا جس کا تفصیلی قصہ گزشتہ میں بیان ہو چکا ہے۔ سیّدہ فاطمہ کس قدر عظیم صفات کی مالک تھیں کہ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جب وہ شامی شخص روانہ ہونے لگا جو آپ کو مدینہ منورہ تک چھوڑنے آیا تھا تو آپ نے اپنا زیور اتار کر اس کو اس خدمت کا صلہ دیا۔ جس کی تفصیل گزشتہ میں بیان کی جا چکی ہے۔

سبحان اللہ! سیّدہ فاطمہ اس قدر دلدوز واقعات سے گزر گئیں مگر ان حالات میں بھی جود و کرم کی خو کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور اس یزید کے قاصد کو بھی نواز کر بھیجا جس نے آپ کے دل کو سب سے بڑا صدمہ پہنچایا تھا۔ بے شک یہ بے حد عجیب بات ہے لیکن اہل فضل و کرم کے لیے عجیب نہیں۔ غرض سیّدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا دیگر اہل بیت کے ساتھ اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر لوٹ آئیں۔ ذکر و عبادت اور روایت حدیث میں مشغول ہو گئیں۔ آپ اپنی دادی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے مرسل روایت کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے والد ماجد سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتی ہیں۔

سیّدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا نے تقریباً ستر سال کی عمر پا کر ۱۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔ رب تعالیٰ اہل بیت نبوت و رسالت کی اس عابدہ زاہدہ، صابرہ اور عالمہ و فاضلہ پر رحم فرمائے۔

اے فاطمہ! اے آلِ رسول کی اولاد! تم پر سلام۔

## امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ

آج ہم ایک فقیہ، شاعر، عالم ادیب، جامع فنون، اور پیکر علوم کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ جو بے حد فصیح، بے پناہ علوم شرعیہ کے مالک، لغت، ادب اور بیان میں حجت، اور بنی ہذیل میں پلے بڑھے تھے جس کے ان کی فصاحت و بلاغت پر واضح اثرات تھے حتی کہ علوم عربیہ میں مرجع خلائق بن گئے۔ یہ قرشی امام محمد بن ادریس شافعی ہیں۔ ابو عبید کہتے ہیں: "امام شافعی ان لوگوں میں سے تھے جن سے لغت لی جاتی تھی۔" اصمعی کا قول ہے: "میں ہذلیوں کے اشعار کو قریش کے ایک نوجوان کے پاس جا کر درست کیا جن کو محمد بن ادریس کہتے ہیں۔" امام احمد فرماتے ہیں: "شافعی سب سے فصیح و بلیغ تھے۔ امام مالک کو ان کی قراءت بے حد پسند تھی کیونکہ وہ فصیح تھے۔" [1]

آپ کا نام و نسب: "محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہشام بن عبد المطلب بن عبد مناف ہے۔" [2] آپ عالم عصر، فقیہ ملت، ناصر حدیث ابو عبد اللہ قرشی ثم مطلبی مکی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نسب اور چچازاد تھے کیونکہ مطلب ہاشم کے بھائی

عبد المطلب کے باپ تھے۔ اپنے جد اعلیٰ شافع کی طرف منسوب ہو کر شافعی کہلاتے تھے۔ ۱۵۰ھ میں فلسطین کے شہر غزہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مکہ سے وہاں کسی کام گئے تھے اور وفات کا حادثہ پیش آ گیا۔ والدہ ماجدہ حاملہ تھیں۔ والد ماجد آپ کی ولادت سے قبل ہی وفات پا گئے۔ آپ وطن مکہ سے دور غزہ میں پیدا ہوئے۔ یتیمی اور فخر جیسے دوستوں کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر زندگی کی منزلوں کا آغاز کیا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ مکہ لے آئیں آپ ۱۵۰ھ پیدا ہوئے جیسا کہ آپ خود بھی یہی روایت کرتے ہیں۔[1]

اب مکہ میں پرورش شروع ہوئی۔ تیر اندازی سیکھی اور اس فن میں سب پر سبقت لے گئے۔ اس میں سے نو تیر ٹھیک نشانے پر مارتے تھے۔ پھر عربیت اور شعر کی طرف متوجہ ہوئے تو ان میں کامل دستگاہ حاصل کی۔ پھر فقہ کا شوق دامن گیر تو زمانے کے امام بنے۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ گیارہ سال کی عمر میں ''الموطا'' یاد کر لی۔ میرے بھائیو! ذرا ان نوجوانوں کو بھی دیکھو اور اپنی اولادوں پر بھی ایک نظر ڈالو کہ وہ اپنے اوقات کو کس قدر ضائع کرتی ہیں۔ انہیں کھیل تماشوں سے ہی فرصت نہیں۔ یاد ہیں تو بس گانے۔ اللہ کی پناہ۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

امام شافعی کی ایک اور شان تھی۔ بے حد بلند ہمت کے مالک تھے۔ مکہ سے بنی ہذیل جا کر کئی سال ان میں گزارے اور زبان میں بے پناہ فصاحت و بلاغت پیدا کی۔ کیونکہ بنو ہذیل سب سے فصیح عرب تھے۔ جب طلب حدیث کا شوق ہوا تو موطا حفظ کر ڈالی۔ امام مالک سے ملے تو وہ آپ کی قراءت سے بے حد متاثر ہوئے اور کہا: اے محمد! اللہ سے ڈرتے رہنا... تیری ایک شان ہو گی۔[2]

غضب کا حافظہ تھا، بات جلد یاد کر لیتے تھے حتیٰ کہ جب کسی چیز کے یاد کرنے کا ارادہ ہوتا تھا تو دوسرے صفحہ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے تاکہ دونوں صفحات کی عبارات ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ اسی خداداد حافظہ نے آپ کو علوم عالیہ یعنی علوم شرعیہ تک پہنچایا۔ چنانچہ آپ نے حرم کے مفتی و شیخ مسلم بن خالد زنجی اور سفیان بن عیینہ جیسے لوگوں سے علم حاصل کیا۔

مدینہ میں جا کر امام مالک سے کسب فیض کیا۔ ان سے فقہ سیکھنے کے بعد یمن کا سفر اختیار کیا۔ وہ عہدۂ قضا پر متمکن ہوئے۔ ۱۸۱ھ میں عراق کے لیے عازم سفر ہوئے۔ ان سے ان کے علوم سیکھے اور انہیں حجازی علم سے مستفید کیا۔

امام محمد شیبانی امام ابو حنیفہ کے ساتھی کے بارے میں سنا تو ان کے پاس جا پہنچے۔ امام ابو حنیفہ کا علم اور فقہ سیکھی۔ متعدد مسائل میں ان سے مناظرہ بھی کیا۔ پھر مصر جا پہنچے، وہاں کے علماء سے ملے، علم لیا بھی اور دیا بھی۔ ۱۹۵ھ میں امین کی خلافت میں پھر بغداد چلے آئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں آپ امام بنے اور مستقل مذہب و فقہ کی بنیاد رکھی۔ دو سال تک عراق میں ہی رہے اور ''الحجۃ'' کی تالیف سے فارغ ہو کر حجاز چلے آئے۔ پھر مسلسل سفروں میں رہے اور ۱۹۹ھ میں مصر جا پہنچے۔ مصریوں میں خوب گھلے ملے لیث بن سعد کے اصحاب اور فقہائے مصر سے نشستیں رہیں۔ متعدد مسائل میں مناظروں کے بعد آپ نے ''الحج'' میں مدوّن اپنے قدیم مذہب میں نظر ثانی کی اور متعدد مقامات میں تبدیلیوں کے بعد اپنا جدید مذہب مدوّن کیا۔ امام شافعی نے متعدد کتابیں لکھیں، علم مدون کیا اور آئمہ پر رد بھی کیا۔ فقہ کے اصول و فروع تصنیف کیے۔ آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ طلباء کا ازدحام ہو گیا۔ یہ آپ کا امتیاز وصف ہے کہ آپ نے اپنے مذہب کو تنہا مدون کیا۔ علم اصول فقہ میں بھی سب سے پہلے آپ نے لکھا۔ جیسا کہ آپ کی کتاب ''الرسالۃ'' سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ آپ نے ''الرسالۃ'' کو مکہ میں تالیف کر کے اسے عبد الرحمن بن مہدی کے پاس بھیجا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی

سیرت قربانیوں، علم کی خاطر در در کی خاک چھاننے اور شہر شہر پھرنے سے تعبیر ہے۔ آپ کے بارے میں مزنی فرماتے ہیں: ''میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے۔'' جس نے قرآن سیکھا اس کی شان بلند ہو گی۔ جس نے فقہ کلام کیا اس کا رتبہ اونچا ہو گا۔ جس نے حدیث لکھی اس کی حجت قوی ہو گی۔ جس نے لغت میں نظر کی اس کی طبیعت میں نرمی آئے گی۔ جس نے حساب میں غور کیا اس کی رائے پختہ ہو گی۔ جس نے اپنے نفس کی حفاظت نہیں کی اس کا علم نافع نہیں۔'' [1] کس قدر حکمت وبلاغت کے باتیں ہیں۔ آپ کے اشعار ہیں:

نُعِيبُ زَمَانِنَا وَالْعَيْبُ فِيْنَا

وَمَا لِزَمَانِنَا عَيْبٌ سِوَانَا

وَنَهْجُوْ ذَا الزَّمَانِ بِغَيْرِ ذَنْبٍ

وَلَوْ نَطَقَ الزَّمَانُ لَنَا هَجَانَا

وَلَيْسَ الذِّئْبُ يَأْكُلُ لَحْمَ ذِئْبٍ

وَيَأْكُلُ بَعْضُنَا بَعْضًا عَيَانَا

''ہم زمانے کو عیب دیتے ہیں حالانکہ عیب ہم میں ہے اور ہمارے زمانے میں سوائے ہمارے کوئی عیب نہیں۔ ہم بلاوجہ اہل زمانہ کی ہجو کرتے ہیں اگر زمانے کی زبان ہوتی تو وہ بھی ہماری ہجو کرتا۔ بھیڑیا درندہ ہو کر بھی بھیڑیے کا گوشت نہیں کھاتا جب کہ ہم دیکھتی آنکھوں ایک دوسرے کا گوشت کھاتے ہیں۔''

ابو بکر سبائی کہتے ہیں: ''میں نے بعض مشائخ کو یہ بیان کرتے سنا ہے کہ کسی نے امام شافعی کو اہل بیت کی طرف بے حد مائل ہونے کی بنا پر طعن کیا۔ آپ کی اہل بیت کے ساتھ شدتِ محبت کی بنا پر آپ کو رافضی تک کہہ دیا۔ اس کے جواب میں آپ نے یہ اشعار پڑھے:

قِفْ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مِنًى فَاهْتِفْ بِهَا

وَاهْتِفْ بِقَاعِدِ خَيْفِهَا وَالنَّاهِضِ

إِنْ كَانَ رَفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ

فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّيْ رَافِضِيْ

"تو وادیٔ منیٰ میں کھڑے ہو کر مقام محصب سے خیف کے نشیب و فراز میں پکار پکار کر یہ کہہ دے کہ اگر آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رفض ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔" [1]

رب تعالیٰ نے آپ کے صدق و اخلاص کی برکت سے آپ کی فقہ کو شہرت، دوام بخشی اور حجاز، عراق، مصر، شام، فلسطین، عدن اور حضر موت وغیرہ بلاد و امصار میں آپ کا مذہب پھیلا۔ ۲۰۴ھ میں وفات پا جانے تک آپ مصر میں تعلیم و افتاء میں مصروف رہے۔ مزنی کہتے ہیں: میں مرض الوفات میں امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس گیا۔ حال پوچھا تو فرمانے لگے: "اس حال میں صبح کی ہے کہ دنیا سے کوچ کرنے والا اور ساتھیوں سے بچھڑنے والا ہوں اور موت کا جام پی رہا ہوں اپنے برے عملوں سے آگے جا کے ملنے والا ہوں، رب کے حضور جا رہا ہوں نہیں جانتا کہ میری روح جنت جائے گی جو اسے مبارک دوں یا جہنم جائے گی جو اس کی تعزیت کروں۔" پھر رو پڑے اور یہ اشعار پڑھے: "جب میرا دل سخت اور رستے تنگ ہو گئے تو میں نے تیری امید کو نا کہ مغفرت کو سیڑھی بنایا میرے گناہ بہت بڑے ہیں لیکن جب میں ان کا تیری مغفرت کے ساتھ موازنہ کرتا ہوں تو تیری مغفرت بڑی نظر آتی ہے۔ تو ہمیشہ گناہوں کو معاف کرتا آیا ہے اور یہ کرم کرتا آیا ہے۔ میں گناہوں کو جن کی مقدار میں جانتا ہوں لے کر آرہا ہوں اور جانتا ہوں کہ وہ معاف کر دے گا۔" [2]

غرض امام شافعی رحمہ اللہ نے علم، مآثر، خیر اور مکارم سے معمور زندگی گزاری۔ آپ کی موت سے علم کا ایک روشن باب بند ہو گیا۔ بے شمار علماء نے آپ کے مناقب لکھے۔ جن کا بیان بے حد طویل ہے۔ اللہ انہیں اپنی وسیع جنتوں میں جگہ دے۔ آمین۔

# خاتمہ

## عظیم لوگوں کی زندگی سے حاصل ہونے والے سبق:

گزشتہ صفحات میں ہم نے جو کچھ لکھا وہ مشتے نمونہ از خروارے کے بمصداق تھا۔ ہر فصل میں ہم نے اہل بیت کے عظیم فرزندوں کا ذکر کیا۔ ان کے علم و عمل پر روشنی ڈالی۔ بے شک یہ ہماری تاریخ کے نہایت روشن صفحات ہیں۔ ذرا اس گزشتہ زمانے کے حوادث و واقعات کا تصور کیجیے۔ ہم ان میں سے ان اکابر کی زندگیوں کے حوالے سے بعض عبرت آمیز باتیں سیکھتے اور ان سے سبق لیتے ہیں:

☆ ایک مومن دین کی محبت سے بھرا ہونا چاہیے، وہ دین کی حفاظت کے لیے جان تک دے دینے کے لیے ہر وقت مستعد رہے۔ جیسے ہی آواز اٹھے لبیک کہتا ہوا آگے بڑھے۔ جیسا کہ ہجرت کی رات جنابِ علی رضی اللہ عنہ نے اور جناب حمزہ رضی اللہ عنہ نے احد میں اور جنابِ جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے موتہ میں کیا۔ یہی صارفین مخلصین کا حال ہوتا ہے جب کہ دجالوں منافقوں کے قول و فعل میں کھلا تضاد ہوتا ہے۔

☆ اسلام میں صبر کی ایک شان اور عظمت ہے۔ ذرا سیّدہ صفیہ اخت سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے صبر کو دیکھیے کہ بھائی کی شہادت کا سن کر بھی بے دل اور بے صبر نہیں ہوئیں۔ کہا تو یہ کہا کہ میں صبر کروں گی اور اجر کی امید رکھوں گی۔ ذرا زینب ام المصائب کو بھی دیکھیے کہ کس قدر غم سہے۔ نانا صلی اللہ

علیہ وسلم کی وفات دیکھی، والدہ فاطمہ زہراء کو داغِ مفارقت دے کر جاتے دیکھا اپنے باپ کی شہادت کا نظارہ کیا۔ اپنے بھائی حسین کو زہر سے جان دیتے دیکھا جنابِ حسین کی شہادت کا منظر دیکھا۔ دو بیٹے شہید کروائے۔ کئی اقارب اللہ کے سپرد کیے۔ مگر ان سب کے بالمقابل صبر کیا۔

☆ آلِ بیت نبوی علم اور حفظ قرآن پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ اس کے بعد روایت حدیث اور فقہ ان کے فکر و نظر کی جولان گاہ تھے۔ یہی اکثر اہل بیت کی سیرت کا غالب پہلو تھا۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بالتفصیل ذکر کر دیا گیا ہے۔

☆ آل بیت صرف زبانی کلامی خطبوں اور وعظوں پر اکتفاء نہ کرتے تھے۔ بلکہ زہد و عبادت، جہاد و فروسیت، صیام و قیام، انفاق و سخاوت لوگوں کی حوائج پوری کرنے اور ہر خیر کی طرف لپکنے میں بے حد محنت اور مجاہدہ کرتے تھے۔ یہی باتیں انسان کو عظیم بناتی ہیں اور عند اللہ قبولیت کا ذریعہ ہیں ان باتوں کا ذکر کئی جلدوں میں بھی نہیں سما سکتا۔

☆ نسب رسالت کی شرافت، شرافت ایمان کے تابع ہے لہٰذا اہل بیت میں سے جو ایمان سے محروم رہا اسے یہ نسب کسی کام نہ آسکا۔ اللہ کا بھی ارشاد ہے کہ اس کے نزدیک زیادہ عظمت والا وہی ہے جو زیادہ متقی ہوتا ہے۔ لہٰذا عظمت صرف نسب سے نہیں ملتی۔ نہ کسی کام آتی ہے۔ لہٰذا اہل بیت میں سے بھی جو کافر تھا ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کے کفر کی بنا پر اس سے بغض رکھیں کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا تھا۔ اس لیے جسے رب نے اس شرف سے نوازا ہے وہ اسی پر بھروسہ اور تکیہ کر کے عمل چھوڑ کر نہ بیٹھ رہے۔ بلکہ نیکیوں کی طرف تیزی سے لپکے۔ اور جسے یہ شرف نہیں ملا وہ رب سے اس توفیق کا سوال کرے کہ وہ آلِ بیت رسول سے محبت کرے اور وہ عمل صالح کی توفیق مانگے۔ کہ رب کی میزان یہی عمل صالح ہے۔ وہ آلِ بیت سے محبت واحترام کرے کہ آدمی انہیں کے ساتھ ہوگا۔ جن سے اسے محبت ہوگی۔

☆ اہل بیت کے بارے میں صحیح عقیدہ رکھا جائے۔ ہم سب بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب اور ازواجِ مطہرات سے محبت کریں ان کو ان کا مرتبہ دیں۔ ان کے بارے میں عدل انصاف سے کام لیں۔ غلو اور تفریط سے بچیں۔

☆ اے اللہ! ہمیں پہلوں کے سے اخلاق نصیب فرما، اپنے رستے کی شہادت سے دلوں کو سرور بخش اور اسلام کے جھنڈے تلے اور دین کی نصرت و حمایت میں موت دے۔

اے مسلمانو! ہمارے شب بیدار اور روزہ دار کہاں ہیں؟ علی، فاطمہ، حفصہ، عائشہ زید اور زین العابدین جیسے لوگ کہاں ہیں؟ بہادر چل بسے اور بزدل رہ گئے۔ سردار رہے اور تکیوں پر ٹیک لگانے والے رہ گئے۔

نَزَلُوْا بِمَكَّةَ فِيْ قَبَائِلِ هَاشِمٍ

وَنَزَلْتُ بِالْبَيْدَاءِ اَبْعَدَ مَنْزِلِ

"وہ مکہ کے ہاشمی قبائل میں اترے اور میں ان کے ٹھکانوں سے دور بیداء میں جا اترا۔"

یہ عظیم لوگ گزر گئے جو دین کے حامی و ناصر تھے۔ اسلام کے شیوخ اور اہل بیت کرام کے عظماء دنیا میں نہ رہے۔ دین کے خدام دنیا سے منہ موڑ گئے۔ اب ہم باقی ہیں سوال یہ ہے کہ اہم اللہ اور اس کے دین کے لیے سب سے پہلے کیا کریں؟ پھر اپنے اور مسلمانوں کے لیے کیا کریں؟ کیا ہم اصحابِ رسول کی پیروی کریں اور دین کی محبت میں فنا ہو جائیں؟

یاد رہے کہ اس دین کی اصلاح اس امر سے ہوئی جس سے اس کی اصلاح اوّل میں ہوئی۔ وہ ہے قول و فعل میں صداقت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی، خواہشاتِ نفس سے دوری اور اکابر امت کے نقش قدم کی پیروی یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے قرآن اترتے دیکھا تاویل کو جانا۔ ان لوگوں نے نمازوں کے اوقات کا مشاہدہ کیا۔ ان کی نیتیں خالص تھیں ان کے عمل نیک تھے۔ انہوں نے خواہشات کو مار دیا تھا۔ ان کا سب سے بڑا مشغلہ رب کی رضا حاصل کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا تھا۔ کہ یہ سب سے اہم معاملہ تھا۔ یہ لوگ دلیل کے ساتھ تھے سیدھے رستے پر تھے۔ حجت تھامے ہوئے تھے ان لوگوں نے تصنع اور بناوٹ سب ترک کر دیا تھا۔ تکلف پھینک مارا۔ غلو زمین پر ڈال دیا۔ سادہ اور بے لوث تھے۔ قیل و قال سے دور، بس امت کی اصلاح کی فکر تھی۔ لہو و لعب سے نفور تھے علم کی امانت کے حامل تھے۔ انسانیت کی نجات کا مقصد لے کر اٹھے تھے۔ عبادت کا حق ادا کیا۔ تو بڑے بڑے جابر ان کے آگے جھک گئے۔

جناب حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ ابوذر کہتے ہیں کہ: "مجھے فقر غنا سے زیادہ محبوب ہے۔ مرض صحت سے زیادہ پسند ہے۔" تو آپ نے فرمایا: "اللہ ابوذر پر رحم کرے۔ البتہ میں یہ کہتا ہوں کہ جو اللہ کے حسن اختیار پر بھروسہ کرتا ہے اسے کسی چیز کی تمنا نہیں رہتی۔"[1]

اخیر میں عرض یہ ہے کہ میں نے اہل بیت کے عظماء کی نافع سیرت پیش کی اور میری تمنا یہ ہے کہ ہم ان کی سیرت کے تذکرے سے منتفع ہوں۔ اللہ ساداتِ اہل بیت کرام پر رحم کرے، ان سے راضی ہو امہات المومنین، اصحاب خاتم الانبیاء والمرسلین سے راضی ہو۔ اے اللہ درود و سلام بھیج محمد پر، ان کی آل پر ازواج و ذریت پر جیسا کہ تو نے سلامتی بھیجی آلِ ابراہیم پر اور برکت نازل فرما محمد پر، ان کی آل اور ذریت و ازواج پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی آلِ ابراہیم پر بے شک تو لائق تعریف اور بزرگ و برتر ہے۔ اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمیں اپنے پیغمبر جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے، اہل بیت سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام سے محبت ہے اے ارحم الراحمین تو ہمیں اپنے عزت کے گھر جنت میں ان کے ساتھ جمع کر دے۔ اے اللہ! مومن مردوں اور عورتوں کی بخشش فرما زندوں کی بھی اور مردوں کی بھی۔ اے اہل اللہ! اہل اسلام کی قبروں کو منور فرما۔ زندوں کو بخش دے۔ ان کے امور آسان فرما۔ اے اللہ! توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرما گناہ گاروں کے گناہ بخش دے۔ بیماروں کو شفا دے۔ یہ سب اپنی رحمت سے مرحمت فرما۔ اے ارحم الراحمین!

## امہات المومنین کی دعوتی سرگرمیاں

اللہ کی طرف دعوت دینا امہات المومنین کا سب سے بلند مقصد تھا، چناچہ کوئی بھی حدیث ان کو معلوم ہوتی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی کام کرتے ہوئے دیکھتیں تو جیسے سنا ہے یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے اس کی من وعن تبلیغ شروع کرتیں، کیونکہ ان کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہر وقت یاد رہتا تھا:

"اللہ تعالیٰ اس بندے کو شاد اور آباد رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے تو بالکل اسی طرح دوسروں تک پہنچائے، کیونکہ کبھی سننے والے کے مقابلے میں اس کو بات زیادہ یاد رہتی ہے جس تک پہنچائی جائی۔" [1]

ازواج مطہرات کو وسعت علم اور تفقہ فی الدین میں امتیاز حاصل تھا، چنانچہ فقہاء نے ان سے ایسے احکام سیکھے جو تمام لوگوں کے لیے نافع ہیں، سیرت کی کتابوں میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امہات المومنین نے دوسروں کو نصیحت کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی انجام دہی میں اپنا کردار ادا کیا، اگر ہم یہ کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ابتدائے وحی کے وقت اللہ کی طرف دعوت کی کامیابی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ نے آپ کو دلاسہ دیا اور آپ پر سب سے پہلے ایمان لے آئی اور اپنے مال اور اپنی جان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی، وہ بہترین بیوی تھیں جنھوں نے ابتدائے وحی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضبوط کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے اس احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگ مجھ پر ایمان نہیں لائے، انھوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، اور انھوں نے مجھے اس وقت اپنے مال میں شریک کیا جب لوگوں نے مجھے محروم کیا۔" [2]

اللہ کا دین پھیلانے میں آپ رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا حصہ ہے، جس کی وجہ سے اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ یہ عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہا ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی تعداد میں حدیثوں کو یاد کیا، تاکہ ان کو لوگوں میں عام کریں، چنانچہ فقہاء علماء اور اکثر لوگوں نے ان سے کسبِ فیض کیا اور ان سے بہت سے احکام و آداب کو نقل کیا، یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ان سے شریعت کے ایک چوتھائی احکام منقول ہیں۔ صحابہ اور تابعین علماء نے حضرت عائشہ اور ان کے علم کی تعریف کی ہے، مسروق فرماتے ہیں: "میں نے اکابر صحابہ میں سے کئی شیوخ کو حضرت عائشہ سے فرائض کے بارے میں سوال کرتے ہوئے دیکھا۔ جب مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی روایت نقل کرتے تو کہتے: مجھے صدیقہ بنت صدیق اللہ کے محبوب کی چہیتی سات آسمانوں کے اوپر سے براءت کردہ شخصیت نے بتایا، جس کی میں نے تکذیب نہیں کی۔" [1]

عطاء بن ابو رباح فرماتے ہیں: عائشہ تمام لوگوں میں سب سے بڑی فقیہہ، عالمہ اور سب سے بہترین صاحب الرائے تھیں۔ ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے فقہ، طب اور شعر کے بارے میں حضرت عائشہ سے زیادہ جاننے والا کسی کو نہیں دیکھا۔[2]

عبد اللہ بن عبید بن عمیر نے فرمایا: اس پر وہی شخص غمگین ہو گا جس کی وہ ماں ہیں۔ (یعنی ہر مسلمان ان کے انتقال پر غمگین ضرور ہے)۔[3]

آپ کی دعوت و تبلیغ کا ایک واقعہ یہ منقول ہے کہ حضرت حفصہ بنت بن عبد الرحمن بن ابو بکر آپ کے پاس آئیں، جس کے جسم پر پتلی اوڑھنی تھی جس سے ان کی پیشانی جھلک رہی تھی، حضرت عائشہ نے اس اوڑھنی کو پھاڑ دیا اور فرمایا: اللہ نے سورہ نور میں جو نازل فرمایا ہے، کیا تمہیں اس بارے میں معلوم نہیں ہے؟ پھر دوسری اوڑھنی منگائی اور اس کو پہنایا۔ وہ عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتی تھیں: عورتو! اپنے پروردگار اللہ سے ڈرو، اور اچھی طرح وضو کرو، اپنی نماز قائم کرو اور اپنی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ ادا کرو، اور پسند اور ناپسند میں اپنے شوہروں کی اطاعت کرو اور ان کی بات مانو۔ وہ فرمایا کرتی تھیں: عورت پر اللہ کا خلیفہ اور نائب اس کا شوہر ہے، جب اس کا شوہر اس سے راضی ہو گا تو اللہ اس سے راضی ہو جائے گا، اگر اس کا شوہر اس سے ناراض ہو گا تو اللہ اور اس کے فرشتے اس سے ناراض ہوں گے، کیونکہ وہ شوہر کو اپنی پسند پر مجبور کر رہی ہے۔

ان کے اقوال زریں میں سے یہ بھی ہے کہ بیوی پر شوہر کا یہ حق ہے کہ وہ اس کا بستر لازم پکڑے اور اس کی ناراضگی سے بچی رہے، اور اس کو راضی کرنے والی چیزوں کی تلاش میں رہے، اس کی کمائی کی حفاظت کرے، اس کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرے، اور اپنی ذات میں اس کی حفاظت کرے۔ (یعنی اپنی ذات میں خیانت نہ کرے)۔[1]

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کے انتقال کے بعد آپ کی سنتوں پر عمل کرنے میں ہر مومن مرد اور عورت کے لیے عالمہ، واعظہ اور خیر خواہی کرنے والی کا مقام حاصل ہے، انہوں نے اللہ کو ناراض کرنے والی ہر چیز سے اپنے کان اور آنکھوں کی حفاظت کی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں واقعہ افک کے موقع پر دریافت کیا تو انہوں نے کہا: میں اپنے کانوں اور اپنی نگاہوں کی حفاظت کرتی ہوں، مجھے ان کے بارے میں خیر ہی معلوم ہے۔

ام المؤمنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے فقہی احکام سے متعلق بعض حدیثوں کو امت میں منتقل کیا ہے، مثلاً یوم عرفہ میں لوگوں کو شک ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہیں یا نہیں۔ میمونہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ بھیجا جب کہ آپ ابھی اپنی جگہ کھڑے ہی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے اس کو پیا۔[2]

انہوں نے غسلِ جنابت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ روایت کیا ہے۔[3] آپ کا شمار امت کے خیر خواہوں اور واعظوں میں ہوتا ہے، اللہ ان سے اور باقی تمام امہات المؤمنین سے راضی ہو جائے۔ آمین۔

## امہات المؤمنین کے سلسلے میں چند عام معلومات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں کا انتقال آپ کی وفات کے بعد ہوا، صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال آپ کی حیات میں ہوا۔

سب امہات المؤمنین کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی، صرف حضرت خدیجہ کی تدفین مکہ میں حجون کے مقام پر ہوئی اور حضرت میمونہ کی تدفین مقامِ تنعیم سے قریب مقامِ سرف میں ہوئی، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ شبِ زفاف گزاری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس بیویاں باپ کی طرف سے آپ کے ساتھ نسب میں ملتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

ام حبیبہ، خدیجہ، ام سلمہ، عائشہ، حفصہ، سودہ، زینب بنت جحش، جویریہ، زینب بنت خزیمہ اور میمونہ، صرف زینب بنت جحش کا نسب ماں اور باپ دونوں واسطوں سے آپ کے ساتھ ملتا ہے، کیونکہ ان کی ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیہ بنت عبد المطلب ہیں، اور والد کی طرف سے نسب خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس سے جا کر ملتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ، جویریہ اور زینب بنت جحش کا نام خود رکھا، جب کہ ان میں سے ہر ایک کا نام برہ تھا۔ آپ کے ساتھ شادی سے پہلے زینب بنت خزیمہ، صفیہ، میمونہ اور خدیجہ رضی اللہ عنہن کی دو دو شادیاں ہو چکی تھیں، ازواج مطہرات میں میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باکرہ تھیں۔

## کثرتِ روایتِ حدیث کے اعتبار سے امہات المومنین کی ترتیب[1]

### ا۔ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا:

ان سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں متفق علیہ روایتیں ۱۷۴ ہیں۔[2]

اور مسلم میں نو حدیثیں ہیں۔ امام احمد نے اپنی کتاب مسند امام احمد میں ان سے دو ہزار سے زائد حدیثیں روایت کی ہے۔

### ۲۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کی روایتوں کی تعداد ۱۸۷ ہے۔

ان میں سے متفق علیہ روایتیں ۱۳ ہیں۔ بخاری میں تین روایتیں ہیں اور مسلم میں ۱۳ روایتیں ہیں۔

### ۳۔ سیّدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا:

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان سے متفق علیہ سات روایتیں مروی ہیں۔

بخاری نے ان کے علاوہ ایک حدیث روایت کی ہے۔ اور مسلم نے پانچ حدیثیں روایت کی ہے۔ ان کی روایتوں کی مجموعی تعداد ۱۳ ہے۔

محقق شیخ عرفان عشانے لکھاہے: ان کی روایتیں اس سے بھی زیادہ ہیں، کیونکہ امام احمد نے ان سے روایت کی ہے، ان کی مسند کی ابتدا حدیث نمبر (۱۰/۲۶۸۵۸) سے ہوتی ہے اور انتہا(۲۶۹۲۱/ ۱۰) پر ہوتی ہے۔

''أسماء الصحابة الرواة''میں لکھاہے کہ: ان سے ۷۶ حدیثیں مروی ہیں، اور اس کتاب کے محقق نے حاشیہ میں کحالہ کی بات سے ان کی کتاب ''أعلام النساء'' سے نقل کیاہے کہ انہوں نے کہا: مطالع الانوار میں ہے کہ میمونہ بنت حارث نے ۷۷ حدیثیں روایت کی ہیں، **الكمال في معرفة الرجال** میں ہے کہ انہوں نے ۴۶ حدیثیں روایت کی ہیں، دارالکتب الظاہرۃ کے شعبہ مخطوطات میں اندراج نمبر ۳۲ کے مجموعے میں ہے کہ انہوں نے ۷۹ حدیثیں روایت کی ہیں۔[1]

## ۴۔ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا:

أسماء الصحابة الرواة میں ہے کہ انہوں نے ۶۵ حدیثیں روایت کی ہے، ابن الجوزی نے ''تلقیح فهوم أهل الأثر''میں یہی تعداد بتائی ہے۔[2] یہی تعداد علامہ ذہبی نے بھی بیان کی ہے: ان کی مسند میں ۶۵ حدیثیں ہیں۔[3]

دو روایتیں متفق علیہ ہیں اور ان کے علاوا ایک روایت مسلم نے نقل کی ہے۔

## ۵۔سیّدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما:

ابن حزم نے ''أسماء الصحابة الرواة''میں لکھاہے کہ ان سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں، ابن جوزی نے بھی ''تلقیح فهوم أهل الأثر''میں یہی تعداد بتائی ہے۔ [4] علامہ ذہبی نے کہاہے: بقی بن مخلد کی کتاب میں حفصہ کی مسند میں ساٹھ حدیثیں ہیں۔[5]

چار حدیثیں متفق علیہ ہیں اور امام مسلم نے ان کے علاوہ الگ سے چھ حدیثیں نقل کی ہیں۔ شیخ عرفان عشانے لکھاہے: امام احمد نے مسند میں ان سے ۴۴ حدیثیں نقل کی ہیں، ابتدا(۲۶۴۸۵) سے ہوتی ہے اور انتہا(۲۶۵۲۹/ ۱۰) پر ہوتی ہے۔[6]

## ۶۔زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

ابن حزم[7] اور ابن جوزی[8] نے لکھا ہے کہ ان سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں۔ جو (۱۰/۲۶۸۱۳) سے شروع ہوتی ہیں اور (۲۷۴۸۳۔۲۷۴۸۶/ ۱۰) پر ختم ہوتی ہیں۔

ترمذی حدیث نمبر ۲۱۸۷، ابن ابی شیبہ حدیث نمبر: ۶۱۔ ۱۹۰، ابن حبان ۸۲۷، بیہقی: سنن کبریٰ: ۹۳/ ۱۰، بغوی: شرح السنۃ: ۴۲۰۱، وغیرہ نے ان کی روایتیں نقل کی ہے۔امام مالک نے موطا میں ۲۶۸ اور نسائی ۳۵۰۰ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔[1]

## ۷۔ سیّدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا:

ابن حزم[2] اور ابن جوزی[3] نے لکھا ہے کہ ان سے دس حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے: ان سے دس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک متفق علیہ ہے۔[4]

بخاری میں ان کی حدیث نمبر ۲۰۳۵ ہے، اور مسلم میں ۲۱۷۵ ہے، امام احمد نے (۲۶۹۲۷/ ۱۰) سے (۲۶۹۲۹/ ۱۰) تک ان کی روایتیں نقل کی ہے۔[5]

## ۸۔ سیّدہ جویریہ بنت حارث بن ابوضرار رضی اللہ عنہا:

ابن حزم[6] اور ابن جوزی[7] نے لکھا ہے کہ ان سے سات حدیثیں مروی ہیں، یہی تعداد علامہ ذہبی نے بھی بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: ان سے سات حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے ایک بخاری میں ہے اور دو مسلم ہیں۔[8] شیخ عرفان عشا نے اضافہ کیا ہے: مسند امام احمد میں ان کی حدیثیں (۲۶۸۱۷/ ۱۰) سے شروع ہو کر (۲۶۸۲۰/ ۱۰) پر ختم ہوتی ہیں، اس میں مذکورہ بالا حدیثوں کے علاوہ دوسری حدیثیں ہیں۔[9]

## ۹۔ سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا:

ابن حزم[10] اور ابن جوزی[11] نے لکھا ہے کہ ان سے پانچ حدیثیں مروی ہیں، بخاری میں ان کی حدیث نمبر ۶۶۸۶۔۶۷۴۹ ہے، اور مسلم میں حدیث نمبر ۱۴۵۷ ہے، مسند امام احمد میں حدیث نمبر ۲۷۴۸۸/ ۱۰، ۲۷۴۸۹/ ۱۰ ہے، نسائی میں حدیث نمبر: ۳۴۸۵ ہے۔

سیّدہ خدیجہ بنت خویلد اور سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔

ان تفصیلات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حدیث رسول کی نشر واشاعت میں ازواج مطہرات کی کوششوں کو بیان کیا جائے۔

## روایتِ حدیث میں

## امہات المومنین کی ترتیب واضح کرنے والا جدول

امہات المومنین ابن حزم کے نزدیک تعداد روایت ابن جوزی کے نزدیک تعداد روایت بقی بن مخلد کے نزدیک تعداد روایت علامہ ذہبی کے نزدیک تعداد روایت

۱۔ سیّدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا۲۲۱۰ ۲۲۱۰ ۲۲۱۰ ۲۲۱۰ ۲۲۱۰

۲۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا۳۷۸ ۳۷۸ ۲۲۱۰ ۳۷۸

۳۔ سیّدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا۷۶ ۷۶ ۷۶ ۱۳

۴۔ سیّدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا۶۵ ۶۵ ۶۵ ۶۵

۵۔ سیّدہ زینب بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا۶۰ ۶۰ ۶۰ ۶۰

۶۔ سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۱۱ ۱۱ ۱۱ ۱۱

۷۔ سیّدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا۱۰ ۱۰ ۱۰ ۱۰

۸۔ سیّدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا۷ ۷ ۱۰ ۷

۹۔ سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا۵ ۵ ۵ ۵

نوٹ:...بقی بن مخلد بن یزید اندلسی قرطبی کے مخطوطے میں ہمیں سیّدہ اہم سلمہ اور سیّدہ جویریہ بنت حارث کی مرویات کا ذکر نہیں ملا، شاید کاتب سے چوک ہوئی ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے معاشرتی حالات

نام زوجہ معاشرتی حالات شادی کے اسباب

خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ابوہالہ تمیمی اور عتیق مخزومی کی بیوہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی چار اولاد ہیں۔ انہوں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کا پیغام بھیجا، تو آپ نے ان کے بلند اخلاق کی وجہ سے رشتہ کو قبول کیا۔

سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سکران بن عمرو کی بیوہ، ان سے سودہ کی پانچ اولاد ہیں۔ ان کا شمار مومنات اور مہاجرات میں ہوتا ہے، نبی کو اندیشہ ہوا کہ اگر ان کو واپس کر دیا جائے گا تو گھر والے ان کو ستائیں گے۔

عائشہ بنت ابو بکر رضی اللہ عنہاباکرہ اپنے سب سے افضل دوست کے ساتھ تعلقات کو مستحکم کرنے اور عرب کے اس رواج کو توڑنے کے لیے شادی کی کہ جن کے ساتھ وہ مواخات کرتے تھے ان کے محارم کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیتے تھے، کیونکہ نسبی بھائی کی طرح اس کو بھی بھائی مانتے تھے۔

حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہاخنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی بیوہ بدری شہید کی بیوی اور صابرہ عورت، انہوں نے دین کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، جس کا بہتر بدلہ دینے کے لیے آپ نے ان کے ساتھ شادی کی۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہاعبیدہ بن حارث کی بیوہ اور طفیل بن حارث کی مطلقہ چار یتیم بچوں کی ماں تھی جن کے شوہر جنگ میں شہید ہو گئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ یتیم بچوں کی کفالت کریں۔

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہازید بن حارثہ نے ان کو طلاق دی منہ بولے بیٹے کے مسئلہ کو ختم کرنے کے لیے اللہ نے اپنے نبی کو ان کے ساتھ شادی کرنے کا حکم دیا۔

جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہامسافع بن صفوان کی بیوہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی، ان کی شادی کی وجہ سے بنو مصطلق کے قیدیوں کو رہا کر دیا گیا اور ان کے والد اور قوم نے اسلام قبول کیا۔

ام حبیبہ بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہاعبید اللہ بن جحش کی بیوہ حبشہ میں مرتد ہونے کے بعد ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا، وہ حیران ہو گئیں کہ اب کہاں جائیں، چنانچہ آپ نے ان کے ساتھ شادی کی۔

صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہاسلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع کی بیوہ یہ خیبر میں قید ہوئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کیا اور ان کے ساتھ شادی کی۔

میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہارہم بن عبد العزی اور مسعود ثقفی کی بیوی ان کے ساتھ شادی کا مقصد قبیلوں کے درمیان قربت پیدا کرنا ہے، کیونکہ ان کی رشتہ داری بنو ہاشم اور بنو مخزوم میں پھیلی ہوئی تھی۔

## ازواج مطہرات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی تعلق واضح کرنے والا نقشہ

محمد ام حبیبہ خدیجہ ام سلمہ عائشہ حفصہ سودہ زینب جویریہ زینب میمونہ

عبد اللہ ابو سفیان خویلد ابو امیہ ابو بکر عمیر زمعہ جحش حارث خزیمہ حارث

عبد المطلب حرب اسد مغیرہ ابو قحافہ خطاب قیس زماب ابو ضرار حارث حزن

## سیرتِ عظیم اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین

ہاشم امیہ عبد العزی عبد اللہ عامر نفیل عبد شمس یعمر حارث عبد اللہ بجیر

عبد مناف عبد شمس عمر عمرو عبد العزی عبد ود صبرہ عائذ عمرو بزم

قصی محزوم کعب رباح نصر مرہ مالک عبد اللہ رویبہ

کلاب یقظہ سعد عبد اللہ مالک کبیر مصطلق عبد مناف عبد اللہ

مرہ تیم قرط حسل غنم سعد ہلال

کعب رزاح عامر دودان عمرو عامر

لوی عدی اسد عامر صعصعہ

غالب یحیٰ معاویہ

فہر قمعہ بکر

مالک ہوزان

نضر منصور

کنانہ خزیمہ مدرکہ الیاس مضر نزار عکرمہ

حفصہ قیس غیلان

## خلاصہ کلام

ہم نے تھوڑی دیر فضائلِ امہات المومنین کا تذکرہ عنبریں کیا، پس ہم خصوصیت کے ساتھ ازواج مطہرات کے اور عمومیت کے ساتھ آل بیت کے خلاف پھیلائے جانے والے شبہات کے موج تلاطم کے سمندری سفر میں اس کو زادِ راہ اور توشہ بنائیں۔ ہماری بچیوں اور بیویوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان فضائل کو سیکھیں، عام کریں اور ان سے اپنے گھروں کو آراستہ کریں، تاکہ وہ اسوہٗ حسنہ اور بہترین نمونہ بن جائیں، اسی طرح ہم امہات

المومنین کے حقوق یعنی ان کے احترام واکرام، تعظیم اور تکریم کی تھوڑی حفاظت کرنے والے بن جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام یہ ہے کہ آپ کی ازواجِ مطہرات کا اکرام کیا جائے۔

## ازواج مطہرات علیہ السلام

نام مع ولدیت ازدواجی حیثیت تاریخ نکاح عمر بوقت نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بوقت نکاح تاریخ وفات کل عمر مدت رفاقت

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بیوہ ۲۵ میلاد النبیؐ ۴۰ سال ۲۵ سال ۱۰ نبوت ۶۵ سال ۲۵ سال

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ بیوہ ۱۰ نبوت ۵۰ سال ۵۰ سال ۱۹ ہجری ۷۲ سال ۱۴ سال س

یدہ عائشہ بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا کنواری ۱۱ نبوت ۹ سال ۵۴ سال ۵۷ ہجری ۶۳ سال ۹ سال

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا بیوہ ۳ ہجری ۲۲ سال ۵۵ سال ۴۱ ہجری ۵۹ سال ۸ سال

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ بیوہ ۳ ہجری ۳۰ سال ۵۵ سال ۳۰ ہجری ۳۰ سال ۳ ماہ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنت امیہ بیوہ ۴ ہجری ۵۶ سال ۵۶ سال ۶۰ ہجری ۸۰ سال ۷ سال

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش مطلقہ ۵ ہجری ۳۶ سال ۵۷ سال ۲۵ ہجری ۵۱ سال ۶ سال

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بیوہ ۵ ہجری ۳۰ سال ۵۷ سال ۵۶ ہجری ۷۱ سال ۶ سال

حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان بیوہ ۶ ہجری ۳۶ سال ۵۸ سال ۴۴ ہجری ۷۳ سال ۶ سال

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب بیوہ ۷ ہجری ۱۷ سال ۵۹ سال ۵۰ ہجری ۵۰ سال ۳ سال ۹ ماہ

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بیوہ ۷ ہجری ۳۶ سال ۵۹ سال ۵۱ ہجری ۸۰ سال ۳ سال ۳ ماہ

**وضاحت:**

۱۔بیک وقت زیادہ سے زیادہ ۹ ازواج مطہرات حرم میں رہیں۔

۲۔ ۵ ہجری میں حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بنت شمعون بطور لونڈی حرم نبوی میں شامل ہوئیں۔

۳۔ ۶ ہجری کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو بطور لونڈی اپنے حرم میں شامل فرمایا۔

## ذریت طاہر بیٹے:

۱۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی وفات پائی۔

۲۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ طیب وطاہر، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی وفات پائی۔

۳۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں وفات پائی۔

وضاحت: طیب وطاہر دونوں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے لقب ہیں۔

## بیٹیاں:

۱۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

۲۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

۳۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

۴۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

## نواسے نواسیاں:

☆ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے:

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

۲۔ لڑکا، نام معلوم نہیں۔

۳۔ اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

☆حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے:

۱۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

☆حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

زور لگایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دلوا دیں۔ لیکن ابو العاص نے اپنی بیوی کو طلاق نہ دی اور بعد میں وہ خود بھی مسلمان ہو گئے۔

سیدہ زینب اور ابو العاص کے درمیان مثالی ہم آہنگی اور پیار تھا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک بیٹی امامہ پیدا ہوئی۔ صحیح حدیث کے مطابق امامہ رضی اللہ عنہا سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت درجہ پیار کرتے تھے۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامہ رضی اللہ عنہا کو گود میں لے کر نماز بھی پڑھائی تھی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں علی نام کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا وہ بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ یہ وہی زینب رضی اللہ عنہا ہیں جنہوں نے جنگ بدر کے موقعہ پر قید ہونے والے اپنے خاوند کو چھڑوانے کے لیے وہی ہار بطور فدیہ ادا کیا جو آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ عنہا کو رخصتی کے موقع پر بطور تحفہ دیا تھا۔ جب وہ ہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ابو العاص رضی اللہ عنہ بہت دیر کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ مدینہ منورہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صحت بگڑنے لگی کیونکہ مکہ میں ہبار بن اسود نے ان کے اونٹ پر جو حملہ کیا تھا اور آپ زخمی ہو گئیں تھیں۔ اس سے آپ رضی اللہ عنہا پوری طرح صحت یاب نہ ہو سکیں۔ اسی لیے بعض کتب سیرت میں آپ کو شہیدہ بھی لکھا گیا ہے۔ اس طرح ۲ ہجری میں مدینہ طیبہ تشریف لانے والی سیدہ اپنے والدہ گرامی کی معیت میں صرف ۵ برس گزار کر ۸ ہجری میں اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتر کر لختِ جگر کو اپنے مبارک ہاتھوں سے سپرد خاک کیا۔ بعض مورخین نے یہ بھی کہا ہے کہ سیدنا علی بن ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہا کی وفات بچپن میں نہیں ہوئی تھی اور وہ فتح مکہ کے دن اپنے نانا محترم کے ساتھ ان کی سواری پر سوار تھے۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں یہ پھول مرجھا گیا اور عین جوانی ہی میں انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

## سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت کے تین سال بعد بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سال پہلے پیدا ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہونے والی ساری اولاد نجیب الطرفین تھی۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا والد اور والدہ دونوں کی طرف سے قریشیہ تھیں۔ سیدہ رقیہ کی پیدائش کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۳ سال تھی۔ ان کی ولادت کے وقت تک آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے سر پر تاج نبوت نہیں رکھا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے ساتھ ہی ابو لہب کا گھر تھا۔ نبوت ملنے سے پہلے یہ شخص یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا۔ ابو لہب کا اصل نام عبد العزیٰ تھا۔ نہایت خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ مال دار بھی تھا۔ اس کے ایک بیٹے کا نام عتبہ اور دوسرے کا نام عتیبہ تھا۔ بنو ہاشم کے کچھ لوگ سردار ابو طالب کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گویا ہوئے آپ نے اپنی بڑی بیٹی کا نکاح ابو العاص سے کر دیا ہے بلاشبہ وہ اچھا داماد اور شریف انسان ہے مگر ہم (آپ کے ددھیالی رشتہ دار) یہ کہتے ہیں جس طرح آپ پر خدیجہ کی بہن ہالہ کے بیٹے کا حق ہے اسی طرح ہمارا بھی حق ہے۔

حسب و نسب اور شرافت میں ہم کسی طرح ان سے کم نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا معاملہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم آپ کی دو بچیوں رقیہ اور ام کلثوم کا رشتہ مانگنے آئے ہیں۔ رشتہ مانگنے والوں میں ابو لہب بھی تھا۔ وہ اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے رشتہ طلب کر رہا تھا۔ ارشاد ہوا: اے چچا! مجھے قرابت داری اور رشتہ داری سے انکار نہیں مگر مجھے سوچنے کا موقع دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا۔ پہلے تو وہ اس رشتے پر تیار نہ ہوئیں کیونکہ ان کے سامنے ام جمیل کا چہرہ تھا جو ابو لہب کی بیوی تھی اور اسے ان سیدات کی ساس بننا تھا۔ یہ خاتون جس کا نام اروىٰ تھا ابو سفیان کی بہن اور اموی خاندان کے مشہور سردار حرب بن امیہ کی بیٹی تھی۔ یہ خاتون بڑی بد تمیز، بدزبان اور فتنہ پرداز عورت تھی۔ قرآن کریم نے حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا لقب اسی بدبخت عورت کو دیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ فکر تھی کہ ان بچیوں کا نباہ اس عورت کے ساتھ کیسے ہو گا۔ پورا مکہ اس عورت کی بدزبانی سے واقف تھا۔ تاہم ان کے سامنے یہ بات بھی تھی کہ وہ اپنی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ اپنے بھانجے سے کر چکی تھیں اور بچیوں کے ددھیال کا بھی ان پر حق ہے۔ چنانچہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مشورے اور بیٹیوں کی رضامندی سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ سے ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا اس وقت تک ان کی رخصتی نہ ہوئی تھی۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحب زادیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ علیہ السلام شامل تھیں۔ سیرت نگاروں نے وضاحت سے لکھا ہے کہ جس روز سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا ان کی چاروں بیٹیوں نے بھی اسی روز اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں کو دعوت دینا شروع کی۔ ان میں ابو لہب بھی شامل تھا اور ابو لہب کا رویہ بہت سخت تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح تکالیف دے۔ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جو رشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کیے تھے، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی، ان کو توڑ دیا جائے۔ لہٰذا اس نے ایسا ہی کیا۔ بہانہ یہ بنایا کہ میرا بھتیجا میری ہجو کرتا ہے۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دو ورنہ تمہارا سر آمنے سامنے نہیں ہو سکے گا یعنی میں کبھی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا۔ باپ کی بات مانتے ہوئے ان کے دونوں بیٹوں نے طلاق دے دی۔ یہ تھے ہی بدبخت اللہ تعالیٰ نے ان سے ان سیدات کی حفاظت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے بدرجہا اعلیٰ اور افضل داماد عطا فرما دیا۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ اموی خاندان سے تھے اور نہایت شریف النفس اور خوبصورت انسان۔ نوجوان اور کنوارے تھے۔ نہایت مال دار تاجر تھے۔ گویا شادی کے لیے کسی بھی نوجوان میں جو اعلیٰ صفات مطلوب ہوتی ہیں وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ رقیہ کا رشتہ مانگ لیا۔ اس رشتے کو قبول کر لیا گیا اور ان کا

نکاح رقیہ رضی اللہ عنہا سے وحی الٰہی سے ہوا تھا۔ یہ جوڑی ایک مثالی جوڑی بن گئی تھی۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں ایک پھول کھلا جس کا نام عبد اللہ رکھا گیا۔ اس لحاظ سے وہ ام عبد اللہ ہو گئیں۔ عبد اللہ کے بعد ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ غزوہ بدر سے پہلے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو چیچک نکل آئی۔ علاج پر بھرپور توجہ دی گئی مگر مرض بڑھتا چلا گیا۔ ادھر بدر کے میدان میں جانے کا اعلان ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لڑائی میں شرکت کے لیے تیاری کرنے لگے جن میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ادھر سیدہ رقیہ کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم ان کی تیمار داری کے لیے مدینہ میں ہی رہو ایک طرف وفا شعار بیوی کی بیماری اور ان کی ضرورت تھی تو دوسری طرف جذبہ جہاد سے سرشاری۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی اللہ کے رسول! میرے اجر و ثواب کا کیا ہو گا؟ ارشاد فرمایا: عثمان! فکر نہ کرو تمہیں غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے مجاہدین کے برابر اجر بھی ملے گا اور غنیمت سے حصہ بھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے۔ ادھر مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے بدر کے میدان میں فتح مبین سے سرفراز فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوش خبری دینے کے لیے مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔ ان کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اکیس سال کی عمر میں اس دار فانی سے رخصت ہو چکی تھیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

## سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بعثت نبوی سے چھ سال قبل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کے آنگن میں ایک اور کلی کھلی جس کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم رکھا۔ واضح رہے کہ عربی لغت میں کلثوم اسے کہتے ہیں جس کا چہرہ گول اور بھرا ہوا ہو۔ پھر یہ ساری زندگی اسی نام سے پہچانی گئیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اوپر تلے کی تھیں لہٰذا بچپن میں ایک دوسری کے بہت قریب تھیں اور آپس میں خوب محبت بھی تھی۔

اپنے والدین کی یہ لاڈلی بیٹی ابھی سن شعور کو بھی نہیں پہنچی تھیں کہ مکہ مکرمہ کے رواج کے مطابق بنو ہاشم کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں بیٹیوں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا رشتہ ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے مانگ لیا یہ طلب نہ صرف قبول کر لی گئی بلکہ نکاح بھی ہو گیا۔ تاہم رخصتی نہ ہوئی۔ شاید اس کی وجہ سیدات کا کم سن ہونا تھا۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ ان دونوں بہنوں کو ایک مفسد گھرانے سے بچانا چاہتے تھے۔ ان کی ساس ام جمیل نہایت فسادی عورت تھی۔ مکہ والے اس کی بد زبانی اور بری طبیعت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنی والدہ کی تربیت میں ہی رہیں۔ ان کی بہن رقیہ رضی اللہ عنہا تو اپنے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند کے گھر میں تھیں اب گھر میں دو بہنیں ایک سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور دوسری ان کی چھوٹی بہن سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان دونوں بہنوں کو اپنے والد گرامی اور والدہ محترمہ کی خدمت اور دل جوئی کرنے کا خوب موقع ملا۔ بطور خاص جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ اس وقت ان کی والدہ سن رسیدہ تھیں۔ ان کو اپنی والدہ کی خدمت کا خوب موقع ملا یوں انہوں نے شعب ابی طالب سے صبر اور توکل علی اللہ کا بہت پختہ سبق سیکھ لیا تھا۔ شعب ابی طالب کے محاصرے کے اختتام پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت کمزور ہو گئی تھیں اور تھوڑے ہی عرصے بعد وہ وفات پا گئیں۔ یہ رمضان ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے۔ سیدہ کی تدفین مکہ مکرمہ میں حجون کے قبرستان میں کی گئی۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو آغاز بلوغت ہی میں

والدہ کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر مدینہ منورہ ہجرت کے لیے تشریف لے گئے تو سیدہ ام کلثوم، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی سوتیلی والدہ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں تھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخیریت مدینہ منورہ پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ عرصہ بعد سیدنا زید بن حارثہ اور رافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ

سیدات کو مدینہ منورہ لے آئیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھرانے کے باقی افراد اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ بھی ان کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۲ ہجری میں غزوہ بدر کے فوراً بعد ہوا۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات اس گھرانے کے لیے یقیناً ایک بڑا صدمہ تھا اور وہ بڑے غمگین تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بہت وفا شعار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرنے والے شخص تھے۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی ازدواجی زندگی نہایت قابل رشک تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے داماد سے کوئی شکوہ شکایت نہ تھی۔ ان کا حسب نسب بھی بڑا اعلی تھا۔ وہ نیک خصلت ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت سخی بھی تھے۔ دولت مند بھی تھے اور اللہ نے دل بھی دیا تھا۔ سخاوت میں ان کے ہم پلہ کوئی کم ہی تھا۔ تین مرتبہ ہجرت کا اجر ثواب بھی لے چکے تھے۔ ادھر اللہ رب العزت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مخلص ساتھی سے بہت راضی تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دنیا ہی میں ایک ایسا مرتبہ اور مقام نصیب ہوا جو پوری کائنات میں کسی کو نہیں ملا۔ غزوہ بدر میں جہاں فتح کی خوشیاں تھیں وہیں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا صدمہ بھی تھا۔ انہی دنوں میں سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پہلے خاوند بھی وفات پا گئے تھے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ابھی چھوٹی عمر کی تھیں۔ اس زمانے کے رواج اور شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شدید خواہش تھی کہ ان کی بیٹی کی شادی فوراً ہو جائے۔ انہوں نے ازخود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ میری بیٹی حفصہ سے شادی کر لیں۔ انہوں نے اس پر کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ارادہ کر چکے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی خاموشی پر تعجب اور قدرے ناراضگی بھی ہوئی۔ اب وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ میں نے عثمان کو اپنی بیٹی سے نکاح کی پیش کش کی مگر انہوں نے خاموشی اختیار کر لی اور کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس مسئلے کا اس سے بہتر حل موجود ہے، میں حفصہ سے نکاح کر لیتا ہوں اور عثمان کا نکاح اپنی بیٹی ام کلثوم سے کر دیتا ہوں۔ اس طرح سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر مل گیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر سسر مل گیا۔ اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں آئیں اور یہ اعزاز اس امت میں اور سابقہ امتوں میں اور کسی کے حصے میں نہیں آیا سوائے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن سے فرمایا میری صاحب زادی ام کلثوم کو تیار کر کے عثمان کے گھر پہنچا دو اور اس کے پاس دف بجاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تین دن کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے ہاں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا: پیاری بیٹی! تمہیں اپنے سر تاج کیسے لگے؟ انہوں نے جواب دیا وہ بہت اچھے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر فرمانے لگے اے عثمان یہ جبریل ہیں انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ام کلثوم کا نکاح آپ سے کر دیا ہے۔ رقیہ والا حق مہر مقرر کیا ہے اور انہی جیسا سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔ یہ ربیع

الاول ۳ ہجری کا واقعہ ہے ان کی رخصتی جمادی الاخریٰ میں ہوئی۔ شعبان ۹ ہجری میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی بیمار رہ کر وفات پا گئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر کی نماز جنازہ پڑھی۔ حزن و ملال کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک ان کی قبر پر بیٹھے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اعصاب جواب دے گئے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کا پررونق چہرہ مرجھا گیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صدمے کو شدت سے محسوس کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلق کا مداوا کرنے کے لیے فرمایا عثمان کی شادی کا اہتمام کرو اگر میرے ہاں تیسری بیٹی موجود ہوتی تو میں اسے بھی عثمان کے نکاح میں دے دیتا اور میں نے ان سے اپنی بیٹیوں کی شادی اللہ کی طرف سے وحی آنے کے بعد ہی کی تھی۔ یہ وہ اعزاز ہے جو تاریخ انسانی میں سوائے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے کسی فرد بشر کو حاصل نہیں ہوا۔ اسی لیے انہیں ذوالنورین بھی کہا جاتا ہے۔

# اہل بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کون ہیں؟

## اہل بیت رضی اللہ عنہم کون ہیں؟

اہل بیت کون ہیں؟ اس سلسلے میں بہت سے اقوال ہیں، جن کو اکابر علماء نے بیان کیا ہے، لیکن ان میں سے راجح قول یہ ہے کہ آل بیت بنو ہاشم ہیں، کیونکہ ان کے لیے صدقہ اور زکوٰۃ حرام ہے [1] اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: "... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے درمیان خما کنویں کے پاس کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگے، یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، چنانچہ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور وعظ و نصیحت کی، پھر فرمایا: امابعد! اے لوگو! میں انسان ہوں، قریب ہے کہ میرے پروردگار کا پیامبر میرے پاس آئے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہوں، میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے، چنانچہ اللہ کی کتاب کو لو اور اس کو تھامو، آپ نے اللہ کی کتاب پر عمل کرنے پر ابھارا اور اس کی ترغیب دی، پھر فرمایا: اور میرے گھر والے، میں تم لوگوں کو میرے گھر والوں کے سلسلے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں اپنے گھر والوں کے سلسلے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ حصین (اس حدیث کے ایک راوی) نے ان سے دریافت کیا: زید! آپ کے گھر والے کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں آپ کے اہل میں نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: آپ کی بیویاں آپ کے اہل میں ہیں، لیکن آپ کے گھر والے وہ ہیں جن پر آپ کے انتقال کے بعد صدقہ حرام ہے۔ حصین نے سوال کیا: وہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: علی، عقیل، جعفر اور عباس کی اولاد۔" [1]

اس کی اور ایک دلیل یہ ہے کہ عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے درخواست کی کہ ان کو صدقے کا ذمے دار بنایا جائے تاکہ ان کو اتنا مال حاصل ہو جائے جس سے وہ اپنی شادی کر سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "آلِ محمد کے لیے صدقہ جائز نہیں ہے، یہ لوگوں کی گندگیاں ہے۔" [2]

اس سے معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا کی اولاد مثلاً علی، جعفر، عقیل، عباس کی اولاد اور ابو لہب کی وہ اولاد جنہوں نے اسلام قبول کیا، عبد الحارث بن عبد المطلب کی اولاد کی اولاد آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔

## ازواجِ مطہرات اہل بیت ہیں:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

"اور تم اپنے گھروں میں رہو، اور زمانہ جاہلیت کی طرح نہ پھرو، نمازوں کو قائم کرو، زکوۃ دو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، بلاشبہ اللہ چاہتا ہے کہ، اے گھر والو! تم سے گندگی کو دور کرے اور تم کو پاکیزہ بنادے۔"

اس آیت کے سیاق وسباق سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات بھی آل رسول میں سے ہیں، لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ازواج کے علاوہ دوسرے لوگ اہل بیت میں سے نہیں ہیں، کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے، اختصاص کا نہیں۔ حضرت عکرمہ نے اس آیت کے سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ پھر عکرمہ نے فرمایا: جو چاہے میں اس کے ساتھ مباہلہ[1] کرنے کے لیے تیار ہوں کہ یہ آیت ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں نازل ہوئی۔[2]

علامہ ابن قیم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین کے آلِ نبی میں شامل ہونے کی رائے رکھنے والے کے حق میں دلیل پیش کرتے ہوئے اپنی کتاب "جلاء الافہام" صفحہ نمبر ۳۳۱،۳۳۳ پر یہی رائے پیش کی ہے، وہ فرماتے ہیں: اور خصوصاً ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نسب میں شامل ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق اور ربط اٹھایا گیا ہے، وہ آپ کی زندگی اور آپ کے انتقال کے بعد دوسرے کے لیے حرام ہیں، وہ آپ کی دنیا اور آخرت میں بیویاں ہیں، جو سبب ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے وہ نسب کے قائم مقام ہے، نص سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے ان کے لیے رحم کی دعا فرمائی، اسی وجہ سے صحیح قول یہ ہے جو امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ان کے لیے صدقہ حرام ہے، کیونکہ یہ لوگوں کی گندگیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا کر کے اپنے نبی اور آل نبی کو بنو آدم کی تمام گندگیوں سے محفوظ رکھا ہے۔ کیا ہی تعجب کی بات ہے! ازواج مطہرات آپ کے اس فرمان میں داخل ہیں: "اے اللہ! آل محمد کی روزی بقدرِ کفاف بنا"[3]

آپ کے اس قول میں بھی شامل ہیں جو قربانی کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! یہ محمد اور آلِ محمد کی طرف سے ہے۔"[4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں بھی داخل ہیں: "آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جو کی روٹی سے آسودہ نہیں ہوئے"[5] اور اس میں بھی شامل ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے اللہ! تو محمد اور آلِ محمد پر رحم فرما"[1] لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس قولِ نبی میں شامل نہیں ہیں: "صدقہ محمد اور آلِ محمد کے لیے حلال نہیں ہے۔"[2] جب کہ صدقہ لوگوں کی گندگیاں ہیں، کیونکہ ازواجِ مطہرات اس سے محفوظ رہنے اور اس سے دور رہنے کی زیادہ حق دار ہیں۔

اگر یہ کہا جائے: اگر صدقہ ان پر حرام ہوتا تو ان کے آزاد کردہ غلاموں اور باندیوں پر بھی حرام ہوتا، جس طرح بنو ہاشم کے ساتھ ان کے آزاد کردہ لوگوں پر بھی حرام ہے، یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی بریرہ کو زکوٰۃ دی گئی تو اس نے کھایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام نہیں بتایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات کے لیے صدقہ اور زکوٰۃ جائز قرار دینے والوں کی طرف سے یہ ایک شبہہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، کیونکہ ازواجِ مطہرات پر صدقہ حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں، ورنہ آپ کے ساتھ زوجیت میں منسلک ہونے سے پہلے ازواج کے لیے صدقہ جائز تھا، اس حیثیت سے وہ اس حرمت میں تابع ہو گئیں، اور آزاد کردہ غلاموں اور باندیوں پر صدقے کی حرمت اپنے آقا کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے، چونکہ بنو ہاشم پر اصلاً صدقہ حرام ہے تو اس میں ان کے آزاد کردہ لوگ بھی شامل ہیں، اور ازواجِ مطہرات پر تابع ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لیے ان کے جو تابع آزاد کردہ لوگ ہیں ان پر صدقہ حرام نہیں ہے، کیونکہ یہ فرع در فرع ہو گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ﴾ (الاحزاب: ۳۰)

"اے نبی کی بیویوں! جو تم میں سے کوئی کھلا ہوا فحش کام کرے گی تو اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔"

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۴)

"اور تم ان آیات اور اس حکمت کو یاد رکھو جن کی تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہے۔" پھر علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے: پس وہ اہل بیت میں شامل ہیں، کیونکہ یہ خطاب ان کے تذکرے کے ضمن میں آیا ہے، اسی لیے ان کو اس میں سے تھوڑا بھی نکالنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں پر علامہ ابن قیم کی بات ختم ہو گئی اور یہ سمجھنے والوں کے لیے کافی ہے۔

## آل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل:

آلِ بیت کے بہت سے فضائل اور مناقب ہیں، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾(الاحزاب: ۳۳)

"بلاشبہ اللہ چاہتا ہے کہ: اے گھر والو! تم سے گندگی کو دور کرے اور تم کو پاکیزہ بنادے۔"

امام مسلم نے یزید بن حبان سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں اور حصین بن سبرہ اور عمرو بن مسلمہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، جب ہم ان کے پاس بیٹھ گئے تو حصین نے ان سے کہا: زید! تم نے بہت بھلائی پائی ہے، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ کی گفتگو سنی، آپ کے ساتھ جنگوں میں شریک رہے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی، زید! تم نے بہت بھلائی اور خیر پایا ہے، زید! ہم کو وہ سنایئے جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، انہوں نے فرمایا: بھتیجے! اللہ کی قسم! میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بہت عمر رسیدہ ہو چکا ہوں، اور میں بعض وہ چیزیں بھول گیا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کی تھی، پس جو میں تم کو بتاؤں، تو اس کو قبول کرو اور جو نہ بتاؤں تو مجھے اس کا مکلف نہ بناؤ، پھر انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے درمیان حما کنویں کے پاس کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگے، یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، چنانچہ آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور وعظ ونصیحت کی، پھر فرمایا: اما بعد! اے لوگو! میں انسان ہوں، قریب ہے کہ میرے پروردگار کا پیامبر میرے پاس آئے اور اس کی آواز پر لبیک کہوں، میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے، چنانچہ اللہ کی کتاب کو لو اور اس کو تھامو، آپ نے اللہ کی کتاب پر ابھارا اور اس کی ترغیب دی، پھر فرمایا: اور میرے گھر والے، میں تم لوگوں کو میرے گھر والوں کے سلسلے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں اپنے گھر والوں کے سلسلے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ حصین نے ان سے دریافت کیا: زید! آپ کے گھر والے کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: آپ کی بیویاں اہل بیت میں سے ہیں، آپ کے گھر والے وہ ہیں جن پر آپ کے انتقال کے بعد صدقہ حرام ہے۔ حصین نے سوال کیا: وہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: علی، عقیل، جعفر اور عباس کی اولاد...۔" [1]

امام بخاری نے ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو!

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ))

"اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور محمد کی ازواج اور ذریت پر رحمت نازل فرما، جیسے تو نے ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی، اور محمد اور ان کی ازواج اور ذریت پر برکت نازل فرما، جیسے تو نے ابراہیم کی آل پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو ہی تمام جہانوں میں تعریف کے لائق اور بڑی بزرگی والا ہے۔" [2]

اسلام کا سب سے اہم رکن نماز ہے، اس میں اللہ تبارک وتعالی نے ہم پر اہل بیت کے لیے رحمت کی دعا کرنا فرض قرار دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر سبب اور نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا، سوائے میرے سبب اور میرے نسب کے۔" [1]

## اہل بیت رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں مسلمانوں کا عقیدہ:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خاندانِ بنو ہاشم سب سے بہترین نسب ہے، مومنین میں بنو ہاشم کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے تابع ہے، ان کی محبت واجبی فریضہ ہے، اس پر مسلمان کو اجر ملتا ہے، کیونکہ انہوں نے اسلام قبول کیا، ان کو شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے اور آپ کی رشتے داری کا شرف حاصل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں وصیت کی ہے اور ان سے بہتر سلوک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ لوگ ان کے بارے میں مختلف طبقات میں بٹے ہوئے ہیں، بعض ان کے بارے میں افراط کرتے ہیں تو دوسرے تفریط سے کام لیتے ہیں، ان کے سلسلے میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ افراط اور تفریط کے بغیر ان کے ساتھ محبت کرنا فرض ہے، یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سے ہے، کیونکہ غلو کے دونوں پہلو قابل مذمت ہیں، ان میں سے امہات المومنین بھی ہیں جو آپ کی دنیا اور آخرت میں بیویاں ہیں، اگرچہ ان کے بہت سے عظیم فضائل اور مناقب ہیں، لیکن بعض لوگ دوسرے اعتبار سے ان سے بھی افضل پائے جاتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔

ان کی ولایت اور محبت کے لیے چند شرطیں ہیں، جن میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ وہ اسلام پر ثابت قدم ہوں، اگر وہ کافر ہیں تو ان سے محبت کرنا اور ان سے دوستی رکھنا جائز نہیں ہے، اگر صرف رشتے داری کافی ہوتی تو ابولہب کے لیے کافی ہوتی۔

۲۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے پیروکار ہوں، جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "فلاں میرے والد کے رشتے دار میرے دوست نہیں ہیں، میرے دوست اللہ اور صالح مومنین ہیں۔" [1]

عقائد کی کتابوں میں آلِ نبی کی محبت کے ضروری ہونے کے بارے میں علماء کرام نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے، جن میں سے بعض اہم علماء یہ ہیں: امام طحاوی (م ۳۲۱) نے "العقیدۃ الطحاویۃ" امام بربہانوی (م ۳۲۹)، امام آجری (۳۶۰) نے "الشریعۃ" میں، امام اسفرایینی (م ۴۷۱)، امام قحطانی (م ۳۸۷) نے "المنظومۃ القحطانیۃ" میں، موفق ابن قدامہ مقدسی (م ۶۲۰) نے "لمعۃ الاعتقاد" میں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸) نے "الواسطیۃ" میں، ابن کثیر دمشقی (م ۷۷۴) نے تفسیر ابن کثیر میں، محمد بن ابراہیم (م ۸۴۰) نے "ایثار الحق علی الخلق" میں، صدیق حسن خان ۰م ۱۳۰۷) نے "الدین الخالص" میں اور عبد الرحمن بن ناصر سعدی (م ۱۳۷۶) نے "التنبیھات اللطیفۃ" میں اور ان کے علاوہ دوسرے اکابر علماء نے یہی رائے پیش کی ہے۔[2]

[1]صحیح مسلم: کتاب الایمان باب موالاۃ المومنین، حدیث: ۲۱۵۔ [2] استحلاب ارتقاء الغرف: ۱۶۵، ۱۷۸، تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ۔

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کون ہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سلسلہ میں سب سے صحیح بات جس میں واقف ہوا ہوں وہ یہ ہے کہ صحابی وہ ہے جس کی حالت ایمان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات ہوئی ہو اور اسلام ہی پر اس کا انتقال ہوا ہو۔[3]

اسی بنیاد پر آلِ بیت میں سے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات ہوئی اور انہوں نے اسلام قبول کیا وہ بھی صحابہ ہیں، اسی وجہ سے بہت سی کتابوں میں آلِ بیت کا تذکرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے تذکرے کے ساتھ ہی ہے، ان میں آلِ بیت کو الگ سے بیان نہیں کیا گیا ہے۔

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل:

صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت کی بہت سی دلیلیں ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہین:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے نکالی گئی ہو۔"

اگر صحابہ اس آیت میں لوگوں میں بدرجہ اولی شامل نہیں ہیں تو پھر کون شامل ہوں گے؟

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ (البقرہ: ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا۔" وسط کے معنی بہترین لوگ ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں سے اہل بیت بھی ہیں، اس آیت میں داخل ہونے کے امت میں سب سے زیادہ حق دار ہیں۔

﴿لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (الفتح:۱۸)

"اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہو گیا جب وہ آپ کے ہاتھوں پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پس ان کے دلوں کی بات اس نے جان لی، جس کی وجہ سے ان پر سکینت کو نازل فرمایا اور ان کو بدلے میں قریبی فتح عطا کی۔" اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بہت بڑی چیز ہے، جس سے اللہ راضی ہو جاتا ہے وہ خوشنودی کا مستحق بن جاتا ہے، پھر اللہ اس پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوتا۔

﴿ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ﴾ (التوبہ: ١٠٠)

"اور جو سابقین اولین مہاجرین اور انصار ہیں اور جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا۔"

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الانفال: ٦٤)

"اے نبی! آپ کے لیے اللہ اور مومنین میں سے آپ کی اتباع کرنے والے کافی ہیں۔"

﴿ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴾ (الحشر: ٨)

"اس مال کے حقدار مہاجرین فقراء ہیں جن کو ان کے گھروں اور مالوں سے نکال دیا گیا، وہ اللہ کے احسان اور رضامندی کی تلاش میں ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں۔" اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ سچے ہیں، سچائی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ منافق نہیں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے سچا ہونے کی خبر دی بھی نہیں جاتی تو ان کی فضیلت کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ انہوں نے ہجرت کی، اللہ کے رسول کی مدد کی، اپنی جانوں اور مال و دولت کو قربان کر دیا، اپنے باپوں اور بچوں کو قتل کر دیا، دین کے بارے میں ایک دوسرے کو نصیحت کی، ان کا ایمان کامل تھا اور ان کو یقین کی صفت حاصل تھی۔

## حدیث نبوی میں وارد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے ساتھیوں کے سلسلے میں اللہ کا میں حوالہ دیتا ہوں، میرے ساتھیوں کے سلسلے میں اللہ کا میں حوالہ دیتا ہوں، میرے بعد تم ان کو نشانہ نہ بناؤ، ان سے محبت در حقیقت مجھ سے محبت کا نتیجہ ہے اور ان سے بغض مجھ سے بغض کی وجہ سے ہے، اور جو ان کو تکلیف دے گا تو اس نے مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی، اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑ لے۔" [1]

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے ساتھیوں کو گالی مت دو، میرے ساتھیوں کو گالی مت دو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد [1] کے برابر نہیں پہنچ سکتا اور نہ نصف مد کے برابر۔" [2]

تواتر سے یہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے بہترین لوگ میری صدی کے ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں..." [3] بہز بن حکیم اپنے والد اور وہ بہز کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا: "سن لو! تمہیں ستر قومیں ملیں گی، جن میں سے اللہ کے نزدیک سب سے بہتر اور باعزت تم ہو۔" [4]

## خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں مسلمانوں کا عقیدہ:

مذکورہ بالا دلیلوں اور ان کے علاوہ دوسری قرآنی اور نبوی دلیلوں کی بنیاد پر خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء کے بعد وہ سب سے بہتر انسان ہیں۔

مسلمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے انتخاب کی وجہ سے سیّدنا ابو بکر کو، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی طرف سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی وجہ سے عمر کو، پھر سیّدنا عمر کے حکم سے قائم کردہ اہل شوریٰ اور تمام مسلمانوں کے اتفاق سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پھر بدری صحابہ سیّدنا عمار بن یاسر، سہل بن حنیف اور ان کے علاوہ دوسرے اہل فضل صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیعت کی وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ مندرجہ ذیل آیتوں کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:١٨)

"اللہ مومنین سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تمہارے ہاتھوں پر بیعت کر رہے تھے۔"

اللہ کا دوسsری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبہ: ١٠٠)

"اور جو سابقین اولین مہاجرین اور انصار ہیں اور جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

جس کے بارے میں اللہ نے کہہ دیا کہ اللہ اس سے راضی ہے تو ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اللہ کی ناراضگی کا مستحق بن جائے، اور اللہ نے تابعین کو اپنی رضا میں اسی شرط کے ساتھ شامل کیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ صحابہ کی پیروی کریں، ان کے بعد جو بھی تابعی ان کی عزت کو کم کرے گا وہ مخلص نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس آیت کے مصداق میں شامل نہیں ہے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں حسن بصری کی بات کیا خوب ہے، یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جب ان سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جنگ کے بارے میں دریافت کیا گیا: وہ جنگ جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی شریک ہوئے اور ہم غائب رہے، انہوں نے علم حاصل کیا اور ہم لاعلم رہے، وہ متفق ہوئے اور ہم نے پیروی کی، اور انہوں نے اختلاف کیا اور ہم نے توقف کیا۔ سلف صالحین کا مسلک یہ ہے کہ خلافت علی کے دور میں ہونے والے فتنے کے سلسلے میں ہم خاموش رہیں، انہوں نے کہا ہے کہ وہ ایسے خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ نے پاک کیا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو اس سے ملوث نہ کریں۔[1]

اور ہمارے لیے ان میں بہترین نمونہ ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحشر: ١٠)

"اور ہمارے دلوں میں ان کی دشمنی نہ رکھ جو ایمان لا چکے ہیں، اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفیق اور نہایت مہربان ہے۔"

## بعض وہ اہل بیت جنہیں صحبت ورشتہ داری دونوں کا شرف حاصل ہے:

مردوں میں مندرجہ ذیل صحابہ ہیں: عباس، حمزہ، جعفر، علی، حسن، حسین، عبد اللہ بن جعفر، محمد بن جعفر، ابو سفیان، نوفل، ربیعہ، عبیدہ بنو الحارث بن عبد المطلب، عباس بن عبد المطلب اور عقیل بن ابو طالب کی اولاد رضی اللہ عنہم اجمعین، عورتوں میں مندرجہ ذیل افراد ہیں: آپ کی بیٹیاں: فاطمہ، رقیہ، ام کلثوم، زینب، آپ کی نواسیاں ام کلثوم بنت علی، زینب بنت علی، آپ کی ازواج مطہرات: خدیجہ، سودہ، عائشہ، حفصہ، زینب بنت خزیمہ، ام سلمہ ہند بنت ابو امیہ، زینب بنت جحش، جویریہ، ام حبیبہ رملہ بنت ابو سفیان، صفیہ بنت حیی بن اخطب، میمونہ بنت حارث، آپ کی پھوپھیاں: صفیہ، اروی، عاتکہ، آپ کی چچازاد بہنیں: ام ہانی بنت ابو طالب، درہ بنت ابو لہب وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

## اہل بیت، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ثناخواں

اللہ تعالی نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو تمام بندوں کے دلوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سب سے بہترین پایا، پس ان کو اپنے لیے منتخب کیا اور اپنا پیغام دے کر مبعوث کیا، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے بعد بندوں کے دلوں کو دیکھا تو اصحاب رسول کے دلوں کو تمام بندوں کے دلوں میں بہترین پایا، پس ان کو اپنے نبی کے لیے وزیر بنایا، جو آپ کے دین کے خاطر جنگ کرتے ہیں۔[1]

اللہ رب العزت نے آسمانوں کے اوپر سے ان کی تعریف کی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبہ: ١٠٠)

"اور جو سابقین اولین مہاجرین اور انصار ہیں اور جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

اس آیت میں صراحت ہے کہ اللہ مہاجرین، انصار اور ان تابعین سے راضی ہو گیا جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اخلاص کے ساتھ پیروی کریں، اور اللہ نے ان کو عظیم کامیابی اور جنتوں میں ہمیشہ ہمیش رہنے کی بشارت دی ہے۔

اللہ کی اس خوشنودی کے بعد کون سی زبان ان پر لعنت کر سکتی ہے اور ان کا برا تذکرہ کر سکتی ہے؟ کون سا ضمیر ایسا ہے جو ان کو گالی دے اور ان کا مذاق اڑانے اور ان کی طعن و تشنیع کرنے میں اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرے، جب کہ اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے وعدہ کیا ہے، جو وعدہ خلافی نہیں کرتا کہ وہ دنیا سے جانے کے بعد ایسی جنتوں میں پہنچیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور وہ کامیاب لوگوں میں سے ہیں؟ کہنے والے نے سچ کہا ہے: "مرتبے والوں کا مرتبہ وہی لوگ جانتے ہیں جو خود بھی مرتبے والے ہوں" اسی وجہ سے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نزدیک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدر دانی اور مقام و مرتبے کو سب سے پہلے جاننے والے تھے۔

## سیّدنا علی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف میں رطب اللسان:

یہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں، وہ اپنے دینی بھائیوں کے حالات سے باخبر ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو دیکھا ہے، پس میں نے تم میں سے کسی کو ان کے مشابہ نہیں دیکھا، وہ اس حال میں صبح کرتے تھے کہ غبار آلود اور بکھرے بالوں والے ہوتے، جب کہ وہ رات سجدوں اور قیام کی حالت میں گزار چکے ہوتے تھے، چنگاری پر کھڑے ہونے کی طرح اپنی آخرت کی یاد میں کھڑے رہتے، ان کے لمبے لمبے سجدوں کی وجہ سے گویا ان کی آنکھوں کے سامنے بکری کی پنڈلی رہتی[1] جب اللہ کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھیں بہہ پڑتیں یہاں تک کہ ان کی گردنیں بھی بیگ جاتیں، سخت آندھی کے موقع پر درختوں کے پھیلنے کی طرح یہ بھی عذاب کے خوف اور ثواب کی امید میں پھیل جاتے۔" [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے لیے بھلائی ہے جس نے مجھے دیکھا یا اس شخص کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا، یا اس شخص کو دیکھا جس نے مجھے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا۔" [1] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے (جو صحبت رسول کی سب سے کم صورت ہے) بلکہ ان کو دیکھنے والے، بلکہ اس شخص کو دیکھنے والے کو دیکھے جو آپ کے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھے، اس کی یہ عظیم فضیلت ہے تو ہم اس نسل کے خلاف کیسے جرات کر سکتے ہیں جس کا تزکیہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا گیا ہے۔ حضرت علی نے اپنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے حالات اور دشمنوں کے خلاف ان سب کی بہادری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہم اپنے باپوں، بچوں، بھائیوں اور چچاؤوں کو قتل کر رہے تھے، اس سے ہمارے ایمان، فرمانبرداری، صحیح راستے پر چلنے، تکلیف برداشت کرنے کی قوت اور دشمن کے مقابلے کی جدوجہد میں اضافہ ہی ہوتا تھا، ہم میں سے ایک فرد اور دوسرا ہمارے دشمنوں کا فرد: ایک دوسرے سے دو بیل کے جھگڑنے کی طرح جھگڑتے تھے، دونوں اس تاک میں رہتے تھے کہ ہم میں سے کون دوسرے کو

موت کی نیند سلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، کبھی ہمارا آدمی مارا جاتا اور کبھی دشمنوں کا آدمی مارا جاتا، جب اللہ نے دشمنوں کے خلاف جہاد میں ہمارے اخلاص کو دیکھا تو اس نے ہمارے دشمنوں پر شکست اور ہم پر فتح نازل کی، یہاں تک کہ اسلام مکمل طور پر مستحکم ہو گیا، اور اس کے پاؤں جم گئے، میری زندگی کی قسم! اگر ہم وہ کرتے جو تم نے کیا ہے تو دین کا کوئی ستون مستحکم نہیں ہوتا اور ایمان کی کوئی ٹہنی شاداب نہیں رہتی، اللہ کی قسم! تم دودھ کی خون دوہتے اور تم نادم و شرمسار ہوتے۔"[2]

روم کے خلاف جنگ کرنے کے سلسلے میں جب سیّدنا عمر نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "اگر آپ اس دشمن کے خلاف جنگ کرنے کے لیے خود جائیں گے تو ان کے خلاف جنگ کرتے ہوئے آپ کو حادثہ پیش آسکتا ہے، اس صورت میں مسلمانوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی، آپ کے بعد کوئی مرجع نہیں رہے گا جس کی طرف وہ رجوع کریں، چنانچہ آپ ان کے خلاف جنگ کرنے کے لیے جنگوں کے تجربہ کار کسی دوسرے شخص کو روانہ کیجیے اور اس کے ساتھ جنگوں میں مہارت رکھنے والوں اور خیر خواہوں کو بھیج دیجیے، اگر اللہ فتح سے ہمکنار کرے تو یہی آپ کی کواہش ہے، اگر شکست ہو گی تو آپ لوگوں کے لیے جائے پناہ ہوں گے اور مسلمانوں کے مرجع رہیں گے۔"[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: "کیا ہی خوب کارنامہ انجام دیا ہے، انہوں نے کجی کو درست کیا، بیماری کی دوا کرنے کی سنت قائم کی، اور فتنے کو دور کر دیا! پاک وصاف اور کم عیب لے کر دنیا سے گئے، دنیا کی بھلائی کو حاصل کیا اور اس کی برائی پر سبقت کر گئے، اللہ کی کامل اطاعت کی اور اللہ کے حق کے مطابق اس کا تقویٰ اختیار کیا، اس حال میں کوچ کیا کہ لوگ مختلف راستوں پر ہیں، جہاں گمراہ کو ہدایت نہیں ملتی اور ہدایت یافتہ کو یقین نہیں ہوتا۔" [2]

سیّدنا علی بن ابو طالب نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے: "اور لوگوں کا ایک خلیفہ بنا جس نے ان کو درست کیا اور خود بھی درست رہا، یہاں تک کہ دین کو بلندی (جران) تک پہنچایا۔" ابن ابی حدید کہتے ہیں کہ "جران" گردن کے اگلے حصے کو کہتے ہیں اور یہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔" [3]

امام احمد نے محمد بن حاطب سے روایت کیا ہے کہ میں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: "جو لوگ جنت کے حصول میں ہم سے سبقت کر گئے ان میں سے عثمان رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔" [4]

محمد بن حنفیہ سے روایت ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ عائشہ مقام مربد میں عثمان کے قاتلوں پر بد دعا کر رہی ہیں تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا یہاں تک کہ چہرے تک لے گئے اور فرمایا: "میں اونچی اور نیچی زمین میں یعنی ہر جگہ عثمان کے قاتلوں پر لعنت کرتا ہوں۔ آپ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ کہی۔" [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے درمیان گہرے تعلقات پر دلالت کرنے والی اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں ہے کہ سیّدنا علی نے اپنی دختر ام کلثوم کی شادی سیّدنا عمر بن خطاب کے ساتھ کر دی، جیسا کہ تراجم، تاریخ، سیرت، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں یہ روایت ہے۔[2]

تاریخی کتابوں کے مطابق سیّدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے قریبی ساتھی مالک اشتر نخعی[3] شیخین سیّدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں: "امابعد! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عزت سے سرفراز کیا، پس انہوں نے امت کو مجتمع کیا اور لوگوں پر غالب کیا، جب تک اللہ نے چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے، پھر اللہ عزوجل نے ان کو اپنی خوشنودی اور اپنی جنتوں کی طرف منتقل کیا، پھر آپ کے بعد صالح لوگ خلیفہ بنے جنہوں نے اللہ کی کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا، اللہ ان کو بہترین اعمال کا بدلہ عطا فرمائے۔" [4]

دوسرے خطاب میں وہ کہتے ہیں: "اے لوگو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم میں اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی، جس میں حلال و حرام اور فرائض اور سنتیں ہیں، آپ نے اپنی ذمے داری ادا کی، پھر ابو بکر کو لوگوں کا خلیفہ بنایا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چلی اور آپ کے طریقے کو اپنایا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، تو انہوں نے بھی اسی طرح کیا۔" [1]

## عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

یہ امت کے سب سے بڑے عالم اور ترجمان القرآن سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں فرماتے ہیں: اللہ عزوجل نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ساتھی عطا فرمائے جنہوں نے آپ کو اپنی جانوں اور مالوں پر ترجیح دی، اور ہر حال میں آپ کی خاطر اپنی جانوں کی بازی لگا دی، اور اللہ نے اپنی کتاب میں ان کا وصف یوں بیان کیا ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الفتح: ۲۹)

"محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں، تم ان کو رکوع اور سجدے کی حالت میں دیکھو گے کہ وہ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں ہیں، سجدے کے اثر کی وجہ سے ان کے چہروں پر ان کے آثار نمایاں ہیں، تورات میں یہ ان کا وصف بیان کیا گیا ہے، اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو طاقت ور کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، تاکہ ان کے ذریعے کافروں کو جلا دے، اللہ نے ان میں سے ان لوگوں سے مغفرت اور

اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے جو ایمان لے آئے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے۔" انہوں نے دین کے ستونوں کو بلند کیا اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی، یہاں تک کہ دین کے راستے ہموار ہوگئے اور اس کے اسباب طاقت ور ہوگئے اور اللہ کی نعمتیں ظاہر ہوگئیں، اس کا دین مستحکم ہوگیا اور اس کی نشانیاں نمایاں ہوگئی، اللہ نے ان کے ذریعے شرک کو ذلیل کیا، اس کے سرداروں کو ختم کیا اور اس کے ستونوں کو مٹا دیا، اور اللہ کا دین سربلند ہوگیا، اور کافروں کا دین مٹی میں مل گیا، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ان پاک نفوس اور صاف وبلند روحوں پر، وہ اپنی زندگی میں اللہ کے ولی تھے، اور مرنے کے بعد زندہ تھے، اور اللہ کے بندوں کے لیے خیر خواہ تھے، مرنے سے پہلے انہوں نے آخرت کا سفر کیا اور دنیا سے اس حال میں نکلے کہ وہ دنیا سے دور تھے۔[1]

یہ اوصاف وصفات جن کو سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے وہ سب صحابہ کے مناقب وفضائل اور ان کی بہترین تعریف ہے جس کا تذکرہ ان کے انتقال کے بعد آج تک ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا، صحابہ ویسے ہی تھے جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کا وصف بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے ان کو منتخب کیا اور ان کو صحبت نبوی کی عزت سے سرفراز کیا، اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی، دین اسلامی کے ستونوں کو قائم کیا، اور امت کو نصیحت کی، اور اسلام کو پھیلانے اور اس کے ستونوں کو مضبوط کرنے میں جدوجہد کی، یہاں تک کہ زمین میں دین مستحکم ہوگیا، اللہ نے ان کے ذریعے شرک اور مشرکین کو ذلیل کیا اور اس کے سرداروں کو ختم کردیا اور اس کے ستونوں کو مٹادیا اور ان کے ذریعے اللہ نے دین کو سربلند کیا اور باطل کو تباہ کردیا، اسی وجہ سے ان کے نفوس پاکیزہ اور ان کی روحیں پاک تھیں، وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے ولی تھے، اور اللہ ان سب سے راضی تھا۔ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اللہ ابو عمرو پر رحم فرمائے! اللہ کی قسم! وہ سب سے باعزت مددگار تھے اور نیک کاروں میں سب سے افضل تھے، راتوں کو بہت زیادہ عبادت کرنے والے، آگ کے تذکرے پر بہت زیادہ آنسو بہانے والے، ہر نیک کام کی طرف بہت زیادہ لپکنے والے اور ہر نیکی کی طرف سبقت کرنے والے تھے، وہ محبوب، خوددار، وفاشعار، تنگی کے لشکر کا تعاون کرنے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔" [1]

جب سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اللہ کی قسم! ان کے ساتھ بہت زیادہ علم دفن ہوگیا۔"[2]

## امام علی بن حسین رضی اللہ عنہ صحابہ کے ثناخواں:

امام علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور ان کے حق میں رحمت اور مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے، کیونکہ انہوں نے توحید کی دعوت کو عام کرنے اور اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے میں سید البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاون کیا تھا، وہ فرماتے ہیں: "پس اے اللہ! تو اپنی طرف سے ان کی مغفرت فرما اور ان سے راضی ہو جا، اے اللہ! خصوصیت کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے، جنھوں نے صحبت کا بہترین حق ادا کیا اور آپ کی مدد میں کارہائے نمایاں انجام دیے، آپ کا تعاون کیا، اور آپ کی صحبت اختیار کرنے میں جلدی کی اور آپ کی دعوت قبول کرنے میں سبقت کی، اور جہاں آپ نے اپنے پیغام کی دلیل ان کو سنائی وہیں قبول کیا، آپ کے دین

کو غالب کرنے کے لیے بیوی اور بچوں کو چھوڑ دیا، آپ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے باپ اور بچوں کے خلاف جنگ کی، اور آپ کے ذریعے وہ غالب آگئے، اور جو آپ کی محبت سے سرشار ہیں، آپ کی محبت و مودت میں نہ ختم ہونے والی تجارت کے امیدوار ہیں، اور جن لوگوں کو خاندان والوں نے چھوڑ دیا جب انہوں نے آپ کی رسی کو تھام لیا، اور ان سے رشتے داریاں ختم ہو گئی جب وہ آپ کی رشتے کے سائے میں آگئے، اے اللہ! جو انہوں نے تیرے لیے اور تیرے راستے میں چھوڑا، اور ان کو تو اپنی خوشنودی سے راضی فرما، اور تیرے راستے میں اپنے گھروں کو چھوڑنے، معاش کی کشادگی سے تنگی کی طرف آنے، اور تیرے دین کو معزز کرنے کے لیے کثرت سے قلت میں آنے کی قدر دانی فرما، اے اللہ! ان لوگوں کو بھی بہترین بدلہ عطا فرما جو ان کی اخلاص کے ساتھ اتباع کرنے والے ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان میں ہم پر سبقت لے گئے، جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سمت کا رخ کیا اور ان کی جہت کو تلاش کیا، اگر وہ ان کے راستے پر چلیں گے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی بصیرت میں ان کو کوئی شک و شبہ نہیں ہوگا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنے اور ان کے نور کی ہدایت کی اقتدا کرنے میں کوئی شک نہیں آئے گا، ان کا تعاون کریں گے اور ان کے دین کو اختیار کریں گے اور ان کے راستے پر چلیں گے، ان سے متفق ہوں گے اور ان تک صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے پہنچانے والی چیزوں میں ان کو متہم نہیں کریں گے۔" [1]

امام علی بن حسین ہی سے روایت ہے کہ جب بعض لوگوں نے ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں کچھ کہا، جب وہ فارغ ہو گئے تو آپ نے کہا: کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ کیا تم وہ ہو جن کا تذکرہ اس آیت میں ہے:

﴿ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴾(الحشر: ٨)

"ان حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے، وہ اللہ تعالی کی طرف سے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں، اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں۔"

لوگوں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا: کیا تم اس آیت سے مراد ہو:

﴿ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾(الحشر: ٩)

"اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو ان سے پہلے دارالاسلام یعنی مدینہ میں رہائش پذیر ہیں اور ایمان لائے ہیں، جو اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو ملتا ہے اُس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے، اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں چاہے ان پر فاقہ کشی ہو، اور جس شخص کو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں۔"

لوگوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ (الحشر: ۱۰)

"اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہماری اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے ہمارے بھائیوں کی مغفرت فرما۔ اور ہمارے دلوں میں ان کی دشمنی نہ رکھ جو ایمان لا چکے ہیں، اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفیق اور نہایت مہربان ہے۔"

ابو حازم مدنی نے کہا ہے: میں نے بنو ہاشم میں علی بن حسین سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا، میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا جب ان سے سوال کیا گیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابو بکر اور عمر کا کیا مرتبہ تھا؟ انہوں نے اپنے ہاتھ سے قبر رسول کی طرف اشارہ کیا پھر فرمایا: اب جو ان کا آپ کے پاس مقام ہے۔[1]

## امام محمد باقر رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

ابن سعد نے بسام صیرفی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابو جعفر سے ابو بکر اور عمر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کے حق میں مغفرت کی دعا کرتا ہوں، میں نے اپنے گھر والوں میں سے ہر ایک کو ان دونوں سے محبت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔" [2]

ان کا یہ قول ہے: "بنو فاطمہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ ابو بکر اور عمر کے سلسلے میں سب سے بہترین بات کہتے ہیں۔" [3]

عروہ بن عبد اللہ نے ان سے تلواروں کو آراستہ کرنے کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا: کوئی حرج نہیں ہے، ابو بکر صدیق نے اپنی تلوار کو آراستہ کیا ہے۔ میں نے کہا: آپ ان کو صدیق کہہ رہے ہیں؟ وہ کود کر کھڑے ہو گئے اور قبلہ رخ ہو کر فرمایا: جی ہاں! صدیق، جی ہاں! صدیق۔ جو ان کو صدیق نہ کہے تو اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی کسی بات کی تصدیق نہیں کرے گا۔[4]

امام باقر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: تلواریں سونتی نہیں گئیں، نماز اور جنگ کے لیے صفیں درست نہیں کی گئیں، نہ اذان پکاری گئی اور نہ اللہ نے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کے الفاظ نازل فرمائے، مگر اسی وقت جب اوس اور خزرج والوں نے اسلام قبول کیا۔ یعنی ان کے اسلام لانے کے بعد ہی دین سربلند ہوا۔[5]

جابر جعفی فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن علی نے کہا: "جابر! مجھے معلوم ہوا ہے کہ عراق میں بعض لوگ ہماری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ابو بکر و عمر کو گالیاں دیتے ہیں، ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ میں نے ان کو اس کا حکم دیا ہے، میری طرف سے ان کو یہ بات پہنچا دو کہ میں اللہ کے یہاں ان سے بری ہوں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (میری) کی جان ہے، اگر مجھے ذمے دار بنایا جائے تو میں ان کا خون کر کے اللہ کا تقرب حاصل کروں گا،

اگر میں ابو بکر و عمر کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا نہ کروں تو مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش نہ ہو" انہوں نے یہ بھی کہا: "جس نے ابو بکر اور عمر کی فضیلت نہیں جانی وہ سنت سے ناواقف ہے۔" [1]

## امام زید بن علی بن حسین رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

ہاشم بن برید نے زید بن علی بن حسین سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ابو بکر رضی اللہ عنہ شکر بجالانے والوں کے امام تھے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴾ "اور اللہ شکر بجالانے والوں کو عنقریب بدلہ دے گا" پھر فرمایا: ابو بکر سے براءت کرنا علی سے براءت کرنا ہے۔"[2]

امام زید سیّدنا ابو بکر اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرماتے تھے: "میں نے اپنے گھر والوں میں سے جس کسی کو بھی سنا تو ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے ہی سنا۔"[3]

یحییٰ بن ابو بکر عامری نے اپنی کتاب "الریاض المستطابة" میں لکھا ہے کہ وہ امام منصور باللہ عبد اللہ بن حمزہ (جو زیدیہ فرقے کے کبار ائمہ میں سے ہیں) کی ایک بات سے واقف ہوئے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب "جواب المسائل التہامیۃ" میں لکھا ہے، جس سے صحابہ کرام سے متعلق امام زید کا نظریہ واضح ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں: "انہوں نے مجملاً صحابہ کی تعریف کی ہے اور دوسروں پر ان کی خصوصیات کو گنوایا ہے"، پھر انہوں نے فرمایا: "وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور اس کے بعد کے لوگوں میں سب سے بہترین ہیں، پس اللہ ان سے راضی ہو گیا اور اسلام کی طرف سے ان کو بہترین بدلہ عطا کیا"، پھر فرمایا: یہ ہمارا مسلک ہے، ہم نے اس کو زبردستی نہیں اگلا ہے اور اس کے علاوہ کو تقیہ کرتے ہوئے نہیں چھپایا ہے، اور جو ہم سے کم مرتبے اور صلاحیت والا ان کو گالی دیتا ہے، ان پر لعنت کرتا ہے، ان کی مذمت کرتا ہے اور ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے ہم اس کے اس کرتوت سے اللہ کے یہاں بری ہیں، یہ علم ہم کو اپنے آباء و اجداد کے واسطے سے حضرت علی سے ملا ہے... جو کوئی صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور ان سے براءت کرنا ہمارے ساتھ دوستی سمجھتا ہے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہے، اور میں یہ شعر پڑھتا ہوں:

وَإِنْ كُنْتُ لَا أَرْمِي وَتَرْمِي كِنَانَتِي

تُصِيبُ جَائِحَاتُ النَّبْلِ كَشْحِي وَمَنْكِبِي

"اگرچہ میں تیر اندازی نہیں کرتا ہوں، میرے ترکش سے تیر چلتے ہیں۔ تیر کے وار میری پیٹھ اور میرے مونڈھے پر لگتے ہیں۔" [1]

[1]الریاض المستطابة: ۳۰۰۔

## امام عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

عبداللہ بن حسن کے نزدیک بھی دوسرے اہل بیت کی طرح خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عظیم مقام اور مرتبہ تھا۔ حافظ ابن عساکر نے ابو خالد احمر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن حسن سے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے اور ان پر رحمت نازل نہ فرمائے جو ان دونوں کے لیے رحمت کی دعا نہ کرے۔[2]☆

☆ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (التوبہ: ۱۰۳) یعنی ان کے لیے دعا کیجیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى آلِ أَبِي أَوْفٰى)) اے اللہ! ابو اوفی کے گھر والوں پر رحمت نازل فرما۔ صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ، باب صلاۃ الامام ودعائہ لصاحب الصدقۃ (۶۳) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میرے لیے اور میرے شوہر کے لیے رحمت کی دعا کیجیے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تم پر اور تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے۔ ابو داؤد: کتاب سجود القرآن باب الصلاۃ علی غیر النبی صلي الله عليه وسلم اس کی سند صحیح ہے۔ ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں درود بھیجنے کا معنی دعا کرنا ہے، امام عبداللہ بن حسن رحمہ اللہ کی طرف سے درود بھیجنے کا مطلب یہی ہے، یہاں ان تمام جگہوں پر رحمت کے لیے لفظ "صلاۃ" استعمال ہوا ہے۔

عبداللہ بن عبداللہ بن حسن کے آزاد کردہ غلام حفص بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن حسن کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔ میں نے ان سے دریافت کیا: آپ موزوں پر مسح کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! عمر بن خطاب نے مسح کیا ہے، اور جو عمر کو اپنے اور اللہ کے درمیان رکھے تو اس نے مضبوط دلیل لی۔[1] یعنی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ شرعی امور کے نقل کرنے میں ثقہ ہیں۔

تاریخ دمشق میں ہی لکھا ہے کہ حفص بن قیس نے عبداللہ بن حسن سے مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: موزوں پر مسح کرو، کیونکہ عمر بن خطاب نے موزوں پر مسح کیا ہے۔ میں نے کہا: میں آپ سے دریافت کر رہا ہوں کہ کیا آپ موزوں پر مسح کرتے ہیں؟ امام نے کہا: یہ تمہارے لیے کافی ہے، میں تم کو عمر سے نقل کر کے یہ بات بتا رہا ہوں اور تم مجھ سے میری رائے پوچھ رہے ہو، عمر مجھ سے اور مجھ جیسے زمین بھر لوگوں سے بہتر ہیں۔ میں نے کہا: ابو محمد! لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف سے تقیہ ہے؟ انہوں نے مجھے جواب دیا جب کہ ہم منبر رسول اور قبر رسول کے درمیان میں تھے: اے اللہ! یہ خلوت اور جلوت میں میری بات ہے، چنانچہ تم ہم کو میرے بعد کسی کی بات نہ بتاؤ۔ پھر کہا: جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علی مظلوم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بعض امور کا حکم دیا تھا جن کو انہوں نے نافذ نہیں کیا تو یہ علی کی حقارت کے لیے کافی ہے، یہ نقص ہے کہ لوگ یہ دعویٰ کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو چند امور کا حکم دیا اور انہوں نے ان کو نافذ نہیں کیا۔[2]

تاریخ دمشق میں ہی محمد بن قاسم اسدی ابو ابراہیم سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رحمہ اللہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا، وہ اس تذکرے پر رو پڑے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی اور کپڑا بھیگ گیا۔[3]

# امام جعفر صادق رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

امام جعفر صادق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک مرتبہ تذکرہ کیا تو فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بارہ ہزار تھے، آٹھ ہزار مدینہ کے تھے، دو ہزار مکہ کے اور دو ہزار فتح مکہ کے دن آزاد کیے ہوئے تھے، ان میں کوئی قدریہ فرقے کا نہیں تھا اور نہ مرجیہ فرقے کا کوئی تھا، نہ حروری فرقے کا کوئی تھا، اور نہ کوئی معتزلی تھا اور نہ کوئی اصحاب الرائے میں سے تھا، وہ لوگ دن رات روتے تھے اور کہتے تھے: اے اللہ! خمیر کی روٹی کھانے سے پہلے ہماری روحوں کو قبض فرما۔" [1]

اگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی مرجیہ، حروری، معتزلی اور صاحب رائے نہیں تھا تو ان میں اس سے بھی زیادہ سخت یعنی منافق کیسے ہو سکتا ہے، جیسا کہ خواہشات کی پیروی کرنے والوں کا کہنا ہے؟

امام صادق نے اس روایت میں جو بیان کیا ہے، وہ قرآن میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد تزکیہ ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کی گئی ہے اور ان کو اللہ کی رضامندی اور ہمیشہ ہمیش کی جنتوں کی خوش خبری دی گئی ہے، اس کے سامنے ان تمام جھوٹی روایتوں کا کیا مقام؟ جن میں انگلیوں پر شمار کیے جانے کے قابل چند کو چھوڑ کر تمام صحابہ کے مرتد ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے!! منصور بن حازم نے امام جعفر سے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں دریافت کیا: "مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں آپ سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھتا ہوں تو آپ مجھے ایک جواب دیتے ہیں پھر دوسرا یہی سوال کرتا ہے تو آپ اس کو دوسرا جواب دیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہم لوگوں کو دیکھ کر کم یا زیادہ جواب دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں بتائیے کہ انہوں نے محمد کی تصدیق کی یا تکذیب کی؟ انہوں نے جواب دیا: بلکہ انہوں نے تصدیق کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: پھر ان کو کیا ہو گیا کہ انہوں نے آپس میں اختلاف کیا؟ انہوں نے جواب دیا: کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا اور کسی مسئلے کے بارے میں دریافت کرتا تھا تو آپ اس کو مسئلہ بتا دیتے تھے، پھر دوسرے کو ایسا جواب دیتے جو پہلے جواب کو منسوخ کرنے والا ہوتا، چنانچہ بعض حدیثوں سے دوسری بعض حدیثیں منسوخ ہو گئی ہیں۔ [1]

☆ امام جعفر صادق کی طرف سے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں یہ گواہی ہے کہ وہ سچے اور تصدیق کرنے والے تھے۔ امام جعفر صحابہ کے حق میں یہ گواہی کیوں نہیں دیتے جب کہ وہی خود اپنے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ آپ نے منیٰ کے مقام پر مسجد خیف میں حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں میں خطاب کیا، آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: "اللہ اس بندے کو سر سبز و شاداب رکھے جس نے میری بات سنی اور اس کو یاد رکھا، پھر اس کو نہ سننے والے تک پہنچا دیا، بعض فقہ کی بات اٹھانے والا فقیہ نہیں رہتا، اور بعض فقہ کی بات اٹھانے والا اپنے سے زیادہ فقیہ (سمجھ دار) کے پاس اس کو پہنچا دیتا ہے، تین چیزیں ایسی ہیں جن سے مسلمان کا دل ہٹتا نہیں ہے: اخلاص کے ساتھ اللہ کی خاطر عمل کرنا، مسلمانوں کے ائمہ کے ساتھ خیر خواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کو تھامے رہنا، کیونکہ ان کی دعوت ان کو پیچھے سے

گھیرے ہوئے ہے، اور مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں جن کے خون یکساں ہیں، مسلمانوں کے حق کو حاصل کرنے کے لیے ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی کوشش کرتا ہے اور وہ دوسروں کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔" [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات دوسروں تک پہنچانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھروسہ کیا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کی سچائی اور پاکیزگی کی واضح دلیل ہے۔ ☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں احکام مسلسل نازل ہوتے تھے اور بعد والے حکم سے بعض احکام منسوخ ہوتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا﴾ "ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر لے آتے ہیں۔" بعض صحابہ کو منسوخ شدہ حکم معلوم ہوتا تھا اور بعضوں کو معلوم نہیں ہوتا تھا تو وہ اپنے علم کے مطابق روایت کرتے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اپنے دادا امام علی سے یاد کی ہوئی وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ ہے: "میں تم کو تمہارے نبی کے ساتھیوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، تم ان کو گالی مت دو، جنہوں نے آپ کے بعد کوئی نئی بات نہیں گڑھی اور کسی نئی بات گڑھنے والے کو پناہ نہیں دی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں وصیت کی ہے۔" [1]

بصام صیرفی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر سے ابو بکر اور عمر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ان سے محبت کرتا ہوں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہوں، میں نے اپنے گھر والوں میں سے ہر ایک کو ان سے محبت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔" [2] جعفر بن محمد اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے صراط مستقیم پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ ہے جو میرے گھر والوں اور میرے صحابہ کو سب سے زیادہ چاہنے والا ہو۔" [3]

اے اللہ! تو ہم کو اپنے بندوں میں اہل بیت رضی اللہ عنہم اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت کرنے والوں میں سے بنا اور ہمارا حشر ان کے ساتھ فرما، اے رحم فرمانے والوں میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والے!

## امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

امام موسیٰ کاظم نے اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے ساتھیوں کا میں امین ہوں، جب میرا انتقال ہو جائے گا تو میرے ساتھیوں سے وہ چیزیں قریب ہو جائیں گی جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، میرے اصحاب میری امت کے امین ہیں، جب میرے اصحاب کا انتقال ہو جائے گا تو میری امت سے وہ چیزیں قریب ہو جائیں گی جن کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ امت اس وقت تک تمام ادیان پر غالب رہے گی، جب تک تم میں مجھے دیکھنے والا کوئی رہے گا۔" [4]

وہ اپنے باپ دادا کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "چار صدیاں ہیں: میں سب سے افضل صدی میں ہوں، پھر دوسری صدی، پھر تیسری صدی، جب چوتھی صدی آئے گی تو مرد مردوں کے ساتھ اور عورت عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کریں گے، پھر اللہ بنی آدم کے دلوں سے قرآن کو اٹھائے گا، جس کے بعد ایک کالی آندھی بھیجے گا، جس کے نتیجے میں اللہ کے سوا کوئی بھی باقی نہیں بچے گا، مگر یہ کہ سب کو اللہ مار دے گا۔" [1]

اس حدیث میں صراحت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صدی سب سے افضل صدی ہے، پھر اس بہترین صدی پر کسی کو طعن و تشنیع کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

## امام علی رضا رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

امام علی رضا کا صحابہ سے متعلق موقف ان کے آباء واجداد کے موقف سے مختلف نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران کو مبعوث فرمایا: ان کو اپنے ساتھ کلام کرنے کے لیے منتخب کیا، ان کے لیے سمندر میں راستے بنائے، بنی اسرائیل کو نجات دی اور ان کو تورات اور صحیفے دیئے تو انہوں نے اپنے پروردگار کے پاس اپنے بلند مقام ومرتبے کو دیکھ لیا، اس پر حضرت موسیٰ نے کہا: پروردگار! اگر آل محمد اسی طرح ہیں تو انبیاء کرام کے ساتھیوں میں کوئی ایسا ہے جو آپ کے نزدیک میرے ساتھیوں سے باعزت ہو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی فضیلت رسولوں کے تمام ساتھیوں پر ایسی ہی ہے جیسے آل محمد کو تمام نبیوں کے آل پر فضیلت حاصل ہے، اور جس طرح محمد کو تمام نبیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ موسیٰ نے کہا: میرے پروردگار! کاش! میں ان کو دیکھتا! اللہ نے ان کی طرف وحی کی: موسیٰ! تم ان کو نہیں دیکھ سکتے، کیونکہ یہ ان کے ظاہر ہونے کا وقت نہیں ہے، لیکن تم ان کو جنت میں محمد کے ساتھ اس کی نعمتوں میں مست اور اس کی بہترین چیزوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھو گے۔" [2]

اس امام سے منقول اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ یہ فضیلت اصحاب نبی میں سے چند لوگوں کے لیے ہی نہیں ہے، بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ہے، ورنہ باقی انبیاء کے ساتھیوں پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو فضیلت حاصل نہیں رہتی۔

## امام حسن بن محمد عسکری رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

امام عسکری نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران کو مبعوث فرمایا: ان کو اپنے ساتھ کلام کرنے کے لیے منتخب کیا، ان کے لیے سمندر میں راستے بنائے، بنی اسرائیل کو نجات دی اور ان کو تورات اور صحیفے دیے تو انہوں نے اپنے پروردگار کے پاس اپنے بلند مقام ومرتبے کو دیکھ لیا، انہوں نے کہا:

میرے پروردگار! تونے مجھے ایسی عزت سے سرفراز کیا ہے جو تونے مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: موسیٰ! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ محمد میرے نزدیک تمام فرشتوں اور میری تمام مخلوقات سے افضل ہیں؟ موسیٰ نے کہا: میرے پروردگار! اگر محمد تیرے نزدیک تمام مخلوقات میں افضل ہیں تو کیا انبیاء کے آل میں سے کوئی میری آل سے افضل ہے؟

اللہ عزوجل نے فرمایا: موسیٰ! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ آل محمد کی فضیلت تمام انبیاء کی آل پر ویسی ہی ہے جیسے محمد کی فضیلت تمام رسولوں پر ہے؟ انہوں نے کہا: میرے پروردگار! اگر آل محمد کا تیرے نزدیک یہ مقام ہے تو کیا انبیاء کے ساتھیوں میں کوئی تیرے نزدیک میرے ساتھیوں سے زیادہ باعزت ہے؟

اللہ عزوجل نے فرمایا: موسیٰ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ محمد کے ساتھیوں کی فضیلت تمام رسولوں کے ساتھیوں پر ویسی ہی ہے جیسے آل محمد کی فضیلت تمام نبیوں کے آل پر ہے اور محمد کی فضیلت تمام رسولوں پر ہے؟[1]

پاکیزہ اہل بیت کی طرف سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں موجود بے انتہا مواد میں سے یہ چند نمونے ہیں۔ آل رسول رضی اللہ عنہم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گہرے اور مضبوط تعلقات تھے، بعض مسلمانوں کے دلوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق حسد و بغض کے پہاڑ کو پگھلانے کے لیے یہ کافی ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے کو اہل بیت کی محبت کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اس سلسلے میں وہ اہل بیت کی مخالفت کرتے ہیں، جس کی دلیلیں ہم نے اصلی مراجع سے ابھی پیش کی ہیں۔

اگر یہ مضبوط پہاڑ پگھلنے میں کامیاب ہو گیا تو امت مسلمہ مطلوبہ وحدت کو حاصل کر سکتی ہے اور اتحاد و اتفاق قائم ہو سکتا ہے۔

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں

## خلیفہ اوّل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتے داری کی تعریف اس کے مناسب کر رہے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے کو جوڑنا میرے نزدیک میری رشتے داری کو جوڑنے سے زیادہ محبوب ہے۔'' [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے گھر والوں کے سلسلے میں خیال رکھو۔'' [2]

مسند ابی یعلی میں عقبہ بن حارث سے روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند دنوں کے بعد پیدل چلتے ہوئے نکلے تو حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا، آپ نے ان کو اپنے کندھے پر اٹھایا اور فرمایا:

((بِأَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ لَا شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ))

"میرے والد کی قسم! نبی سے مشابہ ہے، علی سے مشابہ نہیں ہے۔"

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرا رہے تھے۔[3]

"چند دنوں" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تاریخ کی کتابوں میں جو اس کا تذکرہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی اور انہوں نے چند مہینوں تک جماعت کو چھوڑ دیا، یہ باطل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے والد کے مرتبے کے مناسب بھی نہیں ہے، اللہ کی پناہ! کیا وہ اپنے دوستوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ دیں گے، یا جماعت کو توڑ دیں گے یا اللہ کی طرف سے مقرر کردہ اپنے حق کو چھوڑ دیں گے، جیسا کہ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہو گئے تھے، یہاں تک سیّدنا علی بن ابو طالب اور سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما بھی ان میں شامل تھے، اس کی دلیل امام بیہقی کی سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور لوگ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہو گئے، ان میں ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، وہ کہتے ہیں کہ انصار کا مقرر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: تم جانتے ہی ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار ہیں، پس ہم اس کے خلیفہ کے بھی انصار ہیں جیسے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا: تمہارے مقرر نے سچ کہا، اگر تم اس کے علاوہ بات کہتے تو ہم تم پر بیعت نہیں کرتے، انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: یہ تمہارے خلیفہ ہیں، پس تم ان کے ہاتھوں پر بیعت کرو، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی اور مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم نے بیعت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھ گئے اور لوگوں پر نظر دوڑائی، ان کو زبیر رضی اللہ عنہ نظر نہیں آئے تو ان کو بلا بھیجا، جب وہ آئے تو کہا: رسول اللہ کے پھوپی زاد بھائی! کیا تم مسلمانوں کے اتحاد میں دراڑ ڈالنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ کے خلیفہ! نہیں، پھر وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بیعت کی۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں نظر دوڑائی تو علی رضی اللہ عنہ نظر نہیں آئے، علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، جب وہ آئے تو کہا: رسول اللہ کے چچازاد بھائی اور آپ کے داماد! کیا تم مسلمانوں کے اتحاد میں دراڑ ڈالنا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، خلیفہ رسول! پھر انہوں نے بیعت کی۔ حافظ ابو علی نیسا پوری نے لکھا ہے کہ میں نے ابن خزیمہ کو کہتے ہوئے سنا: میرے پاس مسلم بن حجاج آئے اور مجھ سے اس حدیث کے بارے دریافت کیا، میں نے یہ حدیث ایک کاغذ پر ان کو لکھ کر دی اور ان کے سامنے پڑھ کر سنایا، انہوں نے کہا: یہ حدیث ایک قربانی کے اونٹ کے برابر ہے۔ میں نے کہا: ایک قربانی کے اونٹ کے برابر ہے بلکہ خزانے کی تھیلی کے برابر ہے۔ امام احمد نے ثقہ کے واسطے سے وہیب سے مختصراً یہ روایت کی ہے، حاکم نے مستدرک میں عفان بن مسلم کے واسطے سے وہیب سے تفصیلی روایت کی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔" [1]

حافظ ابن کثیر کی بات یہاں ختم ہو گئی، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت مذکورہ بالا روایت کے منافی نہیں ہے کہ انہوں نے فرمایا: علی نے چھ مہینے بعد بیعت کی۔ کیونکہ عائشہ کو جو معلوم ہوتا انہوں نے بیان کیا اور ابو سعید کو جو علم تھا انہوں نے نقل کیا، جو جانتا ہے وہ نہ جاننے والے کے خلاف حجت ہے۔ امام دار قطنی نے "فضائل الصحابة و مناقبهم" میں عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ ابو بکر پر

رحم فرمائے، وہ ہمارے خلیفہ تھے، پس وہ ہمارے لیے بہترین خلیفہ تھے، ہم نے ان سے بہتر گود کسی کی نہیں دیکھی۔[2] ہم ان کے ساتھ ایک مرتبہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عمر آئے، انہوں نے ایک مرتبہ اجازت لی تو ان کو اجازت نہیں ملی، پھر انہوں نے دوسری مرتبہ اجازت لی تو ان کو اجازت نہیں ملی، جب تیسری مرتبہ اجازت لی تو ان کو اجازت دی گئی، ابو بکر نے ان سے فرمایا: اندر آجاؤ، ان کے ساتھ چند صحابہ کرام بھی اندر آئے۔ عمر نے ابو بکر سے دریافت کیا: رسول اللہ کے خلیفہ! آپ نے ہمیں دروازے پر کیوں روکے رکھا؟ ہم نے دو مرتبہ اجازت طلب کی لیکن ہم کو اجازت نہیں دی گئی، یہ تیسری مرتبہ ہم نے اجازت طلب کی ہے۔ ابو بکر نے فرمایا: جعفر کے بچوں کے سامنے کھانار کھا ہوا تھا اور وہ کھا رہے تھے، مجھے اندیشہ ہوا کہ تم اندر آؤ گے تو ان کے کھانے میں شریک ہو جاؤ گے۔" [3]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد کا بہت ہی زیادہ خیال رکھتے تھے اور ان کی حفاظت پر بڑی توجہ دیتے تھے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

اس میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ اہل بیت اور فاروق رضی اللہ عنہم کے درمیان گہرے تعلقات تھے، ایک نے دوسرے کی تعریف کی ہے، اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شادی ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہم سے ہوئی اور اہل بیت نے اپنے بہت سے بچوں کے نام سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نام پر عمر رکھا۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب قحط پڑتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے اللہ کے پاس پانی مانگتے تھے، وہ کہتے: "اے اللہ! ہم اپنے نبی کے وسیلے سے تیرے پاس مانگا کرتے تھے تو تو ہم کو سیراب کر دیتا تھا، اب ہم ہمارے نبی کے چچا کے وسیلے سے مانگتے ہیں، پس تو ہم کو سیراب فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دعا سے بارش شروع ہو جاتی۔"[1] یہاں ہمیں صاف طور پر نظر آتا ہے کہ کیسے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اپنی دعا میں ان کا وسیلہ اختیار کرتے تھے، جس طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔ طبقات ابن سعد میں روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: "اللہ کی قسم! جس دن آپ اسلام لے آئے آپ کا اسلام مجھے خطاب کے اسلام سے محبوب تھا اگر وہ اسلام لاتے، کیونکہ آپ کا اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کے اسلام سے محبوب تھا۔" [2]

امام احمد بن حنبل کی کتاب "فضائل الصحابۃ" میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا، یہ سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا: تم اس قبر والے کو جانتے ہو؟ وہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں، اور علی رضی اللہ عنہ، ابن ابو طالب بن عبد المطلب ہیں، پس تم علی کا ذکر خیر ہی کرو، کیونکہ اگر تم ان کو ناراض کرو گے تو اس قبر والے کو تکلیف دو گے۔[1]

ابن عبد البر کی کتاب "الاستیعاب" میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔" [2] ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں روایت کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب دیوان ترتیب دیا اور لوگوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا تو

حسن اور حسین کو ان کے والد علی رضی اللہ عنہم اور اہل بدر کے برابر وظیفہ مقرر کیا، کیونکہ وہ رسول اللہ کے رشتے دار تھے، ان میں سے ہر ایک کو پانچ ہزار وظیفہ مقرر کیا۔[3]

یہ واقعہ ابن سعد نے جبیر بن حویرث بن نقید سے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیوان مرتب کرنے کے لیے مسلمانوں سے مشورہ کیا تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ہر سال اپنے پاس جمع ہونے والا مال تقسیم کرو اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رکھو۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ مال بہت زیادہ ہے، تمام لوگوں کے لیے کافی ہو جائے گا، اگر لوگوں کو شمار نہیں کیا جائے گا تو معلوم نہیں پڑے گا کہ کس نے لیا ہے اور کس نے نہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ معاملہ پھیل جائے گا۔ ولید بن ہشام بن مغیرہ نے کہا: امیر المومنین! میں شام گیا تو وہاں میں نے بادشاہوں کو دیکھا کہ انہوں نے دیوان ترتیب دیا ہے اور لشکر بنائے ہیں، چنانچہ آپ بھی دیوان بنایئے اور لشکر ترتیب دیجیے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے مشورے کو پسند کیا اور عقیل بن ابو طالب، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو بلا بھیجا، یہ سب قریش کے انساب کے ماہر تھے، اور ان سے فرمایا: لوگوں کو ان کے مراتب کے اعتبار سے ترتیب وار لکھو۔ انہوں نے لکھا اور بنو ہاشم سے شروعات کی، پھر ان کے بعد ابو بکر اور ان کے رشتے داروں کے نام لکھے، پھر عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے رشتے داروں کے نام لکھے، کیونکہ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ترتیب دیکھی تو فرمایا: اللہ کی قسم!

میں چاہتا ہوں کہ اسی طرح رہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے سے شروع کرو اور اقرب فالا قرب کو لکھو، یہاں تک کہ تم عمر کو وہیں رکھو جہاں اللہ نے اس کو رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عمر نے بتایا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے اسامہ بن زید بن اسلم نے اپنے والد، انہوں نے اپنے والد کے واسطے سے بتایا کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب ان کے سامنے کتاب پیش کی گئی، جس میں بنو تمیم بنو ہاشم کے بعد تھے اور بنو تمیم کے بعد بنو عدی تھے، میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا: عمر کو اسی کی جگہ پر رکھو، اور رسول اللہ کے قریبی رشتے دار سے شروع کرو۔ یہ دیکھ کر بنو عدی عمر کے پاس آئے اور کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں یا ابو بکر کے خلیفہ ہیں، اور ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں، انہوں نے مزید کہا: اگر آپ خود کو وہیں رکھتے جہاں ان لوگوں نے رکھا ہے تو بہتر ہوتا۔ انہوں نے فرمایا: چھی چھی! بنو عدی والو! تم میری پیٹھ پر سوار ہو کر کھانا چاہتے ہو، تاکہ میں تمہارے خاطر اپنی نیکیوں کو ختم کر دوں، نہیں، اللہ کی قسم! یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے، مجھ سے پہلے میرے دو ساتھی گزر چکے ہیں جنہوں نے ایک طریقے کو اپنایا، اگر میں ان کی مخالفت کروں تو میری مخالفت کی جائے گی، اللہ کی قسم! ہمیں جو بھی فضیلت دنیا میں حاصل ہوئی اور آخرت میں اللہ کے ثواب کی جو بھی امید ہے وہ ہمارے اعمال کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے، وہ ہم میں سب سے باعزت ہیں اور ان کی قوم عرب کی سب سے باعزت قوم ہے۔" [1]

علامہ ذہبی نے روایت کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے بچوں کو کپڑے پہنائے، یہ کپڑے حسن اور حسین کے مناسب نہیں تھے یمن سے کپڑے منگوائے اور فرمایا: "اب میرا دل مطمئن ہے۔" [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اہتمام کو دیکھئے، یہاں تک کہ ان کے کپڑوں کے سلسلے میں ان کے اہتمام پر نظر کرو، اور یہ سوچو کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ان کے نزدیک دوسروں کی طرح نہیں تھے۔

ابن عساکر نے لکھا ہے: "عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے بیٹے! تم ہمارے پاس آتے اور رہتے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ان کے پاس آیا، اس وقت حضرت عمر معاویہ کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے ہوئے تھے، دروازے پر ابن عمر تھے، ان کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تو میں واپس آ گیا، بعد میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا: بیٹے! آپ ہمارے یہاں آتے ہی نہیں؟ میں نے کہا: میں آیا تھا، آپ حضرت معاویہ کے ساتھ تنہائی میں تھے، میں نے آپ کے بیٹے عبد اللہ کو دیکھا کہ ان کو اجازت نہیں دی گئی تو میں واپس آ گیا۔ انہوں نے جواب دیا: تم عبد اللہ بن عمر سے زیادہ اجازت کے حق دار ہو، پھر عمر نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔" [1]

خلافت عمر میں حسین رضی اللہ عنہ کی عمر کا اندازہ لگائیے، اس کے باوجود ان کی ملاقات کے اس حد تک خواہش مند تھے اور ان پر اتنی زیادہ توجہ دیتے تھے، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اہل بیت سے محبت کرتے تھے اور ان پر بڑی توجہ دیتے تھے؟ سیّدنا عمر کی طرف سے امت کے عالم جلیل سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تعریف کے سلسلے میں بخاری میں یہ روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عمر مجھے جنگ بدر کے شیوخ کے ساتھ اپنی مجلس میں شریک کرتے تھے، بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ ہمارے ساتھ اس نوجوان کو کیوں شامل کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ان کا تعلق جن سے ہے تم جانتے ہی ہو۔[2]

ابن عبد البر نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سلسلے میں فرمایا کرتے تھے: "قرآن کے بہترین ترجمان عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ جب وہ سامنے سے آتے تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے: ادھیڑوں کا نوجوان آ گیا، سوال کرنے والی زبان اور

عقل مند دل آ گیا۔[3]

مستدرک حاکم میں علی بن حسین سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ہاتھ مانگا اور فرمایا: میرا نکاح ان کے ساتھ کر دیجیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کا نکاح میرے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا نکاح اس کے ساتھ کر دو، اللہ کی قسم! لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو میری طرح اس کو چاہتا ہو۔ پس علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرا دیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مہاجرین کے پاس آئے اور فرمایا: کیا تم مجھے مبارکباد نہیں دو گے؟ لوگوں نے دریافت کیا: امیر المومنین! کیوں؟ انہوں نے کہا: ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دختر کے ساتھ شادی کی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "ہر سبب اور نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا، صرف میرا نسب اور سبب باقی رہے گا۔" [1]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے محمد بن علی یعنی ابن الحنفیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے، جب کہ میں اپنی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھا، انہوں نے مجھے چمٹایا اور فرمایا: مٹھائی کھلا کر ان کے ساتھ لطف سے پیش آؤ۔" [2]

دیکھو! اللہ تمہیں معاف کرے، اگر عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کو نہیں چاہتے تو محمد بن علی کو نہیں چمٹاتے اور اپنی بیوی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ان کو مٹھائی دینے کے لیے نہیں کہتے۔

## عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں :

یہ خلیفہ راشد سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، جو اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح ہی اہل بیت رضی اللہ عنہم کے لائق ان کے ثناخواں ہیں، اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت سے واقف ہیں، ابن کثیر نے روایت کیا ہے: جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب سے ہوتا اور وہ سوار رہتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے اکرام میں اترتے اور ان کے گزرنے تک سوار نہیں ہوتے۔"[1]

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا اکرام کرتے تھے اور ان سے محبت فرماتے تھے، حسن بن علی رضی اللہ عنہ "یوم الدار" (جس دن عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں محصور تھے اور اسی دن دشمنوں نے ان کو قتل کر دیا تھا) کو ان کے ساتھ تھے اور تلوار لٹکائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کر رہے تھے، عثمان رضی اللہ عنہ کو ان پر اندیشہ ہوا تو ان کو قسم دے کر واپس کر دیا، تاکہ علی کا دل مطمئن ہو جائے۔" [2]

## طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

یہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ہیں جو اہل بیت کے بہترین فرد سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تعریف میں کہتے ہیں: "ابن عباس کو فہم، سمجھ اور علم عطا کیا گیا ہے۔" [3]

## سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

یہ سیّدنا سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ ہیں جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی تعریف میں وارد حدیثوں کو لوگوں میں پھیلا رہے ہیں، اگر ان کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں رہتی تو یہ حدیثیں عام نہیں کرتے، امام مسلم نے سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو غزوہ تبوک میں مدینہ میں چھوڑ دیا تو انہوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہارا مقام میرے نزدیک وہی ہو جو ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھا؟ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔" [4]

سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کسی کو ان سے بڑھ کر حاضر دماغ، عقل مند اور کثیر علم والا نہیں دیکھا، میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ مشکل مسائل کو حل کرنے کے لیے ان کو بلاتے تھے، پھر فرماتے: تمہارے پاس مشکل مسئلہ آیا ہے۔ پھر اس سے زیادہ نہیں کہتے، جب کہ آپ کے ساتھ اہل بدر مہاجرین اور انصار بھی رہتے۔[1]

## جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی تعریف کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اہل بیت سے بڑی محبت تھی، ابن ابو شیبہ رحمہ اللہ نے عطیہ بن سعد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ہم جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، جب کہ ان کی بھویں آنکھوں پر پڑی ہوئی تھیں یعنی بہت بوڑھے ہو گئے تھے، میں نے ان سے کہا: ہمیں علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتائیے۔ وہ کہتے ہیں کہ جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے اپنی بھوؤں کو اٹھایا پھر فرمایا: وہ بہترین انسان ہیں۔[2]

حسین بن علی رضی اللہ عنہما مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جس کو یہ پسند ہو کہ جنتی نوجوانوں کے سردار کو دیکھے تو اس کو دیکھے۔'' [3] اور سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال ہو گیا تو سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آج سب سے بڑے عالم، سب سے بڑے بردبار کا انتقال ہو گیا، ان کے جانے سے امت کو ایسا نقصان ہوا ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔'' [4]

امام مسلم نے جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ان کے والد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ''ہم جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، انہوں نے تمام حاضرین کے بارے میں دریافت کیا، یہاں تک کہ میرے پاس پہنچے، میں نے کہا: میں محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ ہوں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے کپڑے کے اوپر کا بٹن کھولا، پھر نچلا بٹن کھولا، پھر اپنی ہتھیلی میرے سینے پر رکھی، اس وقت میں کم عمر نوجوان تھا، اور فرمایا: خوش آمدید، میرے بھتیجے! تم جو چاہو پوچھو...'' [1]

## ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اہل بیت رضی اللہ عنہم کی ثناخواں:

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اہل بیت میں سے ہیں، کیونکہ وہ ازواج مطہرات میں سے ہیں، قرآن میں ان کے تذکرے کے سیاق میں وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ وہ اہل بیت میں سے ہیں، لیکن ہم نے باقی اہل بیت کے سلسلے میں ان کی تعریف کا یہاں تذکرہ کرنا مناسب سمجھا تاکہ ان کے درمیان عظیم محبت اور پختہ تعلقات کی وضاحت ہو جائے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! جو ماضی میں میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان تھا وہ صرف وہی تھا جو ایک عورت اور اس کے دیوروں کے درمیان رہتا ہے، وہ میرے نزدیک بہترین لوگوں میں سے ہیں۔ علی

رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! اس نے سچ کہا اور نیک کام کیا، میرے اور اس کے درمیان صرف وہی تھا جو انہوں نے بیان کیا، وہ دنیا اور آخرت میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں۔" [2]

ابن عبد البر اندلسی نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے دریافت کیا: تمہیں عاشوراء کے روزے کے بارے میں کس نے کہا ہے؟ لوگوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ نے۔ اس پر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ تو سنت کے سب سے بڑے عالم ہیں۔[3]

امام ابو داؤد نے ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"میں نے کھڑے ہونے اور بیٹھنے کے طریقے اور حسن ہیئت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا۔" [1]

مستدرک حاکم میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ سچ بولنے والا کوئی نہیں دیکھا، مگر یہ کہ وہ اس کے والد ہوں۔" [2]یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے، علامہ ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

مجلسی کی کتاب "بحار الانوار" میں ہے کہ جب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ سیّدہ علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے خلاف جنگ کی ہے تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "اے اللہ! یہ میری امت کے سب سے بدترین لوگ ہیں، جن کو میری امت کے بہترین لوگ قتل کریں گے"، میرے اور ان کے درمیان وہی بات تھی جو ایک عورت اور اس کے دیوروں کے درمیان ہوتی ہے۔ [3] جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن ود کو قتل کیا تو ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوگئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا۔ (الارشاد للمفید: ۵۵) سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا میں تمہیں خوش خبری نہ سناؤں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جنت والوں کی عورتوں کی چار سردار ہیں: مریم بنت عمران رضی اللہ عنہ، فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہ اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا۔" [4]

اگر ان دونوں کے درمیان تھوڑا بھی اختلاف ہوتا تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو یہ عظیم خوش خبری نہیں سناتی۔

## عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

تعریف کے اس تذکرۂ عنبریں کو جاری رکھتے ہوئے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اہل بیت کے ثناخواں ہیں، ابن عبد البر نے "الاستیعاب" میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اہل مدینہ میں سب سے بڑے قاضی علی بن ابو طالب ہیں۔" [1] ان ہی کا فرمان ہے: "بہترن ترجمان القرآن ابن عباس ہیں، اگر وہ ہماری عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی ان کا ہم پلہ نہیں ہوتا۔" [2]

## عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہمانے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی غیر موجودگی میں ان پر طعن و تشنیع کرنے والے کا جواب دیا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی مدافعت کی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک شخص سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور ان سے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے ان کے بہترین کارناموں کو بیان کیا اور فرمایا: شاید تمہیں یہ برا لگتا ہے۔ اس نے کہا: جی ہاں! انہوں نے فرمایا: اللہ تم کو رسوا کرے۔ پھر اس نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ان کے بہترین کارناموں کو بیان کیا اور فرمایا: شاید تمہیں یہ برا لگتا ہے۔ اس نے کہا: جی ہاں! انہوں نے فرمایا: اللہ تم کو رسوا کرے۔[3]

انہوں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی تعریف کی ہے، صحیح بخاری میں ابن ابو نعیم سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ان سے ایک شخص نے مچھر کے خون کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے پوچھا: تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟ اس نے جواب دیا: عراق سے۔ انہوں نے کہا: اس کو دیکھو، یہ مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے، جب کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کو قتل کر دیا، جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "وہ دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔" [1] یعنی سیّدنا حسن اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہما۔ عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہما کے ساتھ آپ کے دیرینہ تعلقات تھے، تاریخ دمشق میں ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ وہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس جایا کرتے تھے، لوگوں نے ان سے کہا: آپ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس بہت جاتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہمانے کہا: اگر تم اس کے والد کو دیکھتے تو تم بھی اس سے محبت کرتے، ان کو سر سے پیر کے درمیان تلوار اور نیزے کے ستر زخم لگے تھے۔[2]

صحیح بخاری میں شعبی سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو سلام کرتے تو فرماتے: السلام علیک یا ابن ذی الجناحین۔ دو پروں والے کے فرزند! تم پر سلامتی ہو۔

## مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے: "حسن بن حسن رضی اللہ عنہما (یہ حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما ہیں جو حسن المثنی کے نام سے مشہور ہیں) نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر ان کی دختر کا ہاتھ مانگا، تو انہوں نے کہا: رات کو مجھ سے ملاقات کرو۔ جب حسن رضی اللہ عنہ ان سے آکر ملے تو انہوں نے اللہ کی تعریف کی اور فرمایا: تمہارے نسب اور تمہاری رشتے داری سے محبوب میرے نزدیک کوئی سبب، کوئی نسب اور کوئی رشتے داری نہیں ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا ٹکڑا ہے، جس سے اس کو خوشی ہوتی ہے، اس سے مجھے بھی خوشی ہوتی ہے اور جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے، اس سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے، قیامت کے دن سب اسباب ختم ہو جائیں

گے سوائے میرے سبب کے۔" اور تمہارے پاس فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دختر ہیں، اگر میں تمہاری شادی اپنی بیٹی کے ساتھ کروں گا تو اس کو غصہ آئے گا۔ یہ سن کر وہ معذرت کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔" [1]

اللہ تم پر رحم فرمائے، یہ عظیم المرتبت صحابی فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیسا اکرام کر رہے ہیں، صرف زندگی میں ہی نہیں، بلکہ ان کی موت کے بعد بھی، اور ان کی پوتی کے سلسلے میں ان کے احساسات کی رعایت رکھ رہے ہیں اور اس وقت کے بنو ہاشم کے سردار کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کرنے کا موقع گنوا رہے ہیں، ان کے درمیان یہ کون سی محبت اور الفت ہے؟

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں پیچھے نہیں ہیں، امام ترمذی اور حاکم نے ان سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری دنیا میں جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہما سے زیادہ افضل کوئی نہیں ہے۔" اس کا مطلب صحیح بخاری میں ان ہی قول کا ہے: "مسکینوں کے لیے سب سے بہتر جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہما تھے۔" [2]

مسند ابی یعلی میں سعید بن ابو سعید مقبری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اسی وقت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے، انہوں نے سلام کیا تو ہم نے ان کے سلام کا جواب دیا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کے آنے کا علم نہیں ہوا، وہ چلے گئے، ہم نے کہا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! یہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے ہم کو سلام کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے بھاگ گئے اور ان کے ساتھ جا ملے اور فرمایا: میرے آقا! وعلیک السلام، انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ سردار ہیں۔[3]

حاکم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کی ملاقات حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے پیٹ کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے، چنانچہ اس جگہ کو کھولیے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا ہے، تاکہ میں بھی وہیں بوسہ دوں۔ راوی کہتے ہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ نے وہ حصہ کھولا تو انہوں نے بوسہ دیا۔[1] علامہ ذہبی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جس دن حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رو رہے تھے اور بلند آواز سے پکار رہے تھے: اے لوگو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کا انتقال ہو گیا، پس تم روؤ۔[2]

"سیر أعلام النبلاء" میں ابو المہزم سے روایت ہے کہ ہم ایک جنازے کے ساتھ جا رہے تھے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ کے قدم سے مٹی جھاڑنے لگے۔[3] اگر ہم ان دونوں کے درمیان عمر کا فرق دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اگر سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دل میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی محبت، اکرام اور ان کے عظیم حق کے بارے میں واقفیت نہیں ہوتی تو وہ اس طرح کبھی بھی نہیں کرتے۔

[1]مستدرک حاکم: ۴۷۸۵، مسند امام احمد: ۹۳۴۲، ارناؤوط نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، ترمذی: ۳۷۶۴، البانی نے کہا ہے کہ یہ روایت موقوفاً صحیح ہے۔
[2] سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۷۷۔

## زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اکرام ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی اونٹنی کی نکیل پکڑنے سے منع کیا۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نکیل پکڑی تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی! ہٹو۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بڑوں اور علماء کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے تھے۔[4]

## آلِ نبی کی تعریف میں انس، براء بن عازب اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کی روایتیں:

سیّدنا براء بن عازب، سیّدنا ابو سعید خدری اور سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے اہل بیت کی صفات اور فضائل نقل کر کے ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ نہیں تھا۔[1]

## براء بن عازب رضی اللہ عنہ:

امام ترمذی نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو فرمایا: "اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان سے محبت فرما۔" [2]

## ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ:

امام احمد نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔"[3]

## عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

سیّدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس کو رجاء بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے: میں مسجد نبوی میں تھا کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، انہوں نے لوگوں کو سلام کیا تو سب نے جواب دیا، عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ خاموش رہے، پھر لوگوں کے خاموش ہونے کے بعد ابن عمرو رضی اللہ عنہما نے آواز بلند کی اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر

لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ آسمان والوں کے نزدیک زمین والوں میں سے کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگوں نے کہا: ضرور بتایئے۔ انہوں نے کہا: یہ وہی نوجوان ہے، اللہ کی قسم! صفین کی جنگ کے بعد سے نہ میں نے ان سے کوئی بات کی ہے اور نہ انہوں نے مجھ سے بات کی ہے، اللہ کی قسم! وہ مجھ سے راضی ہو جائیں، یہ میرے نزدیک احد پہاڑ کے برابر خزانے سے بھی بہتر ہے۔ ابو سعید نے ان سے کہا: کیا آپ ان کے پاس نہیں جائیں گے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ سب لوگ ان کے پاس جانے کے لیے نکلو۔ میں بھی ان دونوں کے ساتھ گیا، ابو سعید نے اجازت لی تو ان کو اجازت ملی، ہم گھر میں داخل ہو گئے، انہوں نے ابن عمرو رضی اللہ عنہما کے لیے اجازت مانگی، وہ برابر اجازت مانگتے رہے، یہاں تک حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دے دی، وہ اندر آئے، جب ان کو دیکھا تو ابو سعید نے ان کے لیے جگہ چھوڑی، ابن عمرو رضی اللہ عنہما کھڑے ہو گئے، بیٹھے نہیں، جب حسین رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو ابو سعید رضی اللہ عنہ سے دور ہو گئے اور ان کے لیے جگہ بنائی، پس ابن عمرو رضی اللہ عنہما ان دونوں کے درمیان بیٹھ گئے، پھر ابو سعید رضی اللہ عنہما نے پورا قصہ سنایا، حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: ابن عمرو رضی اللہ عنہما! کیا اسی طرح ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ زمین والوں میں سب سے زیادہ آسمان والوں کے نزدیک میں محبوب ہوں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! رب کعبہ کی قسم! آپ زمین والوں میں آسمان والوں کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: پھر تم نے جنگ صفین میں میرے خلاف اور میرے والد کے خلاف جنگ کیوں کی؟ اللہ کی قسم! میرے والد مجھ سے بہتر ہیں۔ انہوں نے کہا: جی ہاں! میں نے آپ کے خلاف جنگ کی، لیکن عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میری شکایت کی اور کہا: عبد اللہ رضی اللہ عنہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نماز پڑھتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز پڑھو اور سوؤ، روزہ رکھو اور افطار کرو اور عمرو رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرو۔" جب صفین کا دن آیا تو انہوں نے مجھے قسم دی، اللہ کی قسم! مجھ سے ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، نہ میں نے تلوار چلائی، نہ میں نے نیزہ مارا اور نہ میں نے تیر پھینکا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! معلوم رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ گویا حسین نے ان سے یہ بات قبول کی۔[1]

## معاویہ رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں:

ہم اس عنوان کے تحت بعض ایسے نصوص پیش کر رہے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے، مثلاً ابن عبد البر نے "الاستیعاب" میں نقل کیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں پوچھنے کے لیے خط لکھتے تھے، جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے قتل کی خبر پہنچی تو فرمایا: "ابن ابو طالب رضی اللہ عنہما کی موت سے فقہ اور علم چلا گیا۔" [2]

امام احمد بن حنبل نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی زبان کو یا راوی نے کہا کہ دونوں ہونٹوں کو چوستے دیکھا اور اس زبان یا ہونٹ پر عذاب نہیں ہو سکتا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوسا ہو۔[3]

اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ضرار بن ضمرہ نہشلی، معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے پاس آئے تو معاویہ نے کہا: مجھے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایئے؟ انہوں نے کہا: کیا تم مجھے اس سے معاف نہیں کروگے؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، بلکہ مجھے ان کے بارے میں بتایئے۔ ضرار نے کہا: اللہ علی رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے! اللہ کی قسم! وہ ہم میں ہماری طرح ہی تھے، جب ہم ان کے پاس آتے تو ہم کو قریب کرتے، جب ہم ان سے مانگتے تو دیتے، جب ہم ان کی ملاقات کو جاتے تو ہم کو قریب کرتے، ہمارے لیے اپنا دروازہ بند نہیں کرتے، اور کوئی پہریدار ان سے ملنے سے نہیں روکتا، اللہ کی قسم! ہم کو اپنے سے قریب کرنے اور ان سے ہمارے قرب کے باوجود ان کی ہیبت کی وجہ سے ہم ان کے سامنے بولتے نہیں تھے، اور ان کی عظمت کی وجہ سے ہم گفتگو کی ابتدا نہیں کرتے، جب وہ مسکراتے تو موتی جھڑتے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کی مزید تعریف کیجیے۔ ضرار نے کہا: اللہ علی رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، وہ زیادہ جاگتے اور کم سوتے، اور رات دن قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا: ضرار! بس کرو! اللہ کی قسم! علی رضی اللہ عنہ ویسے ہی تھے، اللہ ابو الحسن رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ ابن کثیر نے "البدایۃ والنہایۃ" میں سیّدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال ہو گیا تو میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: اللہ کی قسم! مردوں اور زندوں میں سب سے بڑے فقیہ کا انتقال ہو گیا۔[1]

علامہ ذہبی نے روایت کیا ہے کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ پر فخر کیا تو اس کے والد معاویہ نے دریافت کیا: کیا تم نے حسن پر فخر کیا؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید تمہیں یہ گمان ہے کہ تمہاری ماں ان کی ماں کی طرح ہے یا تمہارے نانا ان کے نانا کی طرح ہے۔[2]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ہی ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: میں آپ کو ایسا انعام دوں گا جو میں نے کسی کو نہیں دیا ہے، پھر انہوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو چار ہزار انعام میں دیا تو انہوں نے قبول کیا۔[1]

ابن عساکر نے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے سلسلے میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف نقل کی ہے: عبد الملک بن مروان نے کہا ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ انہوں نے کہا: میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: بنو ہاشم دو افراد ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر بھلائی اور خیر کے حامل ہیں اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ جو ہر شرافت کے اہل ہیں، نہیں، اللہ کی قسم! کسی نے بھی کسی قسم کے شرف کی طرف سبقت نہیں کی مگر وہ اس سے آگے نکل گئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طاق سے ہیں، اللہ کی قسم! عزت کسی جگہ اتری اور وہاں تک کوئی پہنچ نہیں سکا تو عبد اللہ اس کے بیچ میں پہنچ گئے۔

## صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کا ہم پر حق

جہاں تک امت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقوق کا تعلق ہے تو ان کی تعداد کافی زیادہ ہے؛ مگر یہاں پر بطور خلاصہ ان کے دس حقوق پیش کر رہے ہیں:

## ا۔ صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت عین ایمان ہے:

اہل سنت والجماعت اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے اصحاب واہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی اور مخلصانہ محبت رکھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ جو کوئی ان سے محبت اور دوستی رکھے؛ ان کے حقوق کا خیال رکھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف کرے؛ وہ بھی کامیاب ہونے والوں کے ساتھ کامیاب ہو جائے گا اور جو کوئی ان سے بغض رکھے؛ اس قدسی جماعت پر سب و شتم کرے اور ان کی طرف ایسی چیزیں منسوب کرے جو کہ دین اسلام کے دشمن ان پر الزام لگاتے ہیں تو وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾ (الحشر :١٠)

"اور جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"
صحیحین میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ؛ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ)) [1]

" ایمان کی نشانی انصار سے محبت اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض وعداوت ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی ایک احادیث میں ان سے محبت کے واجب ہونے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان [صحابہ کرام رضی اللہ عنہم] کی محبت ایمان کی نشانی ہے، اور ان سے بغض و نفرت منافق ہونے کی نشانی ہے۔ جب انصار کے حق میں یہ بات ثابت ہو گئی تو بلاشبہ مہاجرین اس کے زیادہ حق دار اور درجہ میں اولویت رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ اجمالی طور پر مہاجرین انصار سے افضل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت بھی ہر طرح سے کی ہے اور آپ کی خاطر اپنے گھر بار کو چھوڑ کر ہجرت بھی کی ہے۔[1]

کتاب و سنت کے وہ تمام دلائل جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی جانے والی محبت کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں؛ وہ تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر بھی دلالت کرتے ہیں؛ اس لیے کہ وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر اس محبت اور دوستی کے حق دار ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں' اور ان میں سے کسی ایک کی محبت میں افراط سے کام نہیں لیتے اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور جو کوئی ان سے بغض رکھتا ہے' یا انہیں اچھے لفظوں میں یاد نہیں کرتا ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔ ان کی محبت دین، ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض رکھنا: کفر' نفاق' اور سرکشی ہے۔''[2]

یہاں پر اس سلسلہ میں ایک بہت ہی لطیف اور عمدہ قول نقل کیا جارہا ہے۔ امام لالکائی نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے؛[وہ فرماتے ہیں]: '' سلف صالحین اپنے بچوں کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا ایسے سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھائی جاتی ہے۔''[1] امام ابونعیم نے اپنی کتاب ''الحلیۃ'' میں حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے' آپ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرا سب سے زیادہ پختہ [اور پر امید] عمل أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔''[2]

نیز آپ نے حضرت شعیب بن حرب رحمہ اللہ سے یہ بھی روایت کیا ہے؛ فرمایا: ''عاصم بن محمد رحمہ اللہ کی مجلس میں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ذکر کیا گیا؛ اور ان کے مناقب شمار کیے جانے لگے۔ یہاں تک کہ تقریباً پندرہ مناقب شمار کیے گئے تو عاصم بن محمد رحمہ اللہ نے پوچھا: کیا تم لوگ اپنی گفتگو سے فارغ ہوگئے ؟ مجھے ایک ایسی منقبت کا بھی علم ہے جو ان تمام سے افضل ہے؛ وہ یہ ہے کہ: آپ کا سینہ أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بالکل صاف تھا۔'' [3]

## ۲۔ فضیلت وعدالت کا عقیدہ:

[یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام عادل اور باقی امت کے تمام لوگوں سے افضل ہیں؛ اور وہ اس امت کے چنیدہ وبرگزیدہ لوگ تھے؛ جو کہ ایمان میں کامل اور حق وصواب کے سب سے زیادہ قریب تھے]۔ پوری امت میں فضیلت؛ نیکی اور درست رائے میں کوئی دوسرا صحابہ جیسا نہیں۔[4]

اس عقیدہ پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔ اور اس بارے میں ان بھٹکے ہوئے گمراہ اہل بدعت فرقوں کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں جو اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

'' تمام علمائے کرام کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انسانیت کے سب سے بہترین لوگ تھے۔ یہ عقیدہ ضروری طور پر معلوم ہے' اور اس میں دو انسانوں کے مابین بھی کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا قول نقل کیا گیا ہے۔''[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کے دلائل بہت زیادہ ہیں۔ کتاب اللہ اس بزرگ جماعت کی مدح وتعریف میں خوشبوؤں کے جھونکے بکھیر رہی ہے۔ اس لیے کہ دلوں کے راز جاننے والے اللہ تعالیٰ علام الغیوب اور علیم بذات الصدور کو ان کی صداقت اور ایمان کی درستگی، خالص محبت، وافر عقل پختہ رائے اور کمال خیر خواہی امانت داری اور اصلاح کا علم تھا۔

ان قرآنی دلائل میں سے ایک یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

"اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں؛ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

سورۂ انفال میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ﴾ (الانفال: ۷۲)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے جگہ دی اور مدد کی، یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

یہاں تک کہ آگے چل کر فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴾ (الأنفال: ۷۴)

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں، انھی کے لیے بڑی بخشش اور باعزت رزق ہے۔"

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿ لَّقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ (التوبة: ۱۱۷)

"بلاشبہ یقیناً اللہ نے نبی پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی اور مہاجرین وانصار پر بھی، جو تنگ دستی کی گھڑی میں اس کے ساتھ رہے، اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو جائیں، پھر وہ ان پر دوبارہ مہربان ہو گیا۔ یقیناً وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔" اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ بھی ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴾ (الفتح:۲۹)

"محمد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، آپ انھیں اس حال میں دیکھیں گے کہ وہ رکوع اور سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ (التحریم:۸)

"جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اوران کے ساتھ اہل ایمان کو، رسوا نہیں کرے گا ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں دوڑ رہا ہو گا وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش دے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾ (الحجرات:۷-۸)

"اور جان لو کہ بے شک تم میں اللہ کا رسول ہے، اگر وہ بہت سے امور میں تمھارا کہا مان لے تو یقیناً تم مشکل میں پڑ جاؤ اور لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمھارے دلوں میں مزین کر دیا اور اس نے کفر اور گناہ اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا، یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔ اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت کی وجہ سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔"

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (الحدید:۱۰)

"تم میں سے جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی وہ برابر نہیں۔ یہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور جنگ کی اور ان سب سے اللہ نے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، خوب باخبر ہے۔"

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (النمل:۵۹)

"فرما دیجیے سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور سلام ہے اس کے ان بندوں پر جنھیں اس نے چن لیا۔ کیا اللہ بہتر ہے، یا وہ جنھیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تفسیر کے مطابق اس آیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

"تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" اس آیت سے استدلال کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ یا تو اس سے صحابہ کرام متعین طور پر مراد ہیں؛ یا پھر اس آیت میں اس پوری امت کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اگر پوری امت کی فضیلت ہے تو پھر اس میں سب سے پہلا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہی ہوگا۔

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمھیں سب سے بہتر امت بنایا، تا کہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو اور رسول تم پر شہادت دینے والا بنے۔"

اس آیت سے استدلال بھی سابقہ آیت کی طرح ہے۔ بلکہ ہر وہ آیت اور حدیث جس میں اس امت کی فضیلت بیان ہوئی ہے؛ اس میں سب سے پہلے اور بدرجہ اولیٰ داخل ہونے والی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے۔ جب کہ حدیث شریف میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کھلے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ستارے آسمان کے لیے باعث امن ہیں جب ستارے رخصت ہو جائیں گے تو آسمان سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ پورا کر دیا جائے گا۔ اسی طرح میری ذات صحابہ کے لیے باعث امن وسکون ہے جب میں نہیں ہوں گا تو صحابہ موعود مصائب سے دوچار ہو جائیں گے۔

میرے صحابہ میری امت کے لیے باعث امن ہیں جب میرے صحابہ رخصت ہو جائیں گے تو امن وامان اٹھ جائے گا۔" [1]

امام ابوالعباس؛ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود رہیں گے تو دین قائم رہے گا؛ اور حق کو غلبہ واستحکام نصیب ہو گا؛ دشمنوں پر فتح ونصرت ملتی رہے گی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چلے جائیں گے تو آھواء پرستی کا دور دورا ہو جائے گا اور دشمن کے دن پھر جائیں گے اور اس دین میں کمی آتی رہے گی۔ حتیٰ کہ حالت یہ ہو جائے گی کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ یہی وہ چیز ہے جس کا اس امت سے وعدہ کیا گیا ہے۔"[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "میرے صحابہ کو گالی مت دو۔ اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے' وہ ان میں سے کسی ایک کی مٹھی یا اس کے آدھے کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔" [بخاری]

## ۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین افضلیت کا عقیدہ:

اہل سنت والجماعت کے ہاں یہ طے شدہ ہے کہ فضیلت میں تمام صحابہ کرام برابر ہیں؛ مگر ان کے درمیان افضلیت کا فرق ہے۔ ان میں سے بعض کو ایسی افضلیت حاصل ہے جس سے دوسرے کی فضیلت میں کچھ کمی نہیں آتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مطلق طور پر عشرہ مبشرہ افضل ہیں۔ ان میں سے چار حضرات خلفائے راشدین ہیں اور چھ ان کے علاوہ ہیں۔ ان میں حضرت سعید حضرت سعد حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت طلحہ حضرت عامر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

ان عشرہ مبشرہ میں سے افضل چاروں خلفائے راشدین ہیں اور ان کی افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرات شیخین جناب ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کا مقام ومرتبہ ان چاروں میں سے بلند وبالا ہے۔ یہ حضرات علی الاطلاق انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد افضل ترین ہستیاں ہیں۔ ان دو میں سے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقام زیادہ بلند وبالا ہے۔ یہاں پر ایک بہت ہی عمدہ عقیدہ اور ایک

سنہری قول ذکر کرنا ضروری ہے جو کہ سادات اہل بیت کے سر دار جناب حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں: " جو کوئی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت نہیں پہچانتا تو وہ سنت سے جاہل ہے۔"[2]

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا اور ان کی فضیلت کی معرفت حاصل کرنا سنت میں سے ہے۔"[3]

پھر ان عشرہ مبشرہ کے بعد اہل بدر کا مقام و مرتبہ ہے۔ پھر اہل اُحد کا؛ پھر بیت رضوان والوں کا۔

اہل علم کی ایک جماعت جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابن صلاح رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ نے ایسے ہی لکھا ہے۔[1]

بعض علمائے کرام نے اہل بیعت رضوان کو اہل احد سے مقدم کیا ہے اور بعض نے اہل احد کے بعد ان لوگوں کو شمار کیا ہے جو غزوہ خندق میں ثابت قدم رہے؛ اور پھر بیعت رضوان والوں کو شمار کیا ہے۔[2]

اہل سنت والجماعت اجمالی طور پر کہتے ہیں: "مہاجرین انصار سے افضل ہیں اور سابقین اولین صحابہ رضی اللہ عنہم بعد میں آنے والوں سے افضل ہیں۔" [3] جہاں تک حضرات صحابیات رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے؛ ان میں سب سے افضل تین ہیں: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ اور رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس امت کی افضل ترین عورتیں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کو آپس میں ایک دوسری پر فضیلت دینے میں اختلاف اور لمبی تفصیل ہے۔" [4]

یہاں پر یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ جمہور اہل علم کہتے ہیں: "صحابہ میں سے ہر ایک بعد میں آنے والے ہر ایک سے افضل ہے اور اس کے خلاف بھی کیسے سوچا جاسکتا ہے؟ جب کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔[اور اپنا تن من دھن ایسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اخلاص کی بنا پر فرمایا]" اگر ان کے بعد آنے والے احد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں تو ان کے خرچ کردہ ایک مٹھی برابر جو؛ یا اس کے آدھے حصے کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ تو پھر ان کی باقی نمازوں؛ صدقات اور جہاد اور باقی اعمال کا کیا عالم ہو گا۔"

اور اس کے خلاف تصور بھی کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ (الحجرات: ۷)

" لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو محبوب بنادیااور اسے تمھارے دلوں میں مزین کر دیااور اس نے کفر اور گناہ اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناپسندیدہ بنادیا، یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔"[1]

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ (النساء:۹۵)

"اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔"

اس کے خلاف تصور بھی کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں: "بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔" [تخریج گزر چکی ہے]

حضرت معافی بن عمران رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے؟ تو آپ اس سوال پر شدید غصہ ہوگئے؛ اور فرمانے لگے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ادنی صحابی پر بھی کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا؛ تو پھر امیر معاویہ کا کیا سوال؟ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار [سالے] ہیں؛ آپ کے صحابی اور کاتب وحی ہیں؛ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی پر آپ کے امین ہیں۔" [2]

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام پر کسی ایک کو قیاس کیا جاسکتا ہے؟ تو آپ فرمانے لگے: "معاذ اللہ! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے بدرجہا افضل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔"[3]

مزید آپ فرماتے ہیں: " ایک ادنیٰ صحابی بھی بعد میں آنے والی صدی کے ان لوگوں سے بہتر ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا؛ اگرچہ وہ اپنے سارے اعمال لے کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں۔"[4]

اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کیا توجیہ ہوگی؟[آپ کا فرمان ہے:] "بیشک تمہارے پیچھے ایسے ایام ہیں جن میں صبر کرنا ایسے ہے جیسے انگارے کو پکڑ لینا۔ ان ایام میں نیک اعمال کرنے والے کا اجر ایسے ہی ہوگا جیسے اس جیسے نیک اعمال کرنے والے پچاس افراد کا عمل۔" تو صحابہ نے عرض کیا: کیا ان میں سے پچاس نیک افراد کا عمل؟ تو آپ نے فرمایا: "تم میں سے پچاس افراد۔" [1]

جواب:.... یہ فضیلت ایک متعین معاملہ میں ہے؛ اس سے مطلقاً فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور وہ معاملہ یہ ہے کہ ان دنوں میں صبر کرنے والے کا اجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے پچاس صبر کرنے والوں کے اجر کے برابر ہے۔ پس پتا چلا یہ ایک خاص فضیلت ہے جو کہ ایک متعین مسئلہ میں ہے۔

یہ فضیلت مطلق طور پر نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث کہ ''ان میں سے ایک عامل کا اجر تم میں سے پچاس کے اجر کے برابر ہو گا۔'' اس میں کسی غیر صحابی کی صحابی پر فضیلت کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ صرف اجر زیادہ ہونے کے ثبوت سے مطلق طور پر افضلیت کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ نیز یہ کہ اجر میں تفاضل اس جیسے عمل کی نسبت سے ہوتا ہے۔ جب کہ وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل کر پائے ہیں؛ کوئی فضیلت اس سعادت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔'' [فتح الباری ۷/۷]

## ۴۔ ذکر خیر کرنا:

ان کی مدح و ثنا بیان کرنا؛ ان کے محاسن اور خوبیوں کا تذکرہ کرنا۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس قدسی جماعت کا ذکر خیر کرنا ان کی محبت کا ایک حصہ ہے۔ جس کا دل ان پاکبازوں کی محبت سے بھرا ہو گا تو بلا ریب اس کی زبان سے بھی ان کی محبت کے تذکرے ہوں گے۔ یہ عقیدہ تمام اہل سنت و الجماعت کے ہاں متفق علیہ رہا ہے؛ اور اسے انہوں نے اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ امام مزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان کی فضیلت بیان کی جائے گی اور ان کے افعال کے محاسن لوگوں میں نشر کیے جائیں گے۔'' [2]

امام ابن ابی زمنین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ انسان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے محبت کا عقیدہ رکھنا چاہیے اور ان کے محاسن بیان کرنے چاہئیں۔'' [1] امام ابن ابی داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق صرف خیر و بھلائی کی بات کہنی چاہیے؛ انسان کو طعنہ گر نہیں بن جانا چاہیے کہ ہر ایک کے عیب نکالے اور اس پر جرح کرے۔'' [2]

## ۵۔ جنتی ہونے کی گواہی دینا:

یعنی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول اور اجمالی طور پر جنتی ہونے کی گواہی دینا اور جن لوگوں کو متعین طور پر بشارت ملی ہے؛ ان کے لیے بطور خاص جنتی ہونے کی گواہی دینا۔

تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اجمالی طور پر تمام اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنتی ہیں۔ اس سے پہلے ایسی آیات گزر چکی ہیں جن میں صراحت کے ساتھ اس عقیدہ کے دلائل موجود ہیں۔ جیسا کہ یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ (التوبة:١٠٠)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں؛ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

اور یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَكُلاًّ وَعَدَ اللّهُ الْحُسْنَى ﴾ (النساء:٩٥)

''اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔''

اہل سنت والجماعت بطور خاص ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں جن کا تعین نصوص وحی میں ہو چکا ہے؛ جیسا کہ عشرہ مبشرہ؛ ان کے علاوہ حضرت عبد اللہ ابن سلام؛ حضرت قیس بن ثابت حضرت عکاشہ بن محصن اور ان کے علاوہ بیسیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لے کر جنتی ہونے کی بشارتیں آئی ہیں۔ ابو عثمان الصابونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جنہیں بطور خاص جنتی ہونے کی بشارت دی ہے؛ اہل سنت والجماعت ان کے لیے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپ کے وعدہ پر ایمان کا اظہار ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ گواہی دی تھی جب آپ کو بذریعہ وحی اس کا علم ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس غیبی خبر پر آپ کو مطلع کر دیا تھا۔''[1]

## ٦۔ اُن کے لیے دعا اور استغفار کرنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساتھ رضامندی کا اظہار کرنا۔ اہل سنت والجماعت اس مسئلہ میں یک زبان ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف و مدح و سرائی کرنا' ان کے لیے استغفار کرنا اور ان کے لیے رحمت و کرم کی دعا کرنا اور ان کا ذکر آنے پر رضی اللہ عنہ؛ یا رضی اللہ عنھم کہہ کر ان سے اظہار رضامندی کرنا واجب ہے۔[2]

امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں ہمیشہ خفیہ اور علانیہ ہر طرح سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے دعائیں اور استغفار کرتا رہوں گا جیسا کہ مجھے اس چیز کا حکم دیا گیا ہے۔''[3]

حتی کہ رضی اللہ عنھم ....یا رضی اللہ عنہما....یا رضی اللہ عنہ ....یا رضی اللہ عنہم کہہ کر دعا کرنا عرف عام میں صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص ہو گیا۔ جب کبھی بھی کسی صحابی کا نام لیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہہ کر اسے دعا دی جاتی ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کے ہاں عمل رہا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ وہ ان پاکباز ہستیوں سے راضی ہو گیا ہے؛[پھر ہم راضی کیوں نہ ہوں]۔

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبة:۱۰۰)

" اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔"

امام شوکانی[4] رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جمہور امت؛ اور سلف و خلف کے سواد اعظم کی یہ مبارک سنت رہی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رضامندی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت اور معافی کی دعا کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جانب ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (الحشر:۱۰)

"اور جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔" [1]

## ۷۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشوں پر خاموشی:

کسی ایسی چیز میں دخل اندازی نہ کی جائے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف دل میں کچھ میل پیدا ہوتی ہو۔ اہل سنت والجماعت اعتدال پسند شریعت کے حامل لوگ ہیں جو کہ غلو و جفا اور افراط و تفریط سے بہت دور ہیں۔ اس لیے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عالیشان منزلت کا عقیدہ و ایمان رکھتے ہیں؛ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ لوگ معصوم نہیں تھے؛ اور ان سے کسی غلطی یا لغزش کے سرزد ہو جانے سے ان کی عدالت پر فرق نہیں آتا اور جو کچھ ان سے وقوع پذیر ہوا اسے کسی دوسرے سے سرزد ہونے والے فعل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فرق وہی انسان سمجھ سکتا ہے جو دونوں گروہوں کی سیرتوں کے مابین فرق کو سمجھتا ہو۔ پھر وہ روایات جن کی بنا پر یہ محسوس ہو رہا ہو کہ ان میں سے کسی ایک سے گناہ یا خطا ہوئی ہے؛ اس بات کا بھی بھرپور امکان ہے کہ اس روایت میں کمی بیشی کی گئی ہو۔ یا وہ روایت سرے سے ثابت ہی نہ ہو۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید والی اکثر روایات کا یہی حال ہے۔۔ تو ایسی روایات کو بغیر کسی تردد اور حیل و حجت کے دیوار پر مار دیا جائے گا۔ یا پھر اس روایت کی کوئی مناسب اور صحیح

تاویل دیکھی جائے گی۔ جب کسی بھی سچے اور مخلص مسلمان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے عام مسلمان کے بارے میں حسن گمان رکھے؛ تو پھر مسلمانوں کی سردار ہستیوں اور اس قدسی جماعت کے متعلق کیا خیال ہے جو دین اسلام کے رموز سمجھے جاتے ہیں؟ اس کا سب سے ادنی درجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے ویسے افعال کو ان کی مناسب تاویل؛ یا پھر سہو اور غفلت پر یا ایسے اجتہاد پر محمول کیا جائے جس میں ہر صورت میں ان کے لیے کوئی نہ کوئی اجر ضرور ہے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خواہ کیسا ہی کوئی کام ہو گیا ہو؛ اس کے کفارہ کے لیے پانچ باتیں کفایت کر جاتی ہیں: **اوّل:**.... یہ کہ انہوں نے اس گناہ یا غلطی سے توبہ کر لی ہو گی۔ یہ بات کسی پر بھی مخفی نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم توبہ کرنے میں سب لوگوں پر سبقت لے جانے والے تھے۔ اور حدیث میں واضح طور پر آیا ہے: ''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔''[2]

## ۸۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین چپقلشوں پر خاموشی:

جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین پیش آیا' ان کے مابین جنگیں اور لڑائیاں ہوئیں؛ ان کے حوالے سے مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے؛ اور ان معاملات میں نہ پڑے۔ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے معاملات پر خاموشی اختیار کرتے ہیں؛ اور کہتے ہیں کہ یہ ان کے اجتہادی فیصلے تھے جن پر ان کے لیے اجر ہے۔ اہل سنت والجماعت کے عقائد کی سبھی کتابوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین پیش آنے والے ایسے معاملات میں پڑنے؛ یا گہرائی میں جانے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسے واقعات ان کے اجتہاد کی وجہ سے پیش آئے؛ جس میں ان کے لیے ہر حال میں اجر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ:

**اولاً:**.... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا جائے تو اپنی زبانوں کو روک لو۔''[3]

**ثانیاً:**.... ایسی باتیں کر کے علم و عمل کسی بھی چیز میں کسی فائدہ کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ تو ایک اچھے مسلمان کی نشانی یہ ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو ترک کر دے جو اس کے فائدہ کی نہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین لڑائیوں اور جنگوں کے جتنے بھی واقعات پیش آئے؛

وہ سارے ان کے اجتہادی فیصلے تھے۔ ان میں سے ہر ایک گروہ اپنی رائے کے مطابق حق کی نصرت کر رہا تھا۔ اس میں کوئی کوتاہی یا دھوکہ بازی والی بات نہیں۔ یہ معاملہ زیادہ سے زیادہ اس قاضی کی طرح ہو سکتا ہے جو کسی کو ادب سکھانے کے لیے سزا دے۔ اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بد گمانی رکھنا؛ اور اپنے دلوں کو ان کے متعلق میلا اور کینہ پسند رکھنا صرف ذلت اور رسوائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ نہ ہی

انہیں گھوڑا حاصل نہ ہی سامان سفر۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے کتنی ہی خوبصورت بات کہی ہے؛ فرمایا: " اللہ تعالیٰ نے اس خون سے میرے ہاتھ کو بچا کر رکھا؛ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں اپنی زبان اس میں ڈبو دوں۔"[1]

**ثالثاً:**.... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات میں پڑنا ایسا معاملہ ہے جس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ایک انسان اچھا بھلا صراط مستقیم پر چل رہا ہوتا ہے؛ مگر ایسے معاملات کو زیر بحث لا کر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک کے خلاف حسد وبغض پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی کسی بھی بڑی گمراہی کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ دین اسلام سد ذرائع کے طور پر ایسے امور سے منع کرتا ہے۔

علامہ بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشوں اور ان کے مابین پیش آنے والے واقعات کے متعلق گفتگو نہ کریں اور نہ ہی کسی ایسے معاملہ پر گفتگو کریں جس کا آپ کو صحیح علم نہیں اور اگر کوئی انسان اس[1]

کے متعلق گفتگو کر رہا ہو تو اس کی بات بھی نہ سنیں اگر آپ اس کی بات سنیں گے تو آپ کا دل صحیح سلامت نہیں رہے گا۔"[1]

**رابعاً:**.... اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ منافقین اور زندیق لوگوں نے اس باب میں بہت ساری چیزوں کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے۔ جب یہ عالم ہو کہ اکثر روایات من گھڑت اور جھوٹ ہوں تو پھر درست فیصلہ کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

ایسے جھگڑوں سے متعلق روایات کے بارے میں زیادہ تر اعتماد تاریخ کی کتابوں پر ہوتا ہے اور تاریخ کی کتابیں ایسی روایات سے بھری پڑی ہیں جن میں اچھے اور برے؛ سچ اور جھوٹ؛ خشک اور گیلا ملا کر بھر دیا گیا ہے۔ مؤرخین کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ ہر اس بات کو نقل کر دیتے ہیں جو لوگوں کے مابین مشہور ہو۔ تو پھر ایسے خطرناک معاملہ کے فیصلہ کے لیے ایسی جھوٹی روایات یا کمزور اور من گھڑت تاریخ پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ ھوا پرست مؤرخین کے ایسی روایات گھڑنے کے پیچھے اپنے مذموم مقاصد ہوا کرتے تھے۔ پھر ان میں سے جو روایات صحیح ہیں ان کا اس صحیح اور مناسب موقع محل پر رکھنا آسان ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اور ان کے مقام کے لائق ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھگڑوں اور اختلافات کے بارے میں جو کچھ تاریخ میں نقل کیا گیا ہے؛ ان میں سے کچھ باتیں تو باطل اور جھوٹ ہیں اور اگر کوئی بات صحیح ہے تو ہم اس کی مناسب اور درست تاویل تلاش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی تعریف اس سے پہلے کی جا چکی ہے اور جو کچھ ان کے بارے میں بعد میں روایت کیا گیا ہے اس میں تاویل کا احتمال ہے۔ ایسی چیز جس میں وہم ہو یا جو مشکوک ہو؛ اس کی بنا پر معلوم شدہ حق کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔" [2]

[1]شرح السنة للبربهاري (١١٢)۔سير أعلام النبلاء (١٠/٩٢)۔ [2] شرح الفقه الأكبر لملا على القاري (١٠٣)۔

## ۹۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تہمتیں لگانے والوں سے ان کا دفاع کرنا:

ان پر تہمتیں لگانے والوں سے ان کا دفاع کرنا اور ان کی دشمنی کے سامنے بند باندھنا۔

ایسا کرنا ان کے ساتھ سچی محبت رکھنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا ایک حصہ ہے۔ ہم تمام اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور ان کے دفاع کا ارادہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کی محبت کو ایمان وعقیدہ کا حصہ سمجھتے ہیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور جو کوئی ان سے بغض رکھتا ہے' یا انہیں اچھے لفظوں میں یاد نہیں کرتا ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔''[1]

اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی ہے: ''بیشک ایمان کی سب سے مضبوط رسی اللہ کی رضا کے لیے محبت کرنا اور اس کی رضا کے لیے بغض ونفرت رکھنا ہے۔''[2]

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اللہ کی رضا کے لیے بغض رکھنے کے سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ دشمنان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کا دفاع کرنا؛ ان کے جھوٹ پر رد کرنا' ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا اللہ کی راہ میں سب سے بڑا جہاد ہے۔

## ۱۰۔ اقتدا و اتباع کرنا:

اہل سنت والجماعت کا منہج اس اساس پر قائم ہے کہ: ان کا افضل ترین علم وہ ہے جس میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم کی اتباع و اقتداء کر رہے ہوں اور ان کا افضل ترین عمل وہ ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال کے پیچھے چل رہے ہوں اور ان کا ایمان وعقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر میدان میں ان سے بلند وبالا اور فائق ہیں۔''[1]

دین میں ان کی اقتدا فرض ہے۔ پس ان کی اقتدا اور آیات اور سورتوں کی اتباع کرنا چاہیے۔[2]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے عقیدہ کے اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

'' بیشک اصول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی راہ کی اقتدا کی جائے۔''[3]

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اپنے نفس کے لیے اس چیز پر راضی ہو جاؤ جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے نفوس کے لیے راضی ہو گئے تھے۔ بیشک وعلم کی روشنی میں چلتے تھے اور انتہائی نافذ بصیرت کے ساتھ رکتے تھے۔''[4]

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة:۱۰۰)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں؛ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ﴾ (لقمان:۱۵)

'' اور اس شخص کے راستے پر چلو جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔''

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد یہ وصف سب سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھا اور فرمان الٰہی ہے:

## علمائے کرام کے اقوال کا خلاصہ

اس بارے میں اب تک جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

☆ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ظاہر و باطن کا تزکیہ کیا تھا۔ ان کے ظاہری اور باطنی تزکیہ میں سے یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عظیم تر اور اعلی شان اخلاق حمیدہ کو قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح:۲۹]

''محمد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں آپ کے ساتھی کافروں پر بہت سخت اور آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ [الحشر: ۸]

''اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی سچے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

"اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو کچھ مہاجرین کو دیا جائے اور وہ انہیں اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہو۔"

جہاں تک باطن کی بات ہے، تو یہ معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ جو اکیلے ہی علیم بذات الصدور ہیں، انہوں نے ہمیں ان کے باطن کی صداقت اور اچھی نیات کے بارے میں خبر دی ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ [الفتح:۱۸]

"بالیقین اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہو گئے ہیں جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے احوال سے باخبر ہیں پھر ان پر اطمینان اتارا اور انہیں قریبی فتح سے نوازا۔"

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ [الحشر: ۹]

"جو ان کے پاس مہاجر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾ [الفتح:۲۹]

"آپ انہیں دیکھیں گے کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [التوبة: ۱۱۷]

"اللہ نے نبی اور مہاجرین و انصار کے حال پر توجہ فرمائی جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا اس کے بعد کہ ان میں سے بعض کے دل پھر جانے کے قریب تھے پھر ان کی توبہ قبول فرمائی بیشک وہ ان پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔" ہاں جب اللہ تعالیٰ نے ان کی سچی نیتوں اور سچی توبہ کو جان لیا تو ان کی توبہ قبول فرمالی۔

☆اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کو ظاہری و باطنی خیر و بھلائی کی خصوصی توفیق حاصل تھی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے ان حضرات کی توبہ قبول فرمالی ہے اور وہ ان حضرات سے راضی ہو گیا ہے۔ اور ان حضرات سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔

☆ان تمام سابقہ باتوں کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان کے لیے دعاء و استغفار کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اکرام بجالانے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنے اور ان سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے۔ انہیں گالی دینے یا ان کے ساتھ حسد و بغض رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان سے محبت کو ایمان کی نشانی قرار دیا ہے اور ان سے بغض و نفرت کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔

☆یہ ایک طبعی بات ہے کہ جب یہ تمام باتیں اس دور میں موجود تھیں جن کا ذکر کیا گیا ہے تو پھر لازمی ہوتا ہے کہ اس دور کے لوگ خیر القرون کے لوگ ہوں اور اس امت کے لیے باعث برکت و امان ہوں۔

پھر اس کے ساتھ ہی ضروری طور پر اس امت پر ان کی اتباع بھی واجب ہو جاتی ہے۔ بلکہ جنت حاصل کرنے کا یہی ایک رستہ ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "تم پر میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی اطاعت واجب ہے۔"[1]

☆صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنے والوں کے متعلق حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بے شک ان لوگوں کا ارادہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی پر طعن و تنقید کریں۔ مگر ایسا کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ پھر انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید شروع کر دی تاکہ یہ کہا جاسکے کہ: "اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے آدمی ہوتے تو آپ کے ساتھی بھی اچھے لوگ ہوتے۔"[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنا در حقیقت دین پر طعنہ زنی کرنا ہے۔"[3]

امام ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب آپ کسی آدمی کو دیکھیں کہ وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر رہا ہے تو اس بات کا یقین کر لیجیے کہ وہ زندیق ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن بھی حق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حق ہیں اور بیشک یہ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہم تک اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے پہنچی ہیں۔

ان لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ یہ ہمارے گواہوں کو مجروح کر دیں تا کہ کتاب و سنت کو باطل ثابت کرنا ممکن ہو جائے۔ تو پھر خود ان لوگوں پر جرح کرنا زیادہ اولی ہے کہ یہ لوگ زندیق ہیں۔"[4]

☆اب اس سارے کلام کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کی عدالت کا مطلب یہ نہیں کہ صحابی بحیثیت فرد گناہ سے معصوم ہیں۔ بلکہ عصمت ان کے اجماع میں ہے۔

اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ " یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔"

پس عصمت ان کی اجتماعیت میں ہے۔ جب کہ فردی حیثیت میں غیر معصوم ہیں۔

## خاتمہ

میں اس بحث کے اختتام پر اس توفیق اور آسانی کے لیے اللہ تعالی کا شکریہ ادا کرتا ہوں؛ اور جو اس نے احسان کیا اور بحث کو پورا کرنے کی توفیق دی اور جو اس کے نتیجہ میں اہم فوائد سامنے آئے، جن کا بذیل نکات میں پیش کیا جانا ممکن ہے:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ اعتدال پسندی کی وجہ سے جداگانہ ہے۔ نہ بعض صحابہ کرام کی شان میں غلو کرنے والوں اور نہ ہی ان کی شان میں کوتاہی کرنے والوں کی طرح ہے۔ اس سلسلہ میں وہ مختلف مخالف فرقوں کے درمیان اعتدال پسندی کی راہ پر ہیں؛ جیسے کہ وہ سارے اختلافی مسائل میں مخالفین کے درمیان اعتدال کی راہ پر قائم ہیں۔

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت و عقیدت، اور ان سے رضامندی اور ان کے لیے دعا کرنا، اور بعد میں آنے والے تمام امتیوں پر ان کی فضیلت کا اعتراف و عقیدہ، اور ان کی راہ سے انحراف کرنے والوں، ان پر طعن کرنے والوں اور ان کی شان میں گستاخی یا کوتاہی کرنے والوں سے برأت و بیزاری اہل سنت و الجماعت کا نمایاں وصف اور طرۂ امتیاز رہا ہے۔

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور ان کے منازل کے بارے میں کتاب و سنت کی نصوص کے مطابق چلنا اہل سنت و الجماعت کا نمایاں وصف ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل انسان جناب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان کے بعد جناب حضرت عمر رضی اللہ عنہ؛ ان کے بعد جناب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ؛ ان کے بعد جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ پھر ان کے بعد باقی اہل شوری، پھر باقی عشرہ مبشرہ، پھر اہل بدر میں سے مہاجرین، پھر اہل بدر میں سے انصار، پھر وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، ان کا مقام و مرتبہ میں بعد میں آنے والوں اور جہاد کرنے والوں سے بہت بڑھ کر ہے۔

۴۔ اہل سنت و الجماعت کے ہاں مقرر شدہ عظیم اصولوں میں سے ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف اور جھگڑوں کو بیان کرنے سے اپنی زبانوں کو روک کر رکھنا اور ان سب کے لیے رحمت کی دعا کرنا؛ اور ان کے لیے اپنے دلوں کو بالکل صاف رکھنا ہے اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ صرف خیر کے ساتھ ان الفاظ میں کیا جائے جو دین میں ان کے اس عظیم مقام؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کتاب و سنت اور منہج صحابہ پر سختی سے کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان تمام لوگوں اوران کے شر سے محفوظ اور دور رکھے جو کسی بھی طرح کسی ادنی صحابہ کی شان میں بھی کوئی کمی کوتاہی کرتا ہو۔ یرحم اللہ عبداً قال: آمینا

☆☆☆

## خلاصہ کلام

مذکورہ بالا نصوص کی تھوڑی دیر سیر سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے درمیان کتنے گہرے تعلقات تھے اور وہ اللہ کی خوشنودی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی رعایت میں اپنے دلوں میں دین اسلام اور اس کے ماننے والوں کے لیے کتنی محبت ومودت رکھتے تھے۔ اپنے دین کی حفاظت کے خواہش مند اور اپنے ایمان کے تحفظ کے حریص کو یہ بات جان لینی چاہیے کہ اہل بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت فرض ہے، اور ان کے بارے میں غلط سلط باتیں کہنا ان کے منہج اور سیرت سے خروج کرنا ہے، جو اتباع و پیروی کے لائق لوگوں میں سب سے بہترین ہیں، اور اپنے نفس کو اللہ کے عذاب کے لیے پیش کرنا ہے، اس کتاب میں عذابِ الٰہی سے ڈرنے والے، ثواب کی امید رکھنے والے اور اللہ کی طرف انجامِ کار لوٹ کر جانے کا علم رکھنے والے کے لیے نصیحت ہے۔ اے اللہ! تو ہمیں ان کی اور ان کے پیروکاروں کی محبت عطا فرما اور ان کے ساتھ ہمارا حشر فرما۔ آمین!

### ابو منقاد الله بن الحاج خان بادشاہ حفظه الله ورعاه وجعل الجنة مثواه

### 23ربیع الثانی۔۔1447ھ 15اکتوبر۔۔2025ع

### یوم الاربعاء وقت العصر

## مراجع ومصادر


۱۔ الارشاد للمفید، سلسلۃ مؤلفات المفید، دار المفید، بیروت، دوسرا ایڈیشن: ۱۴۱۴ھ۔

۲۔ استجلاب ارتقاء الغرف، از: سخاوی، تحقیق: خالد احمد صمی

۳۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، از: ابن عبد البر۔

۴۔ بحار الانوار، از: مجلسی۔

۵۔ البدایۃ والنہایۃ، از: علامہ ابن کثیر۔

۶۔ تاریخ الامم والملوک، از: علامہ طبری۔

۷۔ تاریخ دمشق، از: ابن عساکر۔

۸۔ تأویل الآیات فی فضائل العترۃ الطاہرۃ، از: اشر ابادی نجفی۔

۹۔ تفسیر الامام العسکری، تحقیق: مدرسۃ الامام المہدی۔

۱۰۔ الخصال، از: ابن باقویہ تحقیق: علی اکبر غفاری۔

۱۱۔ السلسلۃ الصحیحۃ، از: ناصر الدین البانی۔

۱۲۔ سنن ابی داود، از: امام ابو داود سجستانی۔

۱۳۔ سنن ترمذی، از: امام محمد بن عیسی ترمذی۔

۱۴۔ سیر اعلام النبلاء، از: علامہ ذہبی۔

۱۵۔ صحیح ابن حبان، از: ابن حبان بسی۔

۱۶۔ صحیح بخاری، از: امام بخاری۔

۱۷۔ صحیح مسلم، از: امام مسلم۔

۱۸۔ الصحیفۃ السجادیۃ الکاملۃ، از: امام زین العابدین۔

۱۹۔ الطبقات الکبری، از: محمد بن سعد۔

۲۰۔ فضائل الصحابۃ، از: امام احمد بن حنبل۔

۲۱۔ الکافی (اصول)، از: کلینی تحقیق: علی اکبر غفاری۔

۲۲۔ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، از: اربلی۔

۲۳۔ مجمع الزوائد، از: علامہ ہیثمی۔

۲۴۔ مروج الذہب، از: مسعودی۔

۲۵۔ مستدرک حاکم، از: حاکم نیساپوری۔

۲۶۔ مسند ابی یعلی، از: ابو یعلی موصلی۔

۲۷۔ مسند امام احمد، از: امام احمد بن حنبل۔

۲۸۔ مصنف ابن أبی شیبہ، از: ابو بکر بن ابی شیبہ۔

۲۹۔ معجم البلدان، از: یاقوت حموی۔

۳۰۔ نہج البلاغۃ، تحقیق: محمد عبدہ۔

## مؤلف کے دیگر تالیفات

1۔کتاب الحجامة پښتو .....................۔. مطبوع

2۔حوارات المسلم عربی ...................... مطبوع

3۔حوارات النسوة عربی ..................... مطبوع

4۔حوارات ابناء الاسلام .................... غیر مطبوع

5۔حوارات بنات الاسلام عربی .........۔۔.. ۔۔مطبوع

6۔حدیقة المسلم عربی .................... غیر مطبوع

7۔حدیقة النسوة عربی ...................... غیر مطبوع

8۔تذکرة بیاد شیخ اردو ......................... مطبوع

9۔اتحاد الامت پښتو ...........................غیر مطبوع

10۔معارف الاحوال لاصلاح عمل الاطفال پښتو . مطبوع

11۔اسان اصول فقه پښتو .................... غیر مطبوع

12۔لغة الاطفال عربی ........................... غیر مطبوع

13۔میزان الصرف عربی .......................۔۔ مطبوع

14۔صرف بهائی عربی ......................... غیر مطبوع

15۔مه غمژن کیګه ..................... غیر مطبوع

16۔اسلامی نغمے پښتو ....................... غیر مطبوع

17۔دعوت الی الله ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

18۔روضة الاطفال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

19۔پښتو ترجمه اسان مونځ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

20۔ماحکم المیراث فی الاسلام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

21۔اَلْمُکَالَمَتُیِنَ ٗ َ یَدَیکَ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

22۔اسانه طریقه دقرآن مجید دحفظ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

23۔علم القرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

24۔اهل القرآن ورجال القرآن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

25۔پرسکون گھرانه اورحقوق نسواں۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

26۔المکالمه بین النساء ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

27۔څلویښت دعاګانی او څلویښت حدیثونه ۔۔۔۔۔۔مطبوع

28۔عظمت قرآن بزبان قرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

29۔الجرح والتعدیل وظوابط التحقیق والتخریج ۔۔۔۔۔غیر مطبوع

30۔اصول الحدیث فی حدیث الرسول ۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

31۔توحید باری تعالیٰ سے متعلقه شکوک وشبهات کاازاله۔ غیر مطبوع

32۔پښتو ترجمه رہنمائے اساتذه مطالعۂ قرآن حکیم ۔۔غیر مطبوع

33۔پښتو ترجمه مطالعۂ قرآن حکیم جلد اول ۔۔غیر مطبوع

34۔پښتو ترجمه مطالعۂ قرآن حکیم جلد دویم۔ غیر مطبوع

35۔پښتو ترجمه خیرالاصول فی حدیث الرسول ۔۔۔۔مطبوع

36۔فتنوں مؤمن کا کردار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

37۔نورالقرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

38۔فکری منصوبی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

(39)اہل السنۃ والجماعۃ کا تصور سنت (1)

(40) جھنم کا بیان اور اللہ سے محبت کیوں اور کیسے

(41) اصول الفقه فی علوم الفقه

(42) مؤمن کی نماز اور طھارت کے مسائل واحکام

43)نماز کا مسنون طریقه اور اس کے احکام و مسائل

(44)زکاۃ کے فرضیت اور فضائل واحکام

(45) حج کے فضائل واحکام حج وعمرہ

(46) روزہ کے حقیقت اور رمضان المبارک کے احکام ومسائل

(47) خواتین سے متعلق مخصوص احکام ومسائل

(48) نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(49) نبی کی جامع سیرت اور اخلاق نبوی

(50)سیرتِ شیخین یعنی ابو بکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما

(51) سیرتِ ختنین یعنی عثمان غنی وعلی المرتضٰی رضی اللہ عنہما

(52)سیرتِ حسنین یعنی حسن اور حسین رضی اللہ عنہما

(53) سیرتِ عظیم اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین

یم اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین

## فہرست


| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|
| 1 | اظہارِ تشکر | 2 |
| 2 | مقدمہ | 4 |
| 3 | اہل بیت ( رضی اللہ عنہم ) کی تعریف | 9 |
| 4 | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اہل بیت کی اپنے ارشاد میں وصیت فرمائی ہے وہ کون ہیں؟ | 11 |
| 5 | تیسری خاصیت: اہل بیت پر زکوۃ کی حرمت: | 13 |
| 6 | بیت نبوت کے سردار رسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم | 15 |
| 7 | ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن | 22 |
| 8 | ام المؤمنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا | 23 |
| 9 | امہات المومنین کے عام فضائل | 29 |
| 10 | ازواج مطہرات کے خصوصی فضائل | 31 |
| 11 | حضرت سودہ کے فضائل اور مناقب: | 32 |
| 12 | حضرت حفصہ کے فضائل ومناقب: | 36 |
| 13 | ام سلمہ کے فضائل ومناقب: | 37 |
| 14 | سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب: | 40 |
| 15 | سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب: | 41 |
| 16 | سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب:۔۔ ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ | 42 |

| | | |
|---|---|---|
| 17 | ام المومنین سیّدہ ام سلمہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا | 47 |
| 18 | سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب: | 51 |
| 19 | ام المؤمنین سیّدہ حفصہ بنت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما | 52 |
| 20 | ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب | 55 |
| 21 | ذریت طیبہ رضی اللہ عنہم اجمعین جگر گوشۂ رسول سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا | 60 |
| 22 | سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ | 65 |
| 23 | سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا | 69 |
| 24 | سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا | 72 |

| | | |
|---|---|---|
| 25 | سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا | 75 |
| 26 | آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور پھوپھی سیّدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ | 78 |
| 27 | سیّدہ صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہما | 83 |
| 28 | سیّدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ | 86 |
| 29 | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد اولاد سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ | 90 |
| 30 | سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما | 93 |
| 31 | سیّدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ | 98 |
| 32 | سیّدہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا | 101 |

| | | |
|---|---|---|
| 33 | سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما | 105 |
| 34 | محمد مہدی رحمہ اللہ | 108 |

| | | |
|---|---|---|
| 35 | نام ونسب: | 109 |
| 36 | حلیہ مبارک: | 110 |
| 37 | سیّدنا حسین رضی اللہ عنہا کی اولاد واحفاد  سیّدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا: | 111 |
| 38 | امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ | 113 |
| 39 | عظیم لوگوں کی زندگی سے حاصل ہونے والے سبق: | 116 |
| 40 | امہات المومنین کی دعوتی سرگرمیاں | 119 |

| | | |
|---|---|---|
| 41 | امہات المؤمنین کے سلسلے میں چند عام معلومات | 120 |
| 42 | کثرتِ روایتِ حدیث کے اعتبار سے امہات المومنین کی ترتیب[1] ا۔ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا | 121 |
| 43 | ۷۔ سیّدہ صفیہ بنت حيي بن اخطب رضی اللہ عنہا: | 123 |
| 44 | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے معاشرتی حالات | 124 |
| 45 | ازواج مطہرات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی تعلق واضح کرنے والا نقشہ | 125 |
| 46 | خلاصہ کلام | 126 |
| 47 | ذریت طاہر بیٹے: | 127 |
| 48 | سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم | 129 |

| | | |
|---|---|---|
| 49 | سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم | 131 |
| 50 | اہل بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کون ہیں؟ | 132 |
| 51 | آل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل: | 135 |
| 52 | اہل بیت رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں مسلمانوں کا عقیدہ: | 137 |
| 53 | صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کون ہیں؟ | 138 |

| | | |
|---|---|---|
| 54 | حدیث نبوی میں وارد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل: | 139 |
| 55 | خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں مسلمانوں کا عقیدہ: | 140 |
| 56 | اہل بیت، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ثناخواں | 141 |

| | | |
|---|---|---|
| 57 | عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 144 |
| 58 | امام علی بن حسین رضی اللہ عنہ صحابہ کے ثناخواں: | 145 |
| 59 | امام محمد باقر رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 147 |
| 60 | امام زید بن علی بن حسین رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 148 |
| 61 | امام عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 149 |
| 62 | امام جعفر صادق رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 150 |
| 63 | امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 151 |
| 64 | امام علی رضا رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 152 |

| | | |
|---|---|---|
| 65 | صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں | 153 |
| 66 | حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 155 |
| 67 | عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں : | 158 |
| 68 | جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 159 |
| 69 | عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 160 |
| 70 | عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 161 |
| 71 | ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 162 |
| 72 | زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 163 |

| | | |
|---|---|---|
| 73 | معاویہ رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ثناخواں: | 164 |
| 74 | ا۔ صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت عین ایمان ہے: | 166 |
| 75 | ۲۔ فضیلت وعدالت کا عقیدہ: | 167 |
| 76 | ۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین افضلیت کا عقیدہ: | 171 |
| 77 | ۴۔ ذکر خیر کرنا: | 174 |
| 78 | ۶۔ اُن کے لیے دعا اور استغفار کرنا: | 175 |
| 79 | ۸۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین چپقلشوں پر خاموشی: | 177 |
| 80 | ۹۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تہمتیں لگانے والوں سے ان کا دفاع کرنا: | 179 |

| | | |
|---|---|---|
| 81 | علمائے کرام کے اقوال کا خلاصہ | 180 |
| 82 | خاتمہ | 183 |
| 83 | خلاصہ کلام | 184 |
| 84 | مراجع ومصادر | 185 |
| 85 | مؤلف کے دیگر تالیفات | 187 |